پراسرار کہانیاں

ابو علی ارسلان

ترتیب

پیش رس	5
بد روحوں کا مسکن	7
بے گناہ قاتل	23
عفریت کی تلاش	38
سنگدل قاتلہ	54
آسیبی عمارت	67
اپنا قاتل آپ	84
ظالم ڈاکٹر	94
ممی کا راز	104
سانپ کا تحفہ	112
کس کا بھوت	165
تیسرا شکار	172

PdfStuff.blogspot.com

زندہ آنکھیں مردہ آنکھیں	188
منحوس کھوپڑی	204
پیار کا بندھن	216
جب چادر ہٹی	228
تصویروں کی لعنت	236

☆.....☆.....☆

پیش رس

آپ کی نظروں کے سامنے جو کتاب ہے اسے پڑھنے سے پہلے اپنے دل کو مضبوط کر لیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کتاب میں آپ کو ایسی کہانیاں پڑھنے کو ملیں گی جن کی بنیاد خوف اور صرف خوف ہے۔ رات کے اکیلے لمحات میں جب آپ اس کتاب کی کوئی کہانی پڑھیں گے اور اس دوران آپ کو لوڈشیڈنگ سے واسطہ پڑے گا تو ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ کو سر منہ لپیٹ کر سونا پڑے گا۔ اندھیرے میں آپ آنکھیں کھول کر نہ جاگ سکیں گے نہ "فیئر آف ان نون" سے بچ سکیں گے۔

اعصاب کی مضبوطی کے لئے ضروری ہے کہ ان کی شکست و ریخت اور مرمت و سینچائی کا کام ساتھ ساتھ ہوتا رہے۔ یہ کہانیاں آپ کے اعصاب کے لئے ٹانک بھی ہیں اور انجانی دنیاؤں کا سفرنامہ بھی۔ شکریہ۔

سرفراز احمد راہی

PdfStuff.blogspot.com

بدروحوں کا مسکن

گاؤں کے مکھیا نے اسے اپنی نفسانی خواہش پوری نہ کرنے پر مروا دیا۔ مرنے کے بعد بھی اس بدکار نے اس کی روح کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ان کی نسلوں نے اپنی پاکیزہ نانی کو نجات دلانے کی ٹھان لی۔

لوگوں کے ہجوم میں اچانک چیخوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ کیتھرین' جس کے پاؤں اور گلے میں زنجیریں تھیں دو گرانڈیل سپاہی اسے کشاں کشاں کھینچتے چلے آ رہے تھے۔ وہ اسے گاہے گاہے چابکوں سے مار رہے تھے اور درد کی شدت سے کیتھرین کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ کیتھرین نہایت خوبصورت لڑکی تھی۔ گرین ویل میں اس جیسی اور کوئی بھی لڑکی نہیں تھی۔ اسے چبوترے پر لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ بستی کے سردار گراہم نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ چونکہ کیتھرین سے جنسی جرم سرزد ہوا ہے جس کی سزا موت ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہم یہاں موجود ہیں تاکہ کیتھرین کو اس کے کیے کی سزا دی جا سکے۔

اس پر کیتھرین نے چلا کر کہا کہ اس پر بہتان تراشی کی گئی ہے۔ وہ بے گناہ ہے۔ اگر اسے سزا دی گئی تو اس کا خمیازہ تمام بستی والوں کو بھگتنا پڑے گا۔ سزا اس کی بجائے سردار کو ملنی چاہئے جس نے اپنی سرداری کی آڑ لے کر اپنی ناپاک خواہشات کی تکمیل کرنی چاہی اور جب اس نے انکار کیا تو یہ سزا تجویز کر دی گئی۔ جس شخص کے ساتھ اسے منسوب کیا گیا ہے وہ بھی بالکل بے گناہ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ پنچایت اپنا فیصلہ تبدیل کر لے۔ ابھی کیتھرین نے اتنا ہی کہا تھا کہ سردار نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور جلاد سے کہا کہ "سزا میں تاخیر نہ کی جائے۔ چنانچہ جلاد نے فوراً" ہی کیتھرین کی گردن اپنے تیز

کلہاڑے سے اڑا دی۔

لیکن یہ کیا ہوا' یہ تو اندھیرا چھا گیا ہے۔ فضا میں رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ شور بڑھ رہا ہے۔ پھر کان پڑی آواز نہ سنائی دی۔ تقریباً" نصف گھنٹے بعد اندھیرا چھٹ جاتا ہے اور سورج اسی طرح چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ البتہ چبوترے سے کیتھرین کی لاش غائب تھی۔ وہاں خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ سب نے دیکھ کر یک زبان ہو کر کہا کہ کیتھرین واقعی بے گناہ تھی۔ اے مقدس مریم اور روح القدس ہمارے اوپر رحم کرنا اور کیتھرین کی بے گناہی کی سزا بستی والوں کو نہ دینا۔

کیتھرین کے واقعہ کو کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ اب تو بستی کے لوگوں کو یاد بھی نہیں رہا کہ وہاں ایک خوبصورت لڑکی کیتھرین بھی رہا کرتی تھی جسے قربان گاہ پر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ نئے سردار اور پنچایت نے قربان گاہ کو ختم کر کے وہاں گرجا تعمیر کر لیا تھا۔ آج بستی کے سب لوگ اس میں جمع تھے۔

فادر نے ابھی وعظ شروع ہی کیا تھا کہ ہال کی آخری رو میں بیٹھی ہوئی ایک خاتون کی دلخراش چیخ ابھری اور اس کے ساتھ ہی اس نے مدد کے لیے پکارا۔ چیخ سے پورے ہال میں خوف و ہراس پھیل گیا اور ہر شخص سراسیمہ نظر آنے لگا۔ پھر ان کی آنکھوں نے جو منظر دیکھا اس نے ان کے ہوش و حواس خطا کر دیے۔ بچوں نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے عبادت کے لیے آئے ہوئے تمام مرد و زن ہال سے باہر نکلنے کے لیے بڑے دروازے کی طرف لپکے۔ ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ وہ پہلے باہر نکلے تاکہ ہال کے اندر کے ماحول سے بچ سکے۔ اس دھکم پیل کے دوران فادر ڈائس سے گر کر لوگوں کے پاؤں تلے آ کر زخمی ہو گئے۔ اسی دوران ہال میں اب شیطانی قہقہے گونجنے لگے تھے۔ جن کی وجہ سے ماحول اور بھی وحشت ناک ہو گیا تھا۔ وہ جگہ جہاں تھوڑی دیر پہلے لوگ خوش خوش عبادت کے لیے جمع تھے آناً" فاناً" ویران

ہو گئی تھی۔ جب فادر کو ہوش آیا تو انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی ویرانے میں بیٹھے ہوں۔ وہ کافی دیر تک سوچتے رہے کہ ہوا کیا تھا؟ جب ان کے حواس بحال ہوئے تو وہ اس نشست کی طرف بڑھے جہاں سے وعظ شروع ہوتے ہی چیخ ابھری تھی۔ ہال میں نشستوں کے درمیان کسی کا جوتا رہ گیا تھا' کسی کی ٹوپی گر گئی تھی تو کوئی اپنے دستانے بھول گیا تھا۔ اچانک فادر کا پاؤں کسی نرم چیز پر پڑا۔ وہ ٹھوکر لگتے ہی گر پڑے۔ اوہ یہ کیا؟ یہ تو کسی بچے کی لاش ہے جو لوگوں کے پاؤں تلے آ کر روندا گیا تھا۔ بچہ بہت خوبصورت تھا۔ اس کی کھلی آنکھیں اس بات کی شاکی تھیں کہ اس سے کیا قصور ہوا جو اتنی بڑی سزا دی گئی تھی لیکن فادر کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ آخری نشست تک پہنچتے پہنچتے انہیں تین اور بچوں کی لاشیں ملیں۔ یہ پھول بھی وقت سے پہلے ہی مرجھا گئے تھے۔ پھر جو ان کی نظریں اس خاتون کی لاش کی طرف اٹھیں تو خوف کی ایک لہر ان کے جسم میں دوڑ گئی اور وہ ایک بار پھر بے ہوش ہوتے ہوتے بچے۔ یہ تو میری تھی' بہت ہی خوش مزاج لڑکی تھی۔ وہ بستی کی جان تھی۔ اس کی آنکھیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ شہ رگ سے خون بہہ کر کپڑوں پر جم گیا تھا۔ آنکھیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ اس کے دونوں ہاتھ گردن پر تھے جیسے وہ خود کو کسی نادیدہ ہاتھوں سے چھڑانے کی کوشش کر رہی ہو۔ فادر کے لیے یہ منظر ناقابل برداشت تھا۔ وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو گئے۔

○

ادھر گرجا کے باہر عجیب منظر تھا۔ عبادت کے لیے آنے والے لوگ اب باہر گراؤنڈ میں جمع تھے۔ ہر شخص کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ہر شخص دوسرے سے پوچھ رہا تھا کہ کیا ہوا' کس کی چیخ تھی۔ ایک عورت رو رہی تھی'

PdfStuff.blogspot.com

میری بیٹی کو ڈھونڈ کر لاؤ تو دوسری کہہ رہی تھی کہ میرا ننھا جان کہاں گیا۔ ایک نوجوان لڑکی پوچھ رہی تھی کہ اس کے بھائی کو تو کسی نے نہیں دیکھا۔ ابھی وہ اس صورت حال سے ہی نہیں سنبھلے تھے کہ انہیں ایک نئی افتاد سے دوچار ہونا پڑا۔ بڑے گیٹ سے فادر نمودار ہوئے ان کے کپڑے تار تار تھے۔ بال بکھرے ہوئے اور ایک پاؤں سے جوتا بھی غائب تھا۔ ابھی وہ گیٹ سے باہر آئے ہی تھے کہ ایک بارعب آواز گونجی۔

"یہ ہمارا گھر ہے۔ اب اس میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے ہے۔ اگر کسی نے خلاف ورزی کی تو اس کا حشر بھی میری جیسا ہی ہو گا۔"

اس کے ساتھ ہی فادر زور سے اچھلے اور لوگوں کے سامنے آن گرے جیسے کسی نے انہیں اٹھا کر پھینکا ہو۔ اتنی دیر میں اچانک ہی تیز ہوا چلنی شروع ہو گئی اور وہی آواز پھر ابھری کہ یہ ہمارا گھر ہے' اس میں اب ہم ہی رہیں گے۔

آواز ختم ہوتے ہی شیطانی قہقہے ابھرنے لگے جو ہوا کے ساتھ تیز ہوتے گئے۔ ہر طرف گرد ہی گرد اڑنے لگی۔ سب لوگ اس میں چھپ گئے۔ بستی کے لوگ جب گرد میں اٹے ہوئے گھروں میں پہنچے تو وہاں اس سے بھی زیادہ تباہی مچی ہوئی تھی۔ وہ لوگ جتنا بھی صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کرتے وہ بگڑتی ہی چلی گئی۔ پھر اس کے بعد بستی کے لوگوں کو وہاں چین سے رہنا نصیب نہ ہوا۔ وہ ایک ایک کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ البتہ فادر اور ان کی ہمشیرہ اور ایک ملازم جیکب نے وہاں سے جانا گوارا نہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر وہ بھی وہاں سے چلے گئے تو اس گرجا کو شیطانی قوتوں سے کون نجات دلائے گا۔ فادر گرجا سے ملحقہ ایک کھلے بنگلے میں رہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ قریب رہ کر اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

○

ایک دن جوزف کو خط ملا جس پر گرین ویل کی مہر تھی۔ گرین ویل وہی بستی تھی جس کا ذکر آتے ہی گھر کے ہر فرد کے چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ اس علاقہ کا جس کو اس کے دادا نے اس وقت چھوڑ دیا تھا جب اس کا باپ پیٹر چھوٹا سا تھا۔ آئزک تو گرین ویل کا نام نہیں لیتا تھا۔ جوزف کو وہ دن اچھی طرح یاد تھا جس دن اس کے دادا کا انتقال ہوا تھا۔ لنکن کی چیخوں سے پورا محلہ دہل رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی نادیدہ طاقت اس کے گلے کو دبا رہی ہو اور وہ خود کو اس سے چھڑانے کی جدوجہد میں مصروف ہو۔ اس کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔ مرنے کے بعد اس کا چہرہ کسی عفریت کی مانند ہو گیا تھا۔ اس کے گلے اور چہرے پر نوکیلے ناخنوں سے خراشیں لگائی گئی تھیں جس سے خون رس رہا تھا۔ اس کی لاش بڑی شاہراہ پر پڑی ہوئی ملی تھی کسی نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا تھا۔ بازو تڑے مڑے تھے۔ ٹانگیں بھی توڑ دی گئی تھیں۔ بظاہر یہ قتل کا واقعہ تھا لیکن خون کا ایک قطرہ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ مارنے والے نے آئزک کی آنکھیں بھی نکال دی تھیں۔ خط دیکھ کر جوزف کو سب کچھ یاد آ گیا۔ مہم جو طبیعت رکھنے والے جوزف نے گرین ویل جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے جس نے اسے وہاں آنے کی دعوت دی تھی۔

مسٹر لیب' مس میری' ڈورتھی' مسٹر چارلس' مس ڈولی کیتھرین اور مسٹر بل کو بھی اسی قسم کے خطوط ملے تھے۔ ہر خط میں کسی نہ کسی کا حوالہ دیا گیا تھا کہ وہ بھی آ رہے ہیں اس لیے وہ ضرور آئیں۔ حالانکہ سب افراد ایک سرے سے بہت دور الگ الگ شہروں میں مقیم تھے اور کوئی کسی کو نہیں جانتا تھا۔ البتہ ان کے باپ' دادا' دادی' نانی وغیرہ ایک ہی جیسی اذیت ناک موت سے دوچار ہوئے تھے اور اسی کے حوالے سے ان کو یہ معلوم تھا کہ یہ لوگ اپنے آبائی گاؤں گرین ویل کو چھوڑ کر یہاں آ بسے تھے لیکن سب حیران تھے کہ

Pdfstuff.blogspot.com

ان کو بلانے والا کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟

گرین ویل پہاڑوں میں گھری ہوئی ایک خوبصورت وادی تھی۔ ہر طرف سرسبز اور پھل دار درخت، رنگ برنگے پھول عجیب بہار دے رہے تھے۔ اگرچہ یہ بستی اجڑ چکی تھی مگر ویران ہونے کے باوجود اس کا حسن برقرار تھا۔ گرین ویل کا گرجا گھر اپنی پوری شان سے موجود تھا مگر اس میں جا کر عبادت کرنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔

جوزف، لیمب، ڈورتھی، چارلس، ڈولی اور مسٹر ایگل جب گرین ویل کے اصل باشندوں کے چند ورثا اس عمل میں شریک نہ ہوں گے میں کامیاب تو ان کا استقبال ایک خمیدہ کمر بوڑھے نے کیا۔ اس بوڑھے نے اپنا تعارف جیکب کہہ کے کرایا اور ان سب کو بتایا کہ اس نے ان کو یہاں آنے کی دعوت دی ہے۔ جیکب نے بتایا کہ سب کے لیے ایک ایک گھر موجود ہے۔ اگر وہ چاہیں تو اکٹھے بھی رہ سکتے ہیں۔ اس پر جوزف نے اکٹھے رہنے کی تجویز پیش کر دی۔ دراصل اسے مس ڈولی اچھی لگی تھی اور وہ اس کے قریب رہنا چاہتا تھا۔ اس نے لوگوں کے چہرے اور تمام حالات سے روشناس کرایا گیا۔ چنانچہ میں نے خیال تھا کہ اگر وہ الگ الگ رہے تو نہ جانے کیا حالات پیش آئیں اور ایسا نہ ہو لوگوں کو یہاں آنے کی زحمت دی۔ مجھے یقین کامل ہے کہ میری کوششیں کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہ سکیں۔ چنانچہ سب گرجا گھر کے قریب رائیگاں نہیں جائیں گی اور اب آپ سب میرے سامنے موجود ہیں اور وہ وقت ہوئے اس گھر میں جمع ہو گئے جو فادر کی سرکاری رہائش گاہ ہوا کرتا تھا۔ دور نہیں جب ہم اپنی اس بستی کو دوبارہ آباد کر سکیں گے۔

تھکے ہوئے تھے اس لیے اپنے اپنے کمرے میں جا کر سو گئے۔ شام کی چائے

جب وہ اکٹھے ہوئے تو اچانک جوزف نے جیکب سے کہا کہ ہمیں یہاں بلا

مقصد کیا ہے، اور آپ کو ہمارے موجودہ ٹھکانوں کے بارے میں کیسے علم

کیونکہ جب ہمارے ماں باپ اور ان کے بزرگوں نے ہی ناطہ توڑ لیا تھا تو

ہمیں اس جگہ سے کیسے دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اسی قسم کے سوالات دوسرے

مہمانوں نے بھی کیے۔ جیکب سب کی سننے کے بعد مسکرا کر بولا۔

"گرجا گھر میں فادر کے وعظ کے موقع پر جو واقعات پیش آئے اس کا راز

کو ہی دکھ ہے۔ اگرچہ آپ کے باپ دادا نے اس بستی کو چھوڑ دیا تھا اور

اور اس کی بہن اور میں یہاں رہ گئے تھے۔ ہم نے حتی الامکان کوشش کی تھی کہ شیطانی طاقتوں کو نکال دیں اور اس پر اپنا قبضہ بحال کرائیں۔ کوشش میں فادر اور مدر اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان کا انجام دیکھ کر خیال آیا کہ کیوں نہ کسی عامل سے بات کی جائے۔ چنانچہ میں بستی سے نکل کر جگہ جگہ کی خاک چھانتا رہا اور روحوں کو قابو کرنے کے طریقے سیکھتا رہا۔ لیکن جب بھی اس پر عمل کرنے کا وقت آیا تو مجھے بتایا جاتا کہ جب تک اس بستی کے باشندوں کے چند ورثا اس عمل میں شریک نہ ہوں گے میں کامیاب نہیں ہو سکوں گا۔

اب میرے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ان ورثا کو کہاں ڈھونڈھوں اگر وہ چاہیں تو آپ لوگوں کو کس طرح بلاؤں۔ میں نے ایک خاص عمل شروع کیا جس کے ذریعے میں نے ایک ایک گھر میں جا کر دیکھا۔ اس دوران میں مجھے یقین تھا کہ مجھے کامیابی ہو گی۔ دو دن کے مراقبے کے بعد مجھے ایسا نظر آیا کہ آپ لوگوں کو یہاں آنے کی زحمت دی۔ چنانچہ میں نے ان کو یہاں آنے کی دعوت دی۔

رات کا کھانا سب نے اکٹھے کھایا اور بنگلے کے بڑے ہال میں اپنے اپنے بر
پر جا لیٹے۔ سب نے جیکب کے کہنے پر عبادت کی اور صلیب گلے میں لٹکائی
جیکب نے ان کو ایک اور مشورہ بھی دیا کہ وہ کوئی بھی صورت حال ہو کمر
سے باہر نہ نکلیں۔ وہ کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ہنسی مذاق ہوتا رہا
آہستہ آہستہ سب کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئیں اور جو جس حالت میں
سو گیا۔

رات کا ابھی دوسرا پہر ہی گزرا تھا کہ زبردست گڑگڑاہٹ سے بنگلہ
گیا۔ جس کمرے میں جوزف وغیرہ سوئے ہوئے تھے وہاں سونے والے سب
ڈ ہو گئے۔ سب سے زیادہ افراتفری وہیں پھیلی۔ سامان ایک دوسرے کے
گر پڑا تھا۔ ہر شخص چیخ رہا تھا اور ایک دوسرے کو مدد کے لیے پکار رہا تھا۔
سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہا پھر اچانک سکون ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے
کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ روشنی کی گئی تو کمرے کے مکینوں کو ایسا کوئی سراغ نہ ملا
سے پتہ چلتا کہ یہاں تھوڑی دیر پہلے کس قدر خوفناک صورت حال پیدا ہو
تھی۔ پھر سب سو گئے۔ اچانک اور ایک تیز اور دل ہلا دینے والی چیخ ابھر
اس کے ساتھ ہی کسی لڑکی کے بڑبڑانے کی آواز آئی۔

"مجھے تنگ نہ کرو، دیکھو میں بہت تھک چکی ہوں، سفر میں بھی آرام
مل سکا تھوڑا سا آرام کرنے دو میں کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی۔" یہ بڑبڑا
بھی چند لمحوں کے بعد ختم ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد پھر ایک چیخ ابھری جس نے سب کو دہلا کر رکھ دیا تھا
شخص اپنے بستر سے باہر نکل آیا۔ روشنی کی گئی۔ روشنی میں منظر زیادہ دلخرا
تھا۔ یہ ڈولی تھی جس کے گلے سے اب بھی خرخراہٹ جاری تھی۔ وہ با
برہنہ تھی اور ایسے ہاتھ پاؤں چلا رہی تھی جیسے کسی کو دھکا دے رہی ہو۔
سب نے مل کر اٹھایا۔ چادر سے ڈھانپا۔ پھر پانی کے چھینٹے مارے تاکہ اسے ہ

آ جائے۔ تھوڑی سی برانڈی بھی اس کے حلق میں انڈیلی گئی۔ ہوش میں آتے
ہی اس نے اعلان کر دیا کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں رک سکتی۔ وہ
واپس جائے گی۔ سب اس کے اس فیصلے پر پریشان ہو گئے۔ وہ نہایت حسین لڑکی
تھی۔ اس وقت بنگلے میں موجود سب لڑکیوں سے زیادہ حسین وہی تھی۔ مردوں
کی نظریں زیادہ تر اسی کا طواف کر رہی تھیں۔ ڈولی بات کرتے کرتے اچانک
رک گئی اور اپنے گلے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کے گلے میں صلیب نہیں تھی
جو جیکب نے پہننے کے لیے دی تھی۔ صلیب کہاں گئی؟ اگر کسی نے اتاری تو وہ
کون ہو سکتا ہے؟ کیونکہ جو کچھ بھی ہوا وہ صلیب کے نہ ہونے سے ہوا ہے۔
جوزف اس صورت حال سے بہت پریشان تھا کیونکہ وہ ڈولی کو پسند کر چکا تھا اور
اس کے بارے میں فیصلہ بھی کر چکا تھا۔ آہستہ آہستہ ڈولی کی حالت معمول پر آ
گئی اور باقی رات سب نے باتیں کرتے ہوئے گزاری۔ صبح ناشتے وغیرہ سے
سب میں چستی سی آ گئی۔ رات کے واقعہ کے بارے میں ڈولی نے بتایا کہ اسے
پہلے تو ایسے محسوس ہوا جیسے کوئی میرے ساتھ زیادتی کرنا چاہتا ہو اور اس نے
میرے سارے کپڑے بھی اتار دیے پھر جب اس نادیدہ طاقت نے میرے گلے
میں ہاتھ ڈالا تو مجھے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔ میری چیخ نکل گئی جونہی
میری چیخ نکلی اس قوت نے کہنا شروع کیا۔

"کیتھی اس وقت تو تم میرے ہاتھ سے نکل گئی تھیں لیکن اب بچ کر نہیں
جا سکو گی۔ میں اپنی تمام خواہشات پوری کروں گا۔"

پھر اس کی سانسیں میری ناک سے ٹکرائیں تو مجھے ایسا لگا کہ جیسے کوئی مردار
ہے اور اس میں سے تعفن اٹھ رہا ہو۔ اگر تم میری چیخ پر نہ جاگتے اور میری
مدد کو نہ آتے تو آج یقیناً" میں مر چکی ہوتی اور وہ قوت اپنے مقصد میں کامیاب
ہو جاتی لیکن یہ کیتھی کون ہے اور میرے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔ شاید جیکب
کو کوئی علم ہو، اس سے پوچھیں گے۔

Pdfsuff.blogspot.com

ناشتے کے بعد جیکب سے ملاقات ہوئی تو سب نے اس سے پوچھا کہ گرجا گھر کو ان دیکھی بلاؤں سے نجات دلانے کے لیے اس نے کیا سوچا ہے اور پھر رات کے واقعہ کی تفصیلات بھی بتائیں۔ آخر میں ڈولی نے پوچھا کہ کیتھی کون تھی اور اس کا مجھ سے کیا تعلق ہے۔ وہ نادیدہ قوت مجھے کیتھی کیوں کہہ رہی تھی؟

جیکب بڑے سکون سے تمام باتیں سنتا رہا اور پھر اس نے ان کو بتایا کہ جس جگہ یہ گرجا گھر تعمیر کیا گیا ہے وہاں دراصل قربان گاہ تھی۔ پنچایت یا بڑے سردار مجرموں کو اسی جگہ سزا دیا کرتے تھے۔ ایک بار ایک لڑکی کیتھرین کو جسے لوگ پیار سے کیتھی کہتے تھے جنسی جرم میں گرفتار کر لی گئی اور اس کے لیے پنچایت نے موت کی سزا تجویز کی۔ دراصل بستی کا سردار کیتھرین کو اپنانا چاہتا تھا لیکن وہ ایک نوجوان جوزف کو چاہتی تھی جب گراہم کو اپنے ناپاک عزائم میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے پنچایت سے مل کر اس پر گھناؤنا الزام لگا دیا۔ اس وقت اس جرم کی سزا موت ہوتی تھی چنانچہ کیتھی کو موت کی سزا دے دی گئی۔ اگرچہ اس نے اس جرم سے انکار کر دیا تھا اور جس شخص یعنی جوزف کے ساتھ وابستگی کا الزام لگایا تھا اس نے بھی بائبل پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی لیکن پنچایت فیصلہ دے چکی تھی۔ اس موقع پر آپ ساتوں افراد کے بزرگوں نے اس فیصلہ کی مخالفت بھی کی لیکن ان کی کوئی پرواہ نہ کی گئی اور مقررہ دن کیتھی کی گردن مار دی گئی۔ اس وقت عجیب واقعہ پیش آیا۔ جونہی اس کی گردن کٹی وہ زمین پر گرنے کی بجائے فضا میں بلند ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے ہی سب کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ پھر جب لوگوں نے قربان گاہ کی طرف دیکھا تو اس کا جسم بھی غائب ہو چکا تھا۔ اس صورت حال نے سب کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ اس موقع پر اس شخص یعنی جوزف نے جس پر اس خاتون سے وابستگی کا الزام لگایا تھا کہا کہ نہ صرف اس خاتون کی روح بلکہ وہ خود بھی بستی والوں کو چین نہیں لینے دے گا۔

اسی رات کے بعد جوزف بھی غائب ہو گیا۔ اس دن کے بعد ساری بستی شام ہوتے ہی سنسان ہو جاتی۔ ہر شخص اپنے گھر میں دبک جاتا۔ یہ کیفیت ایک سال تک رہی۔ اس دوران کوئی قربانی نہ دی گئی اور نہ ہی کسی کو سزا مل سکی البتہ جو کوئی اس طرف آتا اسے دو سائے ڈراتے اور خوفزدہ ہو وہ وہاں سے بھاگ آتا۔

جیکب کہہ رہا تھا اور سب لوگ ہمہ تن گوش تھے۔

"پھر کیا ہوا؟" ڈورتھی بول اٹھی۔

"پنچایت نے فیصلہ کیا کہ اس جگہ گرجا بنایا جائے تاکہ مقدس مریم اور روح القدس کے صدقے ان کی بلائیں ٹل سکیں لیکن قسمت ان پر ہنس رہی تھی۔ بنیادیں کھودی گئیں۔ جونہی دیواریں کھڑی کرنے کا مرحلہ آیا بنیادیں اکھڑنا شروع ہو گئیں۔ پھر ہر کونے میں صلیب ڈال کر بنیادیں دوبارہ بھری گئیں۔ دیواریں بن گئیں۔ چھت ڈالنے کا مرحلہ آیا تو وہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ کبھی ایک کونے سے اینٹ اڑتی ہوئی آئی اور کسی کو گھائل کر جاتی کبھی کسی دیوار پر کھڑا معمار نیچے گر جاتا۔ یہ سلسلہ بھی کافی دن تک جاری رہا۔ ایک دن سب نے مشورہ کر کے مقدس مریم کا مجسمہ سبزہ کے قریب کھڑا کر دیا اور اس طرح چھت مکمل ہو سکی اور گرجا کی تعمیر اختتام کو پہنچی۔ ادھر گراہم مر گیا۔ اس کی موت کا منظر بھی نہایت ہولناک تھا۔ مرنے کے بعد اس کی شکل بالکل ویمپائر جیسی ہو گئی۔ جب تمام لوگ اس کی آخری رسوم کرنے کے لیے اس کی لاش اٹھانے گئے تو اس کی لاش غائب ہو چکی تھی۔

گرجا کے اندر تو ہمیشہ سکون رہتا۔ بستی میں بھی کوئی پریشان کن صورت حال نہ تھی لیکن گرجا کی اس دیوار کی طرف جہاں قربان گاہ ہوا کرتی تھی جانے والے واپس نہ آتے تھے۔ پھر آج سے پچاس سال قبل بستی میں زلزلہ آیا اور قربان گاہ والی دیوار میں شگاف پڑ گیا جسے پر تو کر دیا گیا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ

PdfStuff.blogspot.com

بدروحیں شگاف کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔ پھر اس دن جب فادر وعظ کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو عقبی نشست پر بیٹھی ہوئی میری کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا گیا۔ میری اس جگہ بیٹھی تھی جہاں دیوار میں شگاف پڑا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے بیان کرنے سے دکھوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ دن اور آج کا دن گرجا پر بدروحوں کا قبضہ ہے اور جو بھی اس کے اندر داخل ہونے کی جرات کرتا واپسی اس کے مقدر میں نہیں ہوتی۔ بستی اجڑ گئی۔ سب لوگ وہاں سے چلے گئے لیکن فادر' ان کی ہمشیرہ اور میں نے یہاں سے جانا گوارا نہ کیا۔ فادر اور مدر دونوں ایک دن گرجا میں داخل ہوئے اور پھر واپس نہ آ سکے۔ دو روز بعد ان کی مسخ شدہ لاشیں پہاڑی کے دامن میں پڑی مل گئیں۔" یہ کہہ کر جیکب پھر چپ ہو گیا۔

"لیکن ہمیں کیوں بلایا گیا ہے؟" جوزف بولا۔

"کیا ہماری قربانی دے کر تو گرجا واپس نہیں لینا چاہتے؟" چارلس نے کہا۔

"نہیں نہیں' ایسا نہیں ہے۔" جیکب بولا۔ "البتہ اس سے ملتا جلتا ایک نسخہ ہے جسے آزمایا جائے گا۔ اپنی طویل ریاضت کے دوران مجھے بتایا گیا کہ اس کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اس بستی کے باشندوں کے سات ورثا کا خون گرجا کی دیواروں اور اس کے اندر چھڑکا جائے تو بدروحیں اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلی جائیں گی۔" یہ سنتے ہی ڈولی اور ڈورتھی کی چیخیں نکل گئیں۔

"تو ہمیں اس لیے بلایا گیا ہے۔ ہم ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ گرجا واپس نہیں ملتا تو نہ ملے' ہماری بلا سے۔ ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔"

"میری پوری بات تو سن لیں۔ کسی کی قربانی نہیں دینی۔ میں نے اپنے علم سے یہ بھی معلوم کیا تھا کہ صرف آپ ہی سات افراد ایسے ہیں جو اس مسئلہ کو حل کرنے میں کام آ سکتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ سب سے تھوڑا تھوڑا

خون حاصل کیا جائے جو اتنا ہو کہ مقصد پورا ہو سکے۔ اس لیے کسی پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام آج رات کر لیا جائے گا۔"

دن کا باقی حصہ سب نے ایک ساتھ گزارا۔ رات کو کھانا بھی اکٹھے کھایا اور رات کا دوسرا پہر گزرنے کے بعد جیکب بھی ان میں شامل ہو گیا۔ کیونکہ یہی وہ وقت تھا جب ان ساتوں افراد کا خون اکٹھا کرنا تھا۔

جونہی خون حاصل کرنے کی کاروائی شروع ہوئی۔ کمرے کے تمام دروازے کھڑکیاں بند کر دی گئیں۔ پردے کھینچ دیے گئے۔ ہر کھڑکی اور دروازے کے آگے صلیب لگا دی گئی۔ کمرے کے وسط میں میز پر رکھی گئی تھی جس پر اس دور کے مطابق خون نکالنے والے تمام اوزار پڑے تھے۔ جوزف سے خون حاصل کیا گیا۔ اگرچہ اسے خاصی کمزوری محسوس ہو رہی تھی مگر جیکب نے اسے ایسا مشروب دیا جس سے اس کی نقاہت ختم ہو گئی تھی۔ایک ایک کر کے چھ افراد بھگت گئے تھے۔ اب ڈولی کی باری تھی۔ جونہی اسے میز پر لٹایا گیا کمرہ گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔ ڈراؤنی آوازیں ابھرنے لگیں کمرہ ہلنے لگا لیکن جیکب نے فوراً" ڈولی کے گرد حصار کھینچ دیا جس سے آوازیں آنی بند ہو گئیں اور ہر چیز معمول کے مطابق ہو گئی اور ڈولی سے خون بھی حاصل کر لیا گیا۔ جب ڈولی کی قوت بحال ہوئی تو اس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ اگر جیکب بروقت عمل نہ کرتا تو وہی نادیدہ قوت آج اسے ہلاک کر چکی ہوتی کیونکہ اس کے ہاتھ اس کے گلے تک تو پہنچ ہی چکے تھے لیکن جاتے جاتے وہ یہ کہہ گئی ہے کہ خیر جو کچھ ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا البتہ تمہیں میری بانہوں میں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ تم میری ہو اور میری ہی رہو گی۔

یہ دن بھی گزر گیا۔ دوسرے دن جیکب سب کو ساتھ لے کر گرجا کے بڑے دروازے تک پہنچ گیا۔ اس نے اس جگہ سے خون کے چھینٹے دیواروں پر پھینکنے شروع کیے اور گرجا کی عمارت کا پورا چکر مکمل کرنے پر وہ پھر بڑے

pdfstuff.blogspot.com

دروازے تک آ گیا اور دروازے سے تھوڑی دور ہٹ کر اس کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر جیکب نے پھر کوئی عمل پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب نے دیکھا کہ دروازہ آہستہ آہستہ کھلنا شروع ہوا یہاں تک کہ دونوں پٹ مکمل طور پر کھل گئے اور کوئی دھواں نما چیز باہر نکلنا شروع ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی بین کی بھیانک آوازیں ابھریں جیسے کوئی کسی کی موت پر ماتم کر رہا ہو۔ یہ منظر بھی چند لمحے تک برقرار رہا پھر دھواں ختم ہوتے ہی بڑی بھیانک آواز آئی۔

"ہم --- گراہم اور ہمارے ساتھی جا رہے ہیں لیکن جب تک یہ گرجا اپنی جگہ پر برقرار ہے ہم بھی اس وقت تک موجود رہیں گے اور کسی وقت بھی دوبارہ اس پر قبضہ کر لیں گے۔"

اس کے بعد آواز آنا بند ہو گئی۔ وہ سب کافی دیر تک باہر ہی کھڑے رہے پھر جیکب نے سب سے پہلے بڑے دروازے کے اندر قدم رکھا۔ دہلیز پر خون کے چھینٹے دیے جس کے بعد باقی افراد بھی اندر چلے گئے۔ جیکب نے پورے ہال میں خون کے چھینٹے دیے۔ سب نے مل کر صفائی کی اور دعائیں مانگنے کے بعد واپس آ گئے۔ رات سونے سے پہلے جیکب ان کے درمیان پھر موجود تھا۔ اس نے ان کو بتایا کہ جب تک گرجا گھر اپنی موجودہ صورت میں موجود ہے خطرات باقی رہیں گے اس لیے ضروری ہے کہ اسے گرا دیا جائے اور عبادت کے لیے نئی جگہ تلاش کی جائے۔ سب نے اس سے اتفاق کیا اور دوسرے دن پوری عمارت کو جلا دیا گیا۔ اس کی بنیادیں کھود کر بہت بڑا گڑھا تیار کیا گیا اور ایک بار پھر بہت بڑا الاؤ جلایا گیا تاکہ شیطانی قوتوں کے رہے سہے اثرات بھی ختم ہو جائیں۔ جب آگ بھڑکی تو سب نے بھیانک آوازیں سنیں اور گراہم کا وہ اقرار بھی کہ کیتھی نے چونکہ اس کی شیطانی خواہشات کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا تھا اس لیے اس نے اسے موت کے گھاٹ اتارنے کی سزا تجویز کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس طرح کیتھی آمادہ ہو جائے مگر وہ نیک اور پاکباز لڑکی بالکل نہ گھبرائی

اور اس نے موت قبول کر لی۔ ڈولی کیتھی کا دوسرا وجود ہے۔ اس رات اگر جوزف نہ آ جاتا تو ہماری تشنگی دور ہو جاتی مگر تم بھی اس دنیا میں نہ رہتے۔ اتنا کہہ کر بدروح کے کراہنے کی آوازیں آئیں جو آہستہ آہستہ معدوم ہو گئیں۔

جیکب، جوزف اور اس کے ساتھیوں کی مدد اور تعاون سے ملک کے کونے کونے سے نئے گرجا گھر کی تعمیر کے لیے عطیات موصول ہوئے۔ چند ماہ کی دن رات کی کوششوں سے ایک نئی عبادت گاہ بڑی شان و شوکت سے تیار ہو گئی اور گرجا گھر کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ گرین ویل میں لوگوں کی آمد کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ دور و نزدیک کے لوگ یہاں آ کر آباد ہونے لگے۔ پہلے مارکیٹیں بنیں۔ پھر کوٹھیاں، بنگلے، بنک، سکول وغیرہ سب مکمل ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے گرین ویل نے ایک بہت بڑے شہر کی شکل اختیار کر لی۔

جیکب کو گرین ویل کا نہ صرف میئر بنا دیا گیا بلکہ فادر جیکب کا القاب بھی مل گیا۔ جوزف، چارلس کو ان کی بے مثال جرات پر گرین ویل میں جاگیریں عطا کی گئیں پھر گرین ویل میں حالات معمول پر آتے ہی سب سے پہلی شادی جو گرجا گھر میں ہوئی وہ جوزف اور ڈولی کی تھی۔ ڈولی دلہن کے روپ میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی پھر جب رات حجلہ عروسی میں جوزف نے ڈولی کا گھونگھٹ اٹھایا اور محبت بھرے انداز میں کہا۔

"ڈولی۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں بھی زندہ نہ رہتا۔"

ڈولی کو محسوس ہوا کہ یہ آواز تو اس نے پہلے بھی سن رکھی ہے۔ پھر اسے یاد آیا کہ یہ آواز تو اسی نادیدہ قوت کی آواز سے ملتی جلتی ہے جس نے اسے اس روز بچایا تھا۔ جوزف کی محبت بھری باتوں نے اس کا خوف دور کر دیا۔ جوزف نے اس کہانی کا آخری حصہ سنایا جو کیتھی کی ہلاکت اور جوزف کے غائب ہونے سے شروع ہوئی تھی۔ جوزف نے بتایا کہ جوزف اس کا جد امجد تھا۔ اس پر ڈولی کو بھی یاد آیا کہ اس کی ماں اور نانی بھی یہی کہانی سنایا کرتی تھیں کہ کیتھی

pdfstuff.blogspot.com

نام کی ایک لڑکی کو جو اس کے ننہال کی ایک دوشیزہ تھی، کس طرح قربان گاہ پر قتل کیا گیا تھا اور کس طرح جوزف غائب ہو گیا تھا۔ جب جوزف اس داستان کے آخری حصے کی کڑیاں ملا رہا تھا تو دونوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

☆

بے گناہ قاتل

وہ بے گناہ تھا مگر اسے پھانسی چڑھا دیا گیا۔ پھر اس نے اپنی محبوبہ سے شادی کرنے والے ہر آدمی کی جان لینا شروع کر دی۔ تب راجہ کو ایک عجیب ترکیب سوجھی ---

دیکھنے میں تو وہ ایک حویلی ہی نظر آتی تھی مگر کہنے والے کہتے تھے کہ یہ عمارت کسی بادشاہ کے عالی شان محل سے کم نہیں تھی۔ چرن داس نے اسے بڑی محنت سے بنوایا تھا۔ اس نے حویلی کے چاروں طرف خوبصورت درخت بھی لگوائے تھے مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ ان درختوں پر پھل تو کیا لگتے، پتے بھی اکا دکا ہی نظر آتے تھے۔ حویلی کے پچھلی طرف خوبصورت اور لہلہاتے ہوئے کھیت بھی چرن داس کے ہی تھے۔ جتنے بھی کسان تھے ان میں سب سے اچھی فصل راجہ چرن داس کی ہی ہوتی تھی اور کیوں نہ ہوتی وہ اور کسانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ محنت کرتا تھا۔

وزیر پرتھوی سنگھ بہت لالچی اور ظالم تھا۔ اس نے جیسے ہی حویلی کے بارے میں سنا تو اسے حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اگلے ہی دن اس نے چرن داس کو اپنے پاس بلا لیا اور کہنے لگا۔

"چرن داس، تم ایک کسان ہو اور تمہیں بھی دوسرے کسانوں کی طرح کچے مکان میں رہنا چاہئے۔ اتنی شاندار حویلی تمہاری حیثیت سے بہت زیادہ ہے۔"

چرن داس نے کہا۔ "سرکار میں صرف ایک کسان ہی نہیں بلکہ ایک زمیندار بھی تو ہوں اور بچپن سے لے کر اب تک میں نے اس زمین پر اپنا خون

PdfStuff.blogspot.com

پسینے کی طرح بہایا ہے۔ اگر میں نے اپنے خون اور پسینے کی کمائی سے یہ حویلی بنوا لی ہے تو اس میں کیا برائی ہے۔"

وزیر پرتھوی سنگھ نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ "چرن داس تم تو بہت گستاخ اور بدتمیز نکلے۔"

چرن داس بولا۔ "سرکار میں نے تو ایک سچ بات کی ہے۔"

پرتھوی سنگھ نے غصے میں آکر کہا۔ "تم بکواس مت کرو اور اب تم اس حویلی میں نہیں رہ سکتے۔"

چرن داس بولا۔ "جناب۔ آپ کے والد صاحب کیا تھے' ایک لوہار ہی تو تھے۔ پورے دن لوہے کو گرم کرتے اور شام کو چار پیسے کما کر لاتے تھے۔ ان پیسوں میں گھر کا خرچ بھی چلاتے اور آپ کو تعلیم بھی دلاتے تھے۔ تعلیم حاصل کر کے آپ وزیر بن گئے۔ اب آپ یہ بتائیے کہ آپ وزیر کیوں بن گئے۔ جائیے آپ بھی جا کر اپنے باپ کا پیشہ اختیار کریں۔"

پرتھوی سنگھ غصے سے آگ بگولا ہو کر بولا۔ "تم میرے ساتھ بدتمیزی کر رہے ہو' اس کا انجام بہت برا ہو گا۔"

چرن داس بولا۔ "سچ بات کہنا کوئی گستاخی نہیں ہے۔ جب آپ تعلیم حاصل کر کے وزیر بن سکتے ہیں تو کیا میں محنت مزدوری کر کے ایک حویلی نہیں بنوا سکتا۔ آپ کو اس پر اعتراض کیوں ہے؟"

پرتھوی سنگھ نے کہا۔ "تم میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جاؤ۔ آئندہ کبھی میرے سامنے آنے کی جرات نہ کرنا۔"

چرن داس بولا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اب آپ مجھے دوبارہ یہاں طلب مت کرنا۔" یہ کہہ کر وہ اسے سلام کیے بغیر ہی چلا گیا۔

وزیر پرتھوی سنگھ بہت دیر تک غصے میں بڑبڑاتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ چرن داس اس سے ڈر کر حویلی کو اس کے ہاتھ فروخت کر دے گا مگر چرن داس

تو اس سے بالکل خوفزدہ نہ ہوا تھا۔ پرتھوی سنگھ بہت دیر تک چرن داس کے خلاف کوئی تدبیر سوچتا رہا مگر اسے کوئی بھی ایسی بات نہ سوجھ رہی تھی کہ جس سے کام لے کر وہ اس کے خلاف کچھ کرتا۔

بہت دن گزر گئے۔ ایک دن کوتوال نے اسے خبر دی کہ شہر سے باہر ایک راہگیر کو کسی نے قتل کر دیا ہے اور اس کی لاش جھاڑیوں میں پڑی ہے۔ اس خبر نے پرتھوی سنگھ کو ایک نئی تدبیر سوچنے پر مجبور کر دیا اور اسے یوں محسوس ہونے لگا کہ جیسے اس کے جسم میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی ہو۔ اس نے کوتوال سے کہا کہ تم اس لاش کو اٹھوا کر فوراً" چرن داس کے کھیت میں ڈلوا دو اور ایک خنجر بھی اس کے پاس ہی رکھ دینا۔ پھر اس نے کوتوال کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں انعام و اکرام تو دوں گا ہی' اس کے علاوہ تمہاری ترقی بھی کر دوں گا۔"

کوتوال نے اسے سلام کیا اور خوشی خوشی وہاں سے چلا گیا۔ اس نے جاتے ہی وہ سب کچھ کر دیا جو اسے پرتھوی سنگھ نے کہا تھا۔ ادھر چرن داس جیسے ہی کھیت میں داخل ہوا اسے ایک لاش نظر آئی۔ وہ پریشان ہو گیا اور سوچنے لگا کہ کس بے رحم آدمی نے اسے یہاں پر قتل کر دیا ہے۔ ابھی وہ کچھ سوچنے بھی نہ پایا تھا کہ سپاہیوں نے آکر اسے گھیر لیا اور دربار میں لے کر راجہ کے پاس حاضر ہو گئے۔ راجہ نے جب سنا کہ چرن داس نے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے تو اس نے وزیر پرتھوی سنگھ کو حکم دیا کہ لاش کو بھی یہاں لانے کا انتظام کیا جائے۔ وزیر کی واپسی تک چرن داس راجہ کے سامنے اپنی بے گناہی کا رونا روتا رہا لیکن راجہ نے اس کی ایک نہ سنی کیونکہ سپاہیوں نے راجہ سے کہہ دیا تھا کہ جب وہ وہاں پہنچے تو چرن داس لاش کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چرن داس نے راجہ کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی بہت کوشش کی مگر سپاہیوں کے بیان نے اس کی بے گناہی کے تمام مواقع ختم کر دیے تھے۔ راجہ نے حکم دیا کہ چرن داس کو

pdfstuff.blogspot.com

پھانسی پر لٹکا دیا جائے اور اس کی حویلی اور دوسری تمام جائداد بیچ کر اس کی رقم قتل ہونے والے آدمی کے وارثوں کو دے دی جائے۔

اگلے دن چرن داس کو پھانسی دے دی گئی۔ ہزاروں لوگ جمع تھے اور ان کے سامنے چرن داس کا جرم بتانے کے بعد اسے پھانسی دے دی گئی۔ وزیر پرتھوی سنگھ غریب چرن داس کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ چرن داس نے اس سے کہا۔

"لوہار کے بیٹے، میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تیرا خون میرے ہاتھوں ہی ہو گا کیونکہ میری موت کا یہ سامان تو نے ہی مہیا کیا ہے۔"

پرتھوی سنگھ نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور اس کے اشارے پر جلاد نے اسے پھانسی دے دی۔ راجہ کے حکم پر چرن داس کی زمین جائیداد نیلام کر دی گئی۔ نیلامی کے وقت پرتھوی سنگھ بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے بھی بولی لگائی اور اس سے زیادہ بولی لگانے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ اس نے کم رقم میں وہ حویلی اور ساری جائیداد خرید لی۔ پرتھوی سنگھ نے حویلی میں قدم رکھا تو اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ حویلی میں ایسی ایسی چیزیں تھیں جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔ پرتھوی سنگھ نے اس حویلی میں راجہ کی دعوت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے حویلی کی خوب صفائی ستھرائی کرائی۔ اسے بہترین طریقے سے سجایا گیا اور پھر راجہ اور اس کے تمام دوسرے وزیروں کی دعوت کر ڈالی۔

راجہ کے راستے میں پھول بکھرے پڑے تھے۔ سارے ملازم ادب سے راجہ کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ سب سے پہلے راجہ کے وزیر آئے اور آخر میں راجہ خود پہنچا۔ راجہ کو ہیرا لال کہیں بھی نظر نہ آیا۔ یہ دیکھ کر اسے خاصا غصہ آیا۔ اس نے ملازموں سے پرتھوی سنگھ کے متعلق پوچھا تو ایک ملازم نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"وہ پوجا والے کمرے میں بھگوان کی پوجا کر رہے ہیں۔"

راجہ کے حکم پر ایک وزیر چند ملازموں کے ہمراہ ہیرا لال کو بلانے پوجا والے کمرے میں پہنچے تو دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے۔ سب نے دروازہ کھٹکھٹایا، آوازیں بھی دیں مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ راجہ کو پتہ چلا تو اس نے دروازہ توڑنے کا حکم دیا۔ دروازہ توڑنے کے بعد سب سے پہلے راجہ اس کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ہیرا لال کرسی پر بیٹھا ہے۔ سر میز پر جھکا ہے۔ اچانک راجہ نے روشندان کی طرف دیکھا تو اسے پتہ چلا کہ دھواں اس روشندان کے راستے سے باہر جا رہا ہے۔ راجہ کو یوں لگا جیسے چرن داس کا چہرہ دھواں بن کر روشندان کے راستے باہر نکل رہا ہو۔ یہ بات دوسرے لوگوں نے بھی دیکھ کر محسوس کی تھی۔ راجہ کے ایک وزیر نے راجہ کو بتایا کہ چرن داس نے مرنے سے پہلے پرتھوی سنگھ کو کہا تھا کہ میری موت کا سامان تم نے مہیا کیا ہے اب تیری موت میرے ہاتھوں سے ہی ہو گی۔ راجہ نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا۔

نندو بنیا بہت مالدار تھا۔ اس کا بڑا ٹھیک ٹھاک کاروبار تھا۔ اس کی ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام کملا تھا۔ کملا بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ راجکماری بھیما بھی خوبصورتی میں کچھ کم نہ تھی۔ کملا بچپن سے چرن داس کے ساتھ کھیل کود کر جوان ہوئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے۔ بچپن سے ہی چرن داس اس سے کہتا تھا کہ کملا جب ہم بڑے ہوں گے تو میں تم سے شادی کر لوں گا۔ مگر کملا جواب میں کہتی۔

"چرن داس میرے پتا جی تم سے میری شادی کبھی نہیں کریں گے کیونکہ تم ایک غریب آدمی ہو اور میرے پتا جی بہت مالدار آدمی ہیں۔"

جواب میں چرن داس اسے کہتا۔ "کملا تم فکر نہ کرو، میں بڑا ہو کر خوب محنت کروں گا۔ بہت ساری دولت کماؤں گا۔ پھر تمہارے پتا جی تمہاری شادی ضرور میرے ساتھ کر دیں گے۔"

FolkStuff.blogspot.com

چرن داس اسی روز سے دن رات محنت کرنے لگا تھا۔ نندو بنیا اسے اس طرح محنت کرتے دیکھتا تو کہا کرتا تھا کہ یہ لڑکا بہت جلد کسی اونچے مقام پر پہنچ جائے گا۔ ایک دن چرن داس نے سوچا کہ اسے دوسرے کام چھوڑ کر کھیتی باڑی کرنی چاہئے۔ اس طرح فصل بھی زیادہ ہو گی۔ یہ سوچتے ہی وہ نندو بنئے کے پاس گیا اور بولا۔

"میں کھیتی باڑی کروں گا۔ مجھے تھوڑی سی زمین دلوا دیں۔"

بنیا اس کی بات سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے اسے زمین بھی دے دی اور ساتھ ہی دو بیل بھی دے دیے۔ چرن داس کا بوڑھا باپ شام کو جب بنئے کے پاس جاتا تو بنیا اس کے بیٹے کی خوب تعریف کرتا جسے سن کر چرن داس کا باپ بہت خوش ہوتا۔ چرن داس جی جان سے محنت کرتا رہا۔ ہر سال اس کی فصل پہلے سے زیادہ اچھی ہوتی۔ دس سال کے عرصے میں چرن داس نے آس پاس کے لوگوں سے زمین خرید کر اپنے کھیتوں کو اور زیادہ وسیع کر لیا۔ ایک خوبصورت حویلی بھی بنوا لی۔ حویلی میں ایک سے بڑھ کر ایک چیز لا کر رکھی۔ وہ سوچتا تھا کہ کملا جب بیاہ کر اس حویلی میں آئے گی تو وہ بہت خوش ہو گی۔ ایک دن وہ اپنے باپ سے بولا۔

"بابا' تمہیں پتہ ہے کہ اتنی زمین میں نے کیوں خریدی ہے' یہ اتنی شاندار حویلی کیوں بنوائی ہے۔ صرف کملا کے لیے۔ اب آپ خود دیکھ لیں کہ میں کتنا امیر آدمی بن چکا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اب اس کے باپ کو مجھے داماد بنانے میں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

باپ نے چرن داس کو سمجھایا کہ اس کا اس طرح جا کر رشتہ مانگنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کملا کے باپ کی مہربانی کی وجہ سے اس مقام تک پہنچے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم سے ناراض ہو جائے۔ اس پر چرن داس کو بھی یہ بات سمجھ میں آ گئی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ایک دو دنوں تک کملا سے بات کرے

گا۔ چند دنوں بعد اس کی کملا سے ملاقات ہوئی تو اس نے کملا سے کہا کہ وہ اپنی ماتا سے اس کے متعلق بات کرے۔ کملا مسکراتی ہوئی بولی۔

"چرن داس' میں تمہارے کہنے سے پہلے ہی اپنی ماتا جی سے بات کر چکی ہوں۔ وہ تمہارے بارے میں سن کر بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے پتا جی سے بھی بات کی۔ تمہاری بہت تعریف کی اور تمہیں تو پتہ ہے نا کہ پتا جی میری ماتا جی سے کتنا ڈرتے ہیں۔ انہوں نے بھی فوراً" ہاں کر دی بلکہ اسی وقت پنڈت جی سے کہہ کر شادی کے بارے میں حساب بھی لگوانا شروع کر دیا۔"

یہ سن کر چرن داس خوشی سے ناچ اٹھا اور بولا۔ "تو پھر پنڈت جی نے کیا کہا ہے۔"

کملا بولی۔ "پنڈت جی نے دیر تک حساب لگایا پھر بولے کہ سات مہینے کے بعد کیونکہ پانچواں مہینہ چرن داس کے لیے مصیبت کا مہینہ ہے۔ پہلے اسے گزر جانے دو۔"

چرن داس نے سوچا کہ یہ تو کافی لمبا عرصہ ہے پھر سوچا جہاں اتنے سال گزر گئے ہیں وہاں یہ بھی سہی۔ اب وہ خوش رہنے لگا تھا کیونکہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ کملا کو اب اس سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ وہ شدت کے ساتھ ساتویں مہینے کا انتظار کرنے لگا مگر پانچواں مہینہ شروع ہوا تو پرتھوی سنگھ نے سازش کر کے اسے پھانسی پر چڑھا دیا۔

چرن داس کے مرنے کے بعد بنئے کو ایک بار پھر اپنی بیٹی کی فکر لگ گئی۔ اس نے کوشش کر کے گاؤں کے زمیندار نہرو لال کے بیٹے سے کملا کا رشتہ طے کر دیا۔ کملا کو پتہ چلا تو اس نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا۔ اس نے ماں سے صاف کہہ دیا کہ وہ چرن داس کے مرنے کے بعد کسی سے بھی شادی نہیں کرے گی۔ ماں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹی' چرن داس زندہ رہتا تو میں تمہاری ضرور اس سے شادی کر دیتی مگر

Pdfstuff.blogspot.com

اب تو وہ مر چکا ہے۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ نہرو لال کا بیٹا بہت ہنس مکھ اور خوش اخلاق نوجوان ہے۔ شہر میں اس کی خاصی جائیداد بھی ہے۔ تمہارے لیے اس کا رشتہ بہت اچھا رہے گا۔"

کملا کے انکار کے باوجود اس کے ماں باپ نے اس کی شادی زبردستی کرشنا کے ساتھ کر دی۔ کرشنا کی بارات آئی۔ بنئے کا مکان بہت سجا ہوا تھا۔ خوب رونق لگی ہوئی تھی۔ پنڈت جی آئے۔ کملا کو دلہن بنایا گیا اور اسے لا کر دلہا کے ساتھ منڈپ میں بٹھا دیا گیا۔ اتنی دیر میں لوگوں نے دیکھا کہ دولہا کے پیچھے سے اچانک دھواں سا اٹھنا شروع ہو گیا ہے۔ لوگوں نے حیران ہو کر دیکھا کیونکہ یہ دھواں چرن داس کی شکل میں بدلنے لگا۔ لوگ خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ کچھ دیر بعد جب دھواں ختم ہوا تو لوگوں نے آ کر دیکھا تو کرشنا مردہ پڑا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ اسے چرن داس کی روح نے مارا ہے۔ نہرولال بیٹے کی لاش اٹھائے بین کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ کملا بہت خوش تھی کہ اس نے جو کسی اور سے شادی نہ کرنے کا عہد کیا تھا وہ چرن داس نے ٹوٹنے نہیں دیا۔ اس واقع کے بعد کملا منحوس مشہور ہو گئی۔ اس کی خوبصورتی دیکھ کر پہلے تو گاؤں کا ہر نوجوان اس سے شادی کے خواب دیکھا کرتا تھا مگر اس واقعے کے بعد لوگ اس کو دیکھ کر اپنا راستہ بدل لیتے تھے۔ کوئی اس کا نام لینا بھی پسند نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اب تو اس کا باپ بھی اس سے خوفزدہ رہنے لگا تھا۔ وہ کملا کا ہر کام اب اس سے پوچھ کر کرتا کہ کہیں چرن داس کی روح ناراض ہو کر اس کا گلا بھی نہ دبا دے۔

راجہ سریش کو شکار کا بہت شوق تھا۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ دن بھر اگر راجہ کو شکار نہ ملتا تو وہ رات کو جنگل میں ہی ٹھہر جاتا۔ اس کی یہ عادت اس کے دوستوں کو بالکل پسند نہ تھی لیکن راجہ کے سامنے کسی کو اس کو ٹوکنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ ایک دن راجہ شکار کھیلنے گیا۔ سارا دن گزر گیا مگر راجہ کو کوئی شکار نہ ملا۔ وہ تھک کر ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا اور اپنے دوستوں سے کہنے لگا۔

"پہلے اس جنگل میں بہت جانور ہوا کرتے تھے لیکن اب تو کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ ہمارا خیال ہے کہ لوگوں نے بہت زیادہ شکار کھیلنا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے جانوروں کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے۔"

ایک شکاری بولا۔ "مہاراج' میں نے سنا ہے کہ اس جنگل میں بھوت رہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جانور ان بھوتوں کے خوف سے اس جنگل سے کہیں اور چلے گئے ہیں۔"

راجہ شکاری کی بات سن کر ہنس پڑا اور بولا۔ "ہم نے تو یہاں کبھی کوئی بھوت نہیں دیکھا۔"

اسی وقت ایک خوفناک قہقہہ سنائی دیا جسے سنتے ہی راجہ اور سارے شکاری ایک دم خوفزدہ ہو گئے۔ وہ سب حیرانی سے اس جانب دیکھ رہے تھے جس طرف سے قہقہے کی آواز سنائی دی تھی۔ کچھ دیر بعد راجہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ ضرور کسی انسان کی آواز تھی' کسی جن یا بھوت کی نہیں۔"

راجہ کی اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اچانک پھر وہی قہقہہ سنائی دیا۔ اب کے بار اس آواز کو سنتے ہی وزیر زادہ مہیش چند اپنی جگہ سے اٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاند کی پھیلی ہوئی چاندنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ہر چیز واضح نظر آ رہی تھی۔ اس نے کافی فاصلے پر ایک لکڑہارے کو آتا دیکھا جس کے ہاتھ میں ایک کلہاڑا بھی تھا اور وہ لنگڑا کر چل رہا تھا۔ راجہ نے بھی اس لکڑہارے کو دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"یہ کوئی پاگل ہے یا کوئی بھوت ہے یا کوئی روح ہے۔"

سب لوگ کھڑے ہو کر اس بوڑھے کو دیکھنے لگے۔ ایک نے کہا۔ "رات کے وقت اس جنگل میں کسی انسان کا کیا کام۔ یہ ضرور کوئی بدروح ہے۔ ایسی ہی بدروحوں کے خوف سے جانور یہاں سے بھاگ گئے ہیں۔"

دوسرا بولا۔ "اس پر تیر چلاؤ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کون ہے۔"

PdfStuff.blogspot.com

وزیرزادے نے تیر نکالا اور چلے پر چڑھایا۔ اس کا ایک اور ساتھی بولا۔ مہیش تیر ذرا زور سے چلانا کیونکہ بدروح ہم سے کافی دور ہے۔"

مہیش ابھی نشانہ لے ہی رہا تھا کہ اس کے پیچھے یوں دھواں اٹھا جیسے کسی نے چمنی کا منہ کھول دیا ہو۔ جیسے ہی دھواں اٹھا مہیش چند کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی اور وہ ٹیلے سے نیچے گر پڑا۔ ادھر دھوئیں میں سب کو چرن داس کی شکل نظر آئی پھر وہ دھوئیں کے ساتھ آسمان کی طرف پرواز کر گئی اور غائب ہو گئی۔

وزیر نے سہمی آواز میں کہا۔ "روح یہ تھی جو مہیش کو گرا کر چلی گئی ورنہ جس پر یہ تیر چلانا چاہتا تھا۔"

نریش بولا۔ "اس بوڑھے کا چرن داس سے کوئی نہ کوئی رشتہ ضرور ہے ورنہ وہ اس کی حمایت میں یہاں نہ آتا۔"

راجہ بولا۔ "نیچے اتر کر دیکھو کہ مہیش زندہ ہے یا نہیں۔"

لوگوں نے نیچے اتر کر دیکھا تو مہیش مر چکا تھا۔ یہ سن کر راجہ نے اپنے آدمی اس بوڑھے کی طرف دوڑائے۔ وہ بوڑھے سے اس کی حقیقت پوچھنا چاہتا تھا۔ پانچ سات آدمی ڈرتے ڈرتے اس بوڑھے کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ بوڑھا کبھی اپنا کلہاڑا کسی پتھر پر دے مارتا تو کبھی اس سے درخت کاٹنے کی کوشش کرنے لگتا۔ یہ دیکھ کر ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی دیوانہ شخص ہے۔ کبھی وہ اونچی آواز میں ہنسنے لگتا۔ انہوں نے اس سے پوچھا۔

"تم کون ہو بڑے میاں اور یہاں کیا کر رہے ہو۔"

بوڑھا آنکھیں پھاڑ کر پہلے تو انہیں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم کون ہوتے ہو مجھے یہ بات پوچھنے والے۔"

ایک شکاری نے کہا۔ "ہمیں راجہ سریش نے بھیجا ہے اور تمہیں بلایا ہے۔"

یہ سن کر بوڑھا ہنسنے لگا پھر بولا۔ "اگر راجہ نے بلایا ہے تو پھر تو میں ضرور جاؤں گا۔"

شکاری اسے لے کر راجہ کے پاس چلے آئے۔ راجہ نے پوچھا۔

"کیوں میاں۔ آپ اس وقت رات کو یہاں کیا کر رہے تھے۔"

بوڑھا بولا۔ "یہی جنگل تو میرا ٹھکانہ ہے۔ میں یہیں رہتا ہوں۔"

راجہ بولا۔ "تمہارا کوئی گھر بھی تو ہو گا۔"

بوڑھا بولا۔ "ہاں کبھی میرا گھر تھا مگر تم نے وہ مجھ سے چھین لیا۔ جانتے ہو راجہ، میں کون ہوں۔ میں اس بدنصیب چرن داس کا باپ ہوں جسے تم نے بے گناہ ہی پھانسی پر لٹکا دیا تھا۔ اس کے مرتے ہی تمہارے وزیر پرتھوی سنگھ نے ہماری حویلی اور زمینوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ پرتھوی سنگھ نے ہماری جائداد ہتھیانے کے لیے کوتوال سے مل کر میرے بے گناہ بیٹے پر قتل کا الزام لگوا کر اسے پھانسی پر چڑھوا دیا تھا۔"

اس کے بعد راجہ کے کہنے پر بوڑھے نے پوری تفصیل سے چرن داس کی ساری کہانی اسے سنائی۔ کہانی سن کر راجہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ چرن داس تو مر چکا تھا۔ راجہ نے بوڑھے کو اس بات کی پیش کش کر دی کہ وہ چاہے تو دوبارہ اسی حویلی میں جا کر رہ سکتا ہے۔ مگر بوڑھے نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ بیٹے کے بغیر وہ حویلی اسے قبرستان لگتی ہے۔ پھر ایک شکاری بولا۔

"بابا، تم کہتے ہو کہ تمہارا بیٹا قاتل نہیں ہے مگر اب تک تمہارے بیٹے کی روح تین قتل کر چکی ہے۔ پرتھوی سنگھ کے علاوہ اس نے کرشنا کو مار دیا جو کملا سے شادی کرنے آیا تھا۔ ابھی ابھی اس نے مہیش کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔"

بوڑھا ہنس کر بولا۔ "پرتھوی سنگھ کو تو اس نے ٹھیک قتل کیا تھا۔ کملا سے

Pdfstuff.blogspot.com

وہ خود شادی کرنا چاہتا تھا۔ اپنی زندگی میں بھی اس کا بیاہ کسی سے نہ ہونے دیتا۔ مرنے کے بعد تو وہ اور بھی طاقتور ہو گیا ہے۔ اس نے اسی لیے کرشنا کو مار دیا۔ مہیش چونکہ مجھے مارنے والا تھا اسی لیے اس کو بھی اس نے ختم کر دیا۔ میں بہت خوش ہوں کہ میرا بیٹا مر کر بھی زندہ ہے۔ وہ اپنے سب دشمنوں کو ختم کر دے گا۔" یہ کہہ کر وہ شور مچاتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا۔

راجہ اپنے ساتھیوں سمیت مہیش کی لاش لے کر واپس چلا گیا۔ واپس آ کر راجہ بہت پریشان رہنے لگا۔ اسے اس بات کا دکھ تھا کہ اس نے بے گناہ چرن داس کو کیوں پھانسی دی۔ کیوں لالچی پرتھوی سنگھ کی بات پر یقین کر لیا اور خود تحقیقات کرنے کی بجائے پرتھوی سنگھ کی جھوٹی گواہیوں پر ایک بے گناہ کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ راجہ نے سوچا کہ ہیرا لال کے لالچ اور بدی کی وجہ سے کئی جانیں ضائع ہو چکیں ہیں۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ کون سا ایسا اچھا کام کرے کہ جس کی وجہ سے چرن داس کی روح خوش ہو جائے اور یہ روز روز قتل کرنے چھوڑ دے۔ آخر اسے ایک بات سوجھی۔ اس نے چرن داس کے خاندان کی تحقیق کرائی تو اسے پتہ چلا کہ چرن داس کا ایک بھتیجا بھی ہے جو تعلیم حاصل کر کے جوان ہو چکا ہے۔ راجہ نے سوچا کہ اگر کسی طرح کملا بھوشن سے شادی پر رضا مند ہو جائے تو وہ ان دونوں کی شادی کر کے انہیں اس حویلی میں آباد کر دے۔ اس طرح چرن داس کی روح بھی خوش ہو جائے گی کہ جو حویلی اس نے اپنی محبوبہ کے لیے بنوائی تھی آخر وہی اس میں جا کر آباد ہو گئی۔ یہ سوچ کے راجہ نے بھوشن سے بات کی۔ بھوشن کو ساری بات سمجھائی تو وہ کملا سے شادی کرنے پر راضی ہو گیا۔ پھر راجہ نے کملا کے پتا سے بھی بات کی۔ وہ خود بیٹی کو گھر بٹھا کر تنگ آ چکا تھا۔ راجہ کی بات سن کر وہ بخوشی راضی ہو گیا۔ کملا کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے رو رو کر سارا گھر سر پر اٹھا لیا۔ ماں باپ نے اسے بہت سمجھایا مگر کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بنئے نے اسے راجہ کا حکم سنایا اور کہا کہ اب وہ

رونا دھونا بند کرے اور راجہ کے حکم کی تعمیل میں اس شادی پر راضی ہو جائے۔

مقررہ تاریخ پر پرکاش دلہن بیاہنے آیا۔ راجہ خود تو نہ آیا مگر اس کے سارے وزیر اس شادی میں شریک تھے۔ شام کا وقت تھا۔ سورج غروب ہونے میں تھوڑا سا وقت باقی تھا کہ بارات آ گئی۔ لوگ دولہا کے استقبال کے لیے آگے بڑھے۔ دولہا نے گھوڑے سے اترنے کے لیے دایاں پاؤں رکاب سے باہر ہی نکالا تھا کہ سیاہ رنگ کا دھواں اٹھنے لگا۔ دولہا کی چیخ نکل گئی اور دھوئیں نے چرن داس کی شکل اختیار کر لی۔ ادھر دولہا بنا بھوشن گھوڑے سے نیچے آ گرا۔ اس کی آنکھیں نکل آئیں۔ پل بھر میں سب کچھ ختم ہو گیا۔ ہر طرف بھوشن کی موت کی خبر پھیل گئی۔ کملا کو پتہ چلا تو وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ چرن داس نے ایک مرتبہ پھر اس کا عہد ٹوٹنے سے بچا لیا۔

راجہ کو اس بات کا پتہ چلا تو اسے بہت دکھ ہوا۔ اس نے اعلان کرا دیا کہ حویلی کو تالا لگوا دیا جائے۔ کملا کی آئندہ شادی کے بارے میں کوئی بات نہ کی جائے۔ بوڑھے کے بارے میں بھی کہہ دیا گیا کہ کوئی شخص چرن داس کے باپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دے۔ وزیر کنور راؤ کو اختیار مل گیا تھا اس لیے اس نے حویلی میں تالا لگوا دیا۔ چرن داس نے جو فصل بوئی تھی وہ پک کر تیار ہو چکی تھی۔ کنور راؤ نے یہ دیکھا تو بہت سے لوگوں کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ آمدنی کے چوتھائی حصے کے معاوضے پر فصل کی کٹائی کریں۔ ملازموں نے فصل کاٹنا شروع کی تو بوڑھا کلہاڑی ہاتھ میں لیے آ پہنچا اور کہنے لگا۔

"اس کاشت کے مالک تم تو نہیں ہو۔ اس فصل کو اگانے والا تو کوئی اور تھا۔ تم فائدہ حاصل کرنے والے کون ہوتے ہو۔"

ملازموں نے کہا۔ "وزیر کنور راؤ نے ہمیں معاوضہ پر فصل کاٹنے پر رکھا ہے۔"

PdfStuff.blogspot.com

بوڑھا بولا۔ "ہاں۔ تمہارا تو کوئی قصور نہیں۔ ویسے وزیر آئے تو اسے کہہ دینا کہ تم اس فصل کے مالک نہیں ہو۔" یہ کہہ کر بوڑھا ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

شام کو وزیر آیا تو لوگوں نے سے بوڑھے کے متعلق بتایا۔ وزیر کہنے لگا۔

"ہاں وہ بوڑھا سچ کہتا ہے۔ یہ فصل اس کے بیٹے نے بوئی تھی مگر اب وہ مرچکا ہے۔ بادشاہ نے یہ زمین مجھے دے دی ہے۔ اس لیے اب میں ہی اس کا مالک ہوں۔"

فصل کٹی۔ وزیر نے اس کو اچھے داموں بیچ کر ملازموں کو وعدے کے مطابق ان کا معاوضہ دیا۔ رقم کی تھیلیاں گھوڑے کی پیٹھ پر رکھ کر وہ گھوڑے پر سوار ہونے لگا کہ اچانک چرن داس کی روح پھر نمودار ہوئی اور اس کا گلا دبا کر وہاں سے چلتی بنی۔ راجہ کو اس بات کی اطلاع ملی تو وہ بہت دکھی ہوا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ چرن داس کی روح کو سکون پہنچانے کے لیے کیا کرے کہ چرن داس بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا چھوڑ دے۔ راجہ نے چند وزیروں کو بھیج کر چرن داس کے باپ کو محل میں بلوایا۔ راجہ نے بوڑھے کو بڑی مشکل سے اس بات پر راضی کیا کہ اگر وہ آشیرباد دے تو کملا کی شادی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ حویلی دوبارہ آباد ہو جائے گی اور بے گناہ لوگوں کو قتل بھی بند ہو جائے گا۔ بوڑھا بڑی مشکل سے راضی ہوا۔ راجہ نے خود اپنے ایک وزیر کے ساتھ کملا کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ وزیر بڑی مشکل سے راضی ہوا کیونکہ وہ اس بات سے خوفزدہ تھا کہ کہیں اس کے بیٹے کی بھی شامت نہ آ جائے اور چرن داس کی روح اسے بھی نہ ختم کر دے۔ مگر راجہ کے تسلی دینے پر وہ راضی ہو گیا۔

مقررہ دن پر اس روز پھر کملا کو زبردستی دلہن بنایا گیا۔ راجہ کے حکم پر کملا کی بارات اسی حویلی میں لے جانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ حویلی کو دلہن کی طرح

سجایا گیا تھا۔ راجہ بارات کے ساتھ خود حویلی پہنچا۔ چرن داس کا بوڑھا باپ بھی بارات کے ساتھ آیا تھا۔ دولہا دلہن کو منڈپ میں بٹھایا گیا۔ چرن داس کے باپ نے دونوں کے سر پر ہاتھ رکھ انہیں دعا دی۔ اسی وقت بوڑھے کے قدموں میں دھواں نکلنے لگا۔ پھر یہ دھواں چرن داس کی شکل اختیار کر گیا۔ لیکن آج یہ دھواں آسمان کی طرف بلند نہیں ہوا بلکہ بوڑھے کے قدموں میں ہی سمٹ کر غائب ہو گیا۔

☆

PdfStuff.blogspot.com

عفریت کی تلاش

اس کے بدن میں ایک عفریت پرورش پا رہا تھا۔ جب
اسے اس بات کا پتہ چلا تو بہت دیر ہو چکی تھی مگر اس کا شوہر
اس عفریت کی تلاش میں نکل پڑا۔

یہ تیسری رات تھی کہ مسز براؤن سوتے سوتے اچانک چونک کر اٹھ بیٹھی تھی۔ اس سے پہلے گزشتہ دو راتوں سے ایک بھیانک خواب اسے پریشان کر رہا تھا۔ اس نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی ہے۔ کمرے کا دروازہ اندر سے لاک ہے۔ اچانک کمرے کے دروازے میں لگی ہوئی چابی گھومی' پھر اوپر کی چٹخنی کھلی اور دروازہ آہستہ سے کھل گیا لیکن کوئی اندر نہ آیا۔ وہ خوفزدہ ہو کر اٹھ بیٹھی اور سائڈ پر رکھا ہوا لیمپ جلا دیا۔ خوفزدہ نظروں سے نیم وا دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ تالے کی چابی گھومی اور پھر کسی ان دیکھے ہاتھ نے دروازے کی چٹخنی بھی بند کر دی۔ مسز براؤن جس کا اصلی نام ماریا تھا' کا حلق خشک ہو گیا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن اس کے گلے میں آواز پھنس کر رہ گئی۔ پھر کمرے کی مدھم روشنی میں اس نے دیکھا کہ ایک ان دیکھا ہاتھ ہوا کے دوش پر تیرتا ہوا اس کے گلے کی طرف بڑھ رہا ہے پھر جیسے اس ہاتھ سے خون کی بوندیں ٹپکنے لگیں اور کمرے کے فرش

پر گرتے ہی جم گئیں۔ ماریا خوفزدہ ہو کر پھٹی پھٹی نگاہوں سے ہوا میں معلق اس ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ ہاتھ اس سے دور ہوتا چلا گیا۔ کمرے کے دروازے میں لگے ہوئے تالے کی چابی پھر گھومی' چٹخنی ایک زوردار آواز کے ساتھ کھل گئی۔ دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور بند ہو گیا۔ کمرے میں سرد ہوا کا ایک جھونکا آیا اور سردی کی ایک لہر جیسے ماریا کے رگ و ریشے میں سرایت کر گئی۔ اس نے ایک دلخراش چیخ ماری اور پھر اسے اپنے کندھوں پر مسٹر براؤن کے کھردرے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا۔

"کیا ہوا ڈارلنگ۔ تم سے ہزار مرتبہ کہا ہے کہ خوفناک کہانیوں میں دلچسپی لینا چھوڑ دو لیکن تم ہو کہ اپنی اس عادت سے باز نہیں آتی ہو۔" یہ کہتے ہوئے براؤن نے ماریا کے تکیے کے نیچے سے خوفناک کہانیوں کی ایک کتاب نکال کر ایک طرف رکھ دی۔

"لو اب تم سو جاؤ۔ میں یہیں تمہارے پاس کرسی پر بیٹھ کر رسالہ پڑھتا رہوں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ الزبتھ اپنی خالہ کے یہاں گئی ہوئی ہے ورنہ وہ بھی خواہ مخواہ خوفزدہ ہو جاتی۔" براؤن نے اسے تسلی دیتے ہوئے ایک ضخیم تصویری رسالہ اٹھا لیا اور ماریا کے بیڈ کے قریب آرام کرسی میں دھنس کر بیٹھ گیا۔ یوں پہلی رات کا یہ بھیانک خواب جس نے ماریا کی میٹھی نیند خراب کر دی تھی' خیریت سے گزر گئی۔ وہ اگلے دن تمام وقت اسی خواب کے متعلق غور و فکر کرتی رہی لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے میں ناکام رہی۔ وہ حیران تھی کہ کیا یہ خواب اسے کسی آنے والے خطرے سے متعلق تو خبردار نہیں کر رہا۔

اگلی رات جب وہ خواب آور گولیوں کی خاصی بڑی تعداد نگلنے کے بعد اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو سکون بخشنے کی تیاری کر رہی تھی کہ رات کے دو بجے اس کی آنکھ اچانک کھل گئی۔ کوئی اس کی خواب گاہ کے دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دے رہا تھا۔ اس نے قریب لیٹے ہوئے براؤن کا رخسار آہستہ سے

pdfstuff.blogspot.com

تھپتھپایا۔

"ڈارلنگ۔" اسے اپنی خوفزدہ آواز کی کپکپاہٹ سن کر خود بھی حیرت ہو رہی تھی۔

"ہوں' ہوں' کیا بات ہے جان۔ کون ہے۔" براؤن نے بے دلی سے پوچھا۔

"باہر کے دروازے پر کوئی ہے۔" ماریا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کوئی نہیں ہے تم سو جاؤ۔ خواہ مخواہ مجھے پریشان نہ کرو۔ فکر کرنے گھبرانے یا ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔" براؤن نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور دوسری طرف کروٹ بدل کر خراٹے لینے لگا۔

براؤن کے سو جانے کے بعد جیسے کسی تنویمی کیفیت کے زیراثر وہ آہستہ سے اپنے بیڈ سے اتری اور دروازے کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ کسی نے پھر آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ اس بار بغیر کچھ سوچے سمجھے ماریا نے دروازہ کھول دیا۔ ایک ہولناک چیخ اس کے حلق سے نکلی اور بے ہوش ہو کر وہ زمین پر ڈھیر ہو گئی۔ باہر راہداری میں ایک عجیب و غریب غیر انسانی مخلوق کھڑی اپنی تمام خباثتوں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ جگہ جگہ سے کٹا پھٹا تھا اور دونوں ہاتھ کلائیوں تک کٹے ہوئے تھے۔ اس کی کلائیوں سے خون بہہ رہا تھا۔

ماریا کی چیخ سن کر براؤن چونک کر اٹھ بیٹھا اور اس نے باتھ روم کے دروازے کے پاس گری ہوئی اپنی بیوی کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اس نے پانی کے چند قطرے اس کے حلق میں گرائے۔ ماریا ہوش میں آ چکی تھی۔ باہر راہداری سنسان پڑی تھی اور دور کسی کتے کے رونے کی دردناک آواز آ رہی تھی۔

"وہ پھر آئے گا' اوہ میرے خدا میں کیا کروں' میں کہاں جاؤں۔ براؤن مجھے اپنے سینے میں چھپا لو ورنہ میں مرجاؤں گی۔" ماریا بلک بلک کر رونے لگی۔

ایک بار پھر ہولناک خواب نے اسے بے چین اور بے قرار کر دیا تھا۔ براؤن نے اسے تسلی دی اور اٹھا کر بستر پر لٹا دیا۔ پھر وہ دیر تک اس کے بالوں میں کنگھی کرتا رہا۔ انگلیاں پھیرتا رہا۔ ماریا کے گلاب جیسے رخساروں پر آنسوؤں کی لکیریں بہہ کر جم گئی تھیں اور تھوڑی دیر بعد وہ سو گئی۔

اگلے دن براؤن ماریا کو لے کر ایک قابل اور ماہر نفسیات دوست سے ملا۔ اس شخص کا نام کورٹس تھا اور وہ اپنے علاقے میں بہت مشہور تھا۔ مرض کی جڑ تک پہنچ کر اور اس کی صحیح تشخیص کرنے کے بعد وہ تیربہدف علاج تجویز کرنے میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے ماریا کا نفسیاتی تجزیہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ماریا کے لاشعور یا تحت الشعور میں کوئی دبا ہوا خوف نمایاں ہو رہا تھا جو اسے مختلف ہیولوں کی صورت میں آ کر راتوں کو خوابوں میں پریشان کر رہا تھا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ ماریا کو آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے کسی پہاڑی مقام پر چلے جانا چاہئے۔

دونوں نے اپنی آٹھ سالہ بیٹی الزبتھ کو اس کی خالہ جوزفین کے یہاں چھوڑا اور خود ایک پہاڑی علاقے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ان کا خیال تھا کہ ماریا سکون اور آرام سے چند دن گزار سکتی تھی۔ گزشتہ دو راتوں کے بھیانک خوابوں نے ماریا کے اعصاب کو بری طرح مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ لوگ دن بھر کی مسافت کے بعد جب ریاست اری زونا کے اس خوبصورت پہاڑی علاقے میں پہنچے تو شام ہو رہی تھی۔ گائیڈ نے انہیں ایک چھوٹے سے خوبصورت ہوٹل کا ڈی لکس سوئٹ لے دیا تھا جہاں وہ آئندہ ایک ہفتے تک آرام و سکون سے رہ سکتے تھے۔

شام کا کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں ایک قریبی کلب میں چلے گئے جہاں ٹھنڈے مشروبات سے لطف اندوز ہونے کے بعد کافی دیر تک رقص کرنے کے بعد براؤن اور ماریا چاندنی رات میں سیر کا لطف اٹھاتے ہوئے ہوٹل سے دور

Pdfstuff.blogspot.com

چلے گئے۔ جب وہ لوٹے تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ایک طویل عرصہ پھر سے گزرے ہوئے حسین لمحات ان کی زندگی میں لوٹ آئے تھے۔ وہ خوش تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ اس کی شادی کی پہلی سہاگ رات اور جب کافی پینے کے بعد براؤن نے آہستہ سے اس کے رخسار میں کھبوتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

"ڈارلنگ' اب کیا پروگرام ہے؟" تو وہ پہلی رات کی نئی نویلی دلہن طرح شرما گئی۔

وہ دونوں کافی دیر تک کھڑکی کے پاس کھڑے باہر لان میں پھیلی ہوئی کا لطف اٹھاتے رہے پھر براؤن نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہم بہت تھک گئے ہیں' چلو سویا جائے۔"

ماریا نے اپنی شرگیں پلکیں اٹھا کر براؤن کی طرف دیکھا اور براؤن اسے اپنی آغوش میں لیتے ہوئے اپنے ہونٹ اس کے لرزتے ہوئے لبوں دیے۔ وہ اسی طرح کافی دیر تک ماریا کو اپنی آغوش میں لیے اور اپنی بانہوں سنبھالے وہاں کھڑا رہا پھر اسے سہارا دے کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کی چل دیا۔

کمرے میں اس وقت مدھم سبز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ براؤن نے آف کر دی اور کمرے کی چاندنی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے وہ دونوں بیڈ کر جا کر نیم دراز ہو گئے۔ ماریا اب براؤن کے پہلو میں لیٹی ہوئی براؤن آہستہ آہستہ اس کے رخساروں' گردن' کانوں اور پیشانی پر بوسے رہا تھا پھر آہستہ آہستہ ان کی معطر سانسیں کمرے کی نیم روشن فضا میں گھلنے اور وہ دونوں ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے۔

"ڈارلنگ' مجھے سخت پیاس محسوس ہو رہی ہے۔" ماریا نے کہا۔

اس کی بات سن کر براؤن اٹھا اور گاؤن بدن سے لپیٹتے ہوئے سائڈ

رکھے ہوئے جگ سے گلاس میں پانی لے کر ماریا کی طرف بڑھا لیکن اس نے قریب پہنچ کر دیکھا تو حیرت زدہ سا رہ گیا۔ ماریا کی آنکھیں بند تھیں اور وہ بے حد پرسکون نیند سو رہی تھی۔

"خوب۔" وہ مسکرا دیا۔ "واقعی تم بہت تھک گئی ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے گلاس میں سے چند گھونٹ پیے اور گلاس تپائی پر رکھ کر خود ماریا کے پہلو میں لیٹ گیا۔ اس نے سرخ رضائی ماریا کے عریاں سینے پر ڈال دی اور اپنا ایک ہاتھ اس کے سر کے نیچے رکھ کر اس کو اپنی آغوش میں بھینچ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ باہر چاندنی پھیلی تھی اور کمرے میں ماریا کے بدن کی خمار آلود مہک براؤن کو آہستہ آہستہ اپنے ہمراہ لے کر نیند کی وادیوں میں اتر رہی تھی۔ اسے خوشی تھی کہ دو راتوں کے بعد اب ماریا پرسکون نیند سو رہی تھی۔

○

ماریا کے متعلق سوچتے ہوئے براؤن کو بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ماریا سوتے میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ اس نے کان لگا کر سننے اور سمجھنے کی کوشش کی لیکن اس کی کوئی بات سمجھنے سے قاصر رہا۔ وہ غیر مبہم اور ناقابل فہم انداز میں کچھ بڑبڑانے میں مصروف تھی پھر اچانک یوں ہوا کہ براؤن کے بدن کے رونگٹے خوف سے کھڑے ہو گئے۔ اب ماریا کے حلق سے بڑی غیرانسانی آوازیں آ رہی تھیں۔ براؤن کو یوں لگا جیسے وہ کسی بدروح کے پہلو میں لیٹا ہوا تھا۔ ماریا کی آنکھیں اب بڑے وحشت انگیز انداز میں پوری طرح پھٹی ہوئی تھیں اور وہ واقعی بڑی بھیانک نظر آ رہی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ بدستور ٹکٹکی باندھے چھت کو گھور رہی تھی۔ براؤن کے حلق میں ایک ہولناک

pdfstuff.blogspot.com

چیخ گھٹ کر رہ گئی اور اس نے کوشش کر کے پکارا۔

"ماریا کیا ہوا میری جان' تم ٹھیک تو ہو نا؟"

جونہی براؤن کے لبوں سے یہ الفاظ ادا ہوئے ماریا نے ایک
جھرجھری لی اور بیدار ہو کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب وہ براؤن کے سینے میں
چھپائے بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"مجھے بچا لو ... میں ابھی مرنا نہیں چاہتی ... آہ براؤن میں تمہیں
کہیں نہیں جاؤں گی۔ اس نے میری آنکھوں سے جیسے نیند ہمیشہ کے لیے
پھینک دی ہے۔ آہ میں کیا کروں ... مجھے کیا کرنا چاہئے۔ براؤن وہ آج
اپنے ہمراہ لے جانے کے لیے آیا تھا لیکن میں اس کے ساتھ نہیں جانا چاہ

وہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی اور براؤن مستقل سوچے جا رہا تھا
ماریا یا اس کا وہ روپ ہرگز نہیں تھا جسے وہ چند لمحوں پہلے دیکھ کر بر
خوفزدہ ہو گیا تھا۔ آخر یہ سب کیا تھا۔ وہ اس اسرار کو حل کرنے سے
اور اسے رہ رہ کر اپنی بے بسی اور لاچاری پر غصہ بھی آ رہا تھا اور
حالت پر ترس بھی آ رہا تھا۔

وہ دونوں اگلی صبح ہی اس ہل سٹیشن سے واپس پلٹ آئے اور اسی
کے فیملی ڈاکٹر نے براؤن کو خوش خبری سناتے ہوئے کہا۔

"مبارک ہو مسٹر براؤن' اب آپ بہت جلد باپ بننے والے ہیں
لمحہ ہے جب ایک تیسری روح آپ کی محبت کو ان مٹ اور لازوال
گی۔"

یہ خبر سن کر بھی براؤن کو بالکل کوئی خوشی نہیں ہوئی کیونکہ وہ
طرف سے بہت فکرمند تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس حالت میں اسقاط کرا د
اس کا خیال تھا کہ ماریا کی صحت ہرگز اس قابل نہیں تھی کہ وہ مزید ک
ایک بچے کا بوجھ برداشت کرے۔ ماریا کے زرد رخساروں اور کمزور بدا

اتے ہی وہ لرز کر رہ گیا اور اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اپنی تشویش یا خوف
ا اظہار کرے یا خاموش رہے۔ ڈاکٹر نے اس کی ذہنی کیفیت بھانپ لی تھی اس
نے براؤن کو تسلی دی اور آہستہ سے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں میرے دوست' تمہاری بیوی بالکل
یک ہے۔ وہ محض خوف اور وہم کا شکار ہو رہی ہے اور اپنی صحت کے لیے ہی
یں بلکہ تمہارے لیے بھی مشکلات پیدا کر رہی ہے۔ بہرحال تم اسے سمجھاؤ کہ
سب کچھ اس کے حق میں اچھا نہیں ہو گا اور اس کے اثرات اس کے ہونے
لے بچے کی صحت پر بھی بری طرح اثر انداز ہوں گے۔"

اب اور کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی اس لیے براؤن ڈاکٹر کے خیال سے
اق کرتا ہوا گھر لوٹ آیا۔

کچھ عرصے کے بعد دونوں میاں بیوی پر ایک ہولناک انکشاف ہوا۔ بہترین
ر اعلیٰ ادویات کے استعمال کے باوجود ماریا کی صحت دن بدن گرتی چلی جا رہی
ں اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اس کے بدن کا خون آہستہ آہستہ خشک ہوتا
رہا تھا۔ اس کے بدن کا رنگ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید ہو چکا تھا پھر جب
ں کے فیملی ڈاکٹر نے اچھی طرح ماریا کا معائنہ کیا تو یہ خطرناک حقیقت اس پر
نکار ہوئی کہ ماریا کے جسم میں خون کی مقدار تقریباً" نہ ہونے کے برابر تھی
ا نہیں بلکہ ای سی جی کی مشین پر جو لکیریں واضح طور پر دکھائی دے رہی تھیں
ماریا کے دل کی دھڑکن کے علاوہ کسی غیرانسانی آواز کی لہروں سے مشابہ
ں۔

آخر طے یہ کیا گیا کہ خواہ اس سے ماریا کے بدن میں پرورش پاتے ہوئے
کی زندگی خطرے میں ہی کیوں نہ پڑ جائے اس کی سکریننگ اور ایکس رے
ا ضروری ہو گئے ہیں اور پھر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے ماریا کے پیٹ کے متعدد
ں رے لیے۔ ماریا کا بچہ بخیریت تھا لیکن سب سے حیرت انگیز اور ہولناک

PdfStuff.blogspot.com

بات یہ تھی کی ماریا کے دل کے قریب ایک ننھا سا چہرہ نظر آیا۔ اس کی آنکھوا
کی جگہ چھوٹے چھوٹے حلقے تھے اور رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ ا
چھوٹے سے چہرے کے جبڑوں اور دہانے پر ایک عجیب سی مضحکہ خیز مسکراہ
پھیلی ہوئی تھی یوں جیسے وہ ماریا کے بدن کا خون چوس چوس کر اپنی زندگی
سامان پیدا کر رہا ہو اور آہستہ آہستہ ماریا کے بدن کی عمارت کھوکھلی کرنے
مصروف ہو۔ ماریا اور براؤن کی راتوں کی نیندیں اور دن کا چین اب واقعی حر
ہو چکا تھا۔ اخباری نمائندوں اور رپورٹروں اور ہزاروں حیرت زدہ لوگوں
انبار میں گھرے رہنے کے باوجود وہ دونوں خود کو بالکل اکیلا اور بے بس محسو
کرتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ اب کوئی بھی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔ ما
کی حالت روز بروز گرتی چلی جا رہی تھی۔ آخر کار ڈاکٹروں نے طے کیا کہ ا
وہ آپریشن کے ذریعے ہی اس ہولناک عفریت کا علاج کریں گے۔

○

ڈاکٹروں کے بے حد اصرار پر آخر ماریا اور براؤن نے والدین کو
آپریشن کے لیے راضی ہونا پڑا۔ میڈیکل سائنس کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیہ
اچھوتا اور منفرد قسم کا آپریشن تھا اور چار ڈاکٹروں کی ایک ٹیم جو اپنے وقت
بہترین اور ماہر ترین سرجنوں پر مشتمل تھی اس آپریشن کے لیے ایک ماہ
تیاری کرتی رہی۔ اب ماریا کو بغیر سوئے ہوئے چار ماہ گزر چکے تھے اور ص
حال یہ تھی کہ ماریا کی آنکھیں سرخ اور متورم رہا کرتی تھیں۔ وہ خوف
حسرت کی ایک تصویر بن کر رہ گئی تھی۔

آپریشن کے لیے خصوصی انتظام کیے گئے تھے اور شکاگو، پیرس، لندا
جرمنی سے ڈاکٹروں کی یہ ٹیم اس نازک اور سنگین آپریشن کا آغاز کر۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور ہر گزرنے والا لمحہ ماریا کو موت کے قریب
جا رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے ماریا پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ اس کے بچنے کا
ر تمام تر اس کی زندہ رہنے کی خواہش پر تھا۔

براؤن بھی اس آپریشن کی سنگینی سے بخوبی واقف تھا اور وہ بھرپور کوشش
ہا تھا کہ اس کو تسلی دیتا رہے۔ آخر آپریشن کا دن آن پہنچا۔ براؤن، اس کی
ہ اور ماریا کے والدین صبح سے ہی گرجا گھر چلے گئے تھے اور عبادت میں
ف تھے۔ پہلے ماریا کو آٹھ بوتلیں تازہ خون کی فراہم کی گئیں تاکہ وہ
شن کے دوران خون کی مقدار ضائع ہونے کی تکلیف کو جھیل سکے پھر
شن مقررہ وقت پر شروع ہو گیا۔

ڈاکٹروں نے آپریشن کے دوران یہ بات شدت سے محسوس کی کہ آپریشن
بہت سنگین اور نازک تھا۔ انہیں نہ صرف ماریا کے بچے کو بچانا تھا بلکہ اس
ت کو بھی ختم کرنا تھا جو ایک ہولناک چہرے کے روپ میں ماریا کے دل سے
جونک کی طرح چمٹ کر اس کا خون چوسنے میں مصروف تھا اور جس نے ماریا
براؤن کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ آپریشن کے دوران بھی اس کو خون دیا
رہا۔ اس دوران ایک لمحہ ایسا بھی آیا جب اس کے دل کی دھڑکن بالکل
گئی لیکن پھر جیسے اس کے دل نے خودبخود حرکت کرنا شروع کر دی تھی۔
گھنٹوں کے بعد ماریا آپریشن ٹیبل پر بے ہوش پڑی تھی۔ بزرگ ڈاکٹر گرین
ماریا کے سینے کے شگاف کو اور وا کیا۔ تینوں ڈاکٹر اور آگے بڑھے۔ ماریا کا
ان کے سامنے دھڑک رہا تھا لیکن وہ پراسرار چہرہ غائب تھا۔ چاروں ڈاکٹر
ں کی طرح ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ انہیں یہ محسوس ہو رہا تھا
جیسے یہ سب کچھ ایک فضول اور مبہم سی کوشش تھی اور ان کی ساری محنت
ت اور رائیگاں ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اب انہیں کیا کرنا
ئے۔ ماریا کے سینے میں ٹانکے لگا دینے چاہئیں یا پھر اس لمحے کا انتظار کرنا چاہئے

pdfstuff.blogspot.com

جب وہ اسی قسم کی صورت حال سے پھر دوچار ہو۔ یہ سب کچھ بڑا عجیب
لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

ماریا آپریشن کے بعد بھی بہتر گھنٹوں تک ہوش میں نہ آ سکی۔ اس کی حالت
بہت خراب ہو چکی تھی۔ آخر وہ لگاتار دیکھ بھال اور ڈاکٹروں کی ان تھک محنت
کے بعد ہوش میں آ ہی گئی۔ لیکن وہ ابھی تک بولنے یا گفتگو کرنے کے قابل
نہیں ہوئی تھی۔ اسے مزید خون دیا گیا تب کہیں جا کر اس کی حالت سنبھلی لیکن
خوف اور دہشت کے اثرات ابھی تک اس کے چہرے پر باقی تھے اور وہ بے
کمزور اور نحیف نظر آتی تھی۔

براؤن کے چہرے پر روز کے ہوش میں آتے ہی ایک پرسکون طمانیت اور
چین کے اثرات نمودار ہوئے۔ اس نے آہستہ سے ماریا کا ملائم اور نازک ہاتھ
دبا کر اسے تسلی دی اور اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو چھپانے کے لیے
دیوار کی طرف منہ کر لیا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"جان مبارک ہو بچے کی جان بچ گئی۔"

ماریا بار بار اپنا ہاتھ سینے کی طرف لے جاتی اور پھر زخموں کے خیال سے
سینے کو چھونے سے گریز کرتی۔ ہسپتال کے عملے نے اس کی بے حد خدمت کی
اور اسی وجہ سے ماریا کی حالت چند دنوں بعد کافی حد سنبھل گئی لیکن ایک مار
ایک اور ہولناک حادثہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ ماریا چند منٹ پہلے بہت پرسکون
نیند سو گئی تھی۔ اس کے کمرے میں موجود نرس نے اطمینان کا سانس لیا اور
کمرے سے باہر نکل آئی۔ وارڈ بوائے اور نرس کافی پی رہے تھے۔ چند لمحے
گزرے ہوں گے کہ انہیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے گھٹی گھٹی چیخیں اور کراہ
کی آوازیں ماریا کے کمرے سے آ رہی ہوں۔ نرس نے کافی کا مگ رکھ دیا اور
کمرے کی طرف دوڑی۔ ویسے بھی اصولی طور پر ایک لمحے کے لیے بھی
ماریا کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہئے تھا لیکن وہ اسے سوتا ہوا چھوڑ کر گئے تھے۔

ی آواز سن کر ہسپتال کی ڈیوٹی پر موجود نرس اور وارڈ بوائے تیزی سے ماریا
کے کمرے کی طرف دوڑ پڑے۔

اندر کمرے میں ماریا فرش پر گری ہوئی تڑپ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا
جیسے کوئی ان دیکھا ہاتھ اس کے بدن پر زور زور سے ضربیں لگا رہا تھا۔ وہ چیخنا
چاہتی تھی لیکن اس کے حلق سے کچھ یوں دبی دبی اور گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی
تھیں جیسے کسی نے دوسرے ہاتھ سے اس کا گلا دبوچ رکھا ہو۔ اس کا چہرہ فرط
خوف اور تکلیف سے زرد ہو رہا تھا۔ ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے اور وہ اس تشدد کا
مقابلہ کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ
پکڑ رکھا تھا اور ماہی بے آب کی طرح فرش پر تڑپ رہی تھی۔ اس کا سکرٹ
جگہ جگہ سے بری طرح پھٹ چکا تھا' بدن پر گہرے نیل پڑ چکے تھے اور ناخنوں کی
تیز خراشیں جن میں سے خون رس رس کر جم گیا تھا' صاف نظر آ رہی تھیں اور
س کا چہرہ کرب اور اذیت کی وجہ سے بری طرح مسخ ہو گیا تھا۔ وہ بے بسی اور
لاچاری کی حالت میں فرش پر گری ہوئی سٹاف کے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ نرس
اور دوسری سسٹروں کے آہ و بکا اور شور سے پورے ہسپتال میں ایک ہولناک
سماں پیدا ہو گیا تھا۔ کئی ڈاکٹروں اور نرسوں نے مل کر روز کو سنگین فرش پر سے
اٹھایا اور بستر پر لٹا دیا۔ اب تشدد کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ بس کمرے میں ماریا کی
دبی دبی سسکیاں اور آہیں ابھر کر ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

ڈاکٹر اور دوسرے لوگ اس پراسرار حادثے کی وجہ جاننے سے قاصر تھے
لیکن ماریا اور براؤن جانتے تھے کہ یہ سب کیا ہے اور کس وجہ سے ایسا ہو رہا
تھا' اس کے باوجود وہ بے بس تھے۔ تشدد اور اٹھا پٹخ کی وجہ سے ماریا کی حالت
تشویش ناک ہو چکی تھی۔ اس کے بدن سے بڑی کثیر مقدار میں خون ضائع ہو چکا
تھا۔ ایک بار پھر وہ موت کی دہلیز پر کھڑی تھی۔

بچہ ضائع ہو چکا تھا لیکن ڈاکٹروں نے تین روز تک موت سے جنگ کرنے

Pdfstuff.blogspot.com

کے بعد آخر کار ماریا کی جان بچا لی تھی اور براؤن کے لیے یہی بات بڑی خوش کن تھی کہ ماریا کی جان بچ گئی پھر بھی اسے بچے کی موت کا بڑا دکھ تھا۔ وہ بار بار روز کی حوصلہ افزائی کرتا اور اسے ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا لیکن وہ دیکھتا کہ جب بھی ماریا کسی بچے کی تصویر دیکھتی یا کوئی بچہ اسے نظر آ جاتا تو وہ حسرت اور بے بسی سے اسے دیکھا کرتی اور ٹھنڈی آہیں بھرتی۔ اس کی یہ حالت براؤن کے لیے بہت اذیت ناک تھی۔ ایک دن اس نے کہا۔

"میں بچے کی موت کا انتقام اس سے ضرور لوں گا۔"

"لیکن تم بھلا کس طرح ان بدروحوں اور شیطانی قوتوں سے ٹکرا سکتے ہو۔" ماریا نے روتے ہوئے کہا۔

براؤن نہیں جانتا تھا لیکن یہ ضرور تھا کہ اب وہ اس آنکھ مچولی سے تنگ آ چکا تھا۔ اگر یہ عفریت کوئی آسیب تھا یا بلا یا بدروح تھی تو اب کھل کر آخر کیوں سامنے نہیں آئی تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر بھی اس ہولناک معمے کو ضرور حل کرے گا لیکن یہ براؤن کی سب سے بڑی بھول تھی کیونکہ وہ ان شیطانی طاقتوں سے واقعی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ چند دنوں تک ماریا کی حالت کسی قدر سنبھل گئی لیکن اب وہ اکثر یہی شکایت کیا کرتی کہ اسے یوں محسوس ہوتا رہتا ہے کہ جیسے کوئی اس کا دل چٹکیوں سے آہستہ آہستہ مسل رہا ہو اور وہ اکثر و بیشتر درد سے بے چین ہو جاتی تھی۔

فون کی گھنٹی دیر تک بجتی رہی۔ براؤن نے چونک کر رسیور اٹھایا۔ اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا کہ وہ کوئی اچھی خبر نہیں سنے گا۔

"نہیں مجھے یقین ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔" براؤن چیخا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے سوچا کہ ولزلے غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ ماریا کب تک جی سکتی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اب یہ روحانی اذیت اور کرب اس کے لیے ناقابل برداشت دکھ بن گئے تھے۔ اس نے دکھ سے سوچا۔ فون پر سارجنٹ ولزلے کی

آواز گونجی۔

"براؤن، مجھے افسوس ہے کہ ہم اسے بچانے میں ناکام رہے ہیں۔ وہ ہم لوگوں کے پہنچنے سے قبل ہی اپنے آخری سفر پر روانہ ہو چکی تھی۔ اس نے سائنائیڈ کھا لیا ہے۔"

براؤن کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا اور تقریباً" بھاگتا ہوا کئی سیڑھیوں سے گرتا ہوا بچا لیکن پھر اس نے خود پر قابو پایا اور کانپتے ہاتھوں سے کار چلاتا ہوا اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ پورچ میں ڈاکٹر اور دوسرے لوگ موجود تھے۔ کئی عورتوں کی دبی دبی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ براؤن پاگلوں کی طرح اندر داخل ہوا اور ماریا کی لاش پر گر کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ ماریا کے ہونٹوں اور کانوں اور ناک کے نتھنوں سے سیاہی اور نیلاہٹ لیے ہوئے خون بہہ کر جم گیا تھا۔ وہ کافی دیر تک تڑپ تڑپ کر مر چکی تھی۔

ماریا کی موت نے جیسے براؤن کی حالت دیوانوں کی سی کر دی تھی۔ اس نے اپنے ملنے جلنے والوں سے ملنا اور بات کرنا ترک دیا تھا اور اب اس ایک ہی خبط اور دھن سوار تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس ان دیکھے عفریت سے اپنی دنیا کے لوٹے جانے کا انتقام لینے کا آرزومند تھا لیکن وہ اسے کہاں تلاش کرتا۔ اس نے الماری سے بوسیدہ ایکس رے نکالا اور اس میں نظر آتی ہوئی صورت کو دیکھ کر اپنے ذہن میں نقش کرنے لگا۔ پھر اس نے ایک قریبی عجائب گھر کا رخ کیا اور رات گئے تک وہاں مختلف کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا۔ اب یہ اس کا روزمرہ کا معمول تھا۔ آخر ایک دن افریقہ کے براعظم سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کی نظریں ایک ایسے باب پر گڑ کر رہ گئیں جس مین ایک ایسے ہی عفریت کا تذکرہ موجود تھا جس نے وہاں کی ایک دوشیزہ کو محض اس لیے ہلاک کر ڈالا تھا کہ اس نے اس عفریت کے وجود کا راز فاش کر دیا تھا اور اپنے محبوب

pdfstuff.blogspot.com

سے علیحدگی بھی قبول نہیں کی تھی۔ یہاں سے براؤن کو یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ وہ کس طرح سے اس عفریت سے انتقام لے سکتا ہے۔

اسے اب وہ چوبی بت تلاش کرنا تھا جو اس عفریت کا ہم شکل ہو اور یہ کوئی آسان بات نہیں تھی۔ لیکن ماریا کی آہیں' خاموش سسکیاں اور کراہیں اس کے رخساروں پر خشک ہونے والے آنسوؤں کی لکیریں اور اسی کے کرب اور اذیت کے دکھ بھرے لمحات کسی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے چلتے رہتے تھے اور وہ بے قرار اور بے چین رہتا تھا۔ پھر وہ ایک نئے اور پرجوش عزم اور ولولے سے ساتھ اپنے مشن کی تکمیل پر کمربستہ ہو گیا اور اس عفریت کو تلاش کرنا اس نے اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا۔ وہ نوورات کی دکانوں میں مارا مارا پھرنے لگا۔ اس نے ہزاروں میل کا سفر کیا لیکن ابھی تک اسے اپنا گوہر مراد نہیں مل سکا تھا۔ وہ تھک چکا تھا لیکن ہارا نہیں تھا۔ اب اس نے پوری شدومد سے اور جدوجہد سے اس بت کی تلاش شروع کر دی تھی تاکہ اسے جلا کر راکھ کر سکے اور اپنے دل کی آگ بجھا سکے۔

آخر پانچ برس کی تلاش اور کھوج کے بعد تقدیر کی یاوری کے باعث براؤن اس عفریت کا ہم شکل ایک بت تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ بدروحیں اور عفریت بھی اس کی تلاش میں تھے۔ شوکیس میں کئی بت رکھے تھے اچانک سامنے کارنس پر رکھے بت نے براؤن کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی۔ یہ بالکل ... بالکل وہی تھا۔ وہ دکان میں داخل ہوا۔ یہ ایک مشہور چینی تاجر کی نوادرات کی دکان تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح کارنس کی طرف بڑھا اور تیزی سے آگے بڑھ کر بت کارنس سے اٹھا لیا اور چینی تاجر کے ہاتھ میں دس ڈالر کا ایک نوٹ تھماتے ہوئے دکان سے باہر بھاگا۔ چینی تاجر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے باہر جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے بے یقینی سے نوٹ کی طرف دیکھا یہ دس ڈالر کا نہیں بلکہ ایک ہزار ڈالر کا نوٹ تھا۔ وہ اپنی

جگہ سے چونک کر اٹھا اور گھبرا کر دکان سے باہر کی طرف بھاگا لیکن براؤن اس کی دسترس سے دور جا چکا تھا۔ وہ بہت طویل فاصلے پر بڑی تیزی سے بھاگا چلا جا رہا تھا۔ اچانک چینی تاجر کے لبوں سے ایک ہولناک چیخ نکلی۔ اس نے دیکھا کہ مخالف سمت سے ایک ہولناک دیوہیکل بلڈوزر براؤن کے تعاقب میں چلا جا رہا تھا لیکن بلڈوزر کے ڈرائیور کی جگہ خالی تھی۔ ٹریفک تقریباً معطل ہو کر رہ گیا تھا اور لوگ خوف اور حیرت سے ایک گڑگڑاتی ہوئی مشین کو گوشت پوست کے انسان کا تعاقب کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ براؤن نے مڑ کر دیکھا بلڈوزر اب اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ سامنے فرار کے تمام راستے بند ہو کر رہ گئے تھے۔ ایک سکول کی دیوار نے جیسے براؤن کی فرار کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں۔ براؤن تیزی سے دیوار کی طرف دوڑنے لگا۔

براؤن نے چیخنے کی کوشش کی لیکن اسے یوں لگا جیسے ایک دلخراش چیخ اس کے لبوں پر آ کر جم گئی ہو۔ اس کا حلق سوکھ کر کانٹا بن چکا تھا۔ بل ڈوزر اب تیزی سے اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے بت کو مضبوطی سے دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا اور پاگلوں کی طرح دیوار کی طرف بھاگا لیکن اسے دیوار پر چڑھنے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ بلڈوزر کا تیز اور آہنی پھل اس کی دونوں ٹانگوں کو کاٹتا ہوا گزر گیا اور اب پھر دیوہیکل مشین اس کی طرف لپک رہی تھی۔ بلڈوزر کا آہنی دستہ پوری طاقت سے اس کے سر اور چہرے کا بھرکس نکالتے ہوئے گزر گیا۔

پھر پولیس کی کئی کاریں حادثے کی جگہ پر آ کر رک گئیں۔ بلڈوزر خاموش کھڑا تھا۔ یوں جیسے وہ اپنی جگہ سے کبھی ہلا بھی نہ ہو۔ براؤن مر چکا تھا۔ اس کی لاش کے قریب ہی ایک چھوٹا سا لکڑی کا بت پڑا تھا جو کئی جگہ سے ٹوٹ چکا تھا اور خون آلود ہو چکا تھا۔ گہرے دکھ اور افسوس سے سارجنٹ جم نے براؤن کی مسخ شدہ لاش کی طرف دیکھا اور ایک آہ بھر کر رہ گیا۔

Pdfstuff.blogspot.com

سنگدل قاتلہ

وہ معصوم بچوں کی جان لینے میں لذت محسوس کرتی تھی۔ لوگ اسے دیوی سمجھتے تھے اور اس کے خلاف کچھ سننے کو تیار نہ تھے۔ پھر یوم حساب آ پہنچا۔

---

۵ اپریل ۱۹۰۲ء

سہ پہر کے تین بجے پیرس میں ایک جوان عورت گود میں بچہ لیے برے ٹونیو ہسپتال پہنچی۔ وہ خود بہت پریشان اور بچے کی حالت انتہائی نازک تھی۔ چوکیدار نے اسے بچوں کے وارڈ میں جانے کا اشارہ کیا اور خود ڈاکٹر کو بلانے چلا گیا۔

ڈاکٹر سیلانٹ ہسپتال کے قریب ہی رہتا تھا۔ وہ فوراً آیا' بچے کا معائنہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ سکتے کا مریض ہے۔ ماں نے اسے ایک عجیب داستان سنائی۔ مادام چارلس دیبر شہر کے ایک غلیظ اور تنگ و تاریک محلے "گوٹ ڈی اور" سے آئی تھی جہاں دیبر خاندان کے کئی اور گھرانے آباد تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر مزدور' بڑھئی اور کوچبان تھے۔ وقوعہ کے دن مادام چارلس نے اپنی دو نندوں مادام پیری اور جین دیبر کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد جین دیبر نے ان دونوں سے کہا۔

"مجھے چند چیزیں بازار سے لا دیں۔ میری طبیعت ناساز ہے' ورنہ میں خود

چلی جاتی۔" مادام چارلس نے اپنے چھ ماہ کے بچے مورس دیبر کو جین دیبر کے سپرد کیا اور پیری کے ساتھ بازار چلا گئی۔ چند منٹ بعد لوٹیں تو دیکھا بچے کی حالت غیر ہے۔ اس کا رنگ نیلا پڑ گیا ہے' منہ سے کف جاری ہے اور بڑی مشکل سے سانس لے رہا ہے۔ جین دیبر اس کے پاس بیٹھی تھی اس کے دونوں ہاتھ واسکٹ کے اندر بچے کی چھاتی پر تھے۔ ماں نے بچہ اٹھایا۔ بھاگم بھاگ قریبی ڈاکٹر کے ہاں پہنچی۔ معاملہ سنگین تھا۔ اس نے فوراً ہسپتال لے جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ وہ اسے اسی حالت میں یہاں لے آئی۔

کہانی سننے کے بعد سیلانٹ نے ایک بار پھر بچے کا معائنہ کیا۔ اس کی گردن پر سرخی مائل نشان دکھائی دیا۔ ڈاکٹر کے دل میں شبہہ پیدا ہوا' کہیں دشمنی میں کسی نے بچے کا گلا گھونٹ کر مارنے کی کوشش کی ہو۔ رات کے نو بجے سیلانٹ نے تیسری بار بچے کو دیکھا۔ وہ بالکل ٹھیک تھا۔ ماں کے چہرے پر بھی بشاشت تھی۔ ڈاکٹر نے اس سے مزید سوالات پوچھا۔ مادام چارلس نے جو جواب دیے ان سے ڈاکٹر کا شبہہ اور بڑھ گیا۔ اس نے بتایا۔

"۲ مارچ اور ۵ اپریل کے درمیانی عرصے میں دیبر خاندان کے چار بچے فوت ہوئے۔ ان چاروں اموات میں کسی نہ کسی طرح جین دیبر ملوث ہے۔ پہلی موت ۲ مارچ کو مادام میری کے گھر میں ہوئی۔ اس کی دو چھوٹی چھوٹی بچیاں جارجٹ اور سوزاں تھیں۔ انہیں جین دیبر کی نگرانی میں دے کر وہ لانڈری میں کام کرنے چلی گئی۔ شام کے وقت لوٹی تو جارجٹ چارپائی پر مردہ پڑی تھی۔ جین لاش پر جھکی ہوئی تھی اور اس کے دونوں ہاتھ بچی کی واسکٹ میں تھے۔ ۱۱ مارچ کو ایسے ہی پراسرار حالات میں سوزاں مردہ پائی گئی۔ اس کی جلد پر سیاہ داغ دیکھا گیا لیکن جو ڈاکٹر موت کی تصدیق کرنے آیا' اس نے اس پر کوئی توجہ نہ کی اور موت کا سبب تشنج قرار دیا۔ تیسرا سانحہ ۲۵ مارچ کو پیش آیا۔ اس روز جین دیبر ایک رشتے دار لیون دیبر کے ہاں مقیم تھی۔ صبح کے وقت ماں کام پر جانے

PdfStuff.blogspot.com

لگی تو جین دبیر نے اصرار کر کے سات ماہ کی بچی جرمین اپنے پاس رکھ لی
سے بہلانے لگی۔ شام کے وقت بچی کی دادی نے جو پاس ہی رہتی تھی' بچی
چیخیں سنیں' جا کر دیکھا تو اس کا منہ سوجا ہوا تھا۔ دادی نے ساری کیفیت لی
دبیر کو بتائی۔ بچی ٹھیک ہو گئی تو والدین نے دادی کی باتیں بڑھاپے کا وہم
دے کر بھلا دیں۔ اگلے روز وہ پھر بچی جین کے حوالے کر کے کام پر چلے گ
ایک گھنٹے بعد کسی پڑوسی نے بچی کی چیخیں سنیں تو انہیں خبر دی۔ دونوں م
بیوی گھر کی طرف دوڑے لیکن ان کے آنے سے پہلے جرمین دم توڑ چکی تھ
اس مرتبہ بھی جین کے ہاتھ مردے کی قمیض کے اندر دیکھے گئے۔ چوتھی م
۲۷ مارچ کو ہوئی۔ اب کے موت کا شکار جین دبیر کا اپنا سات سالہ بیٹا مار
تھا۔ وہ اچھا بھلا کھیلتا ہوا اندر گیا۔ ماں پاس بیٹھ کر اس کا سر دبانے لگی لیکن
گھنٹے بعد وہ پراسرار حالت میں چل بسا۔ اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ ر
بدل گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو۔"

یہ سنسنی خیز واقعات سننے کے بعد سیلانٹ نے پوچھا۔

"کیا آپ نے یا دبیر خاندان کے کسی دوسرے فرد نے سوچا کہ بچے
پراسرار بیماری سے نہیں گلا گھٹنے سے مرے ہیں اور کسی کو جین پر شک ہوا؟"

مادام چارلس نے ڈاکٹر کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے جو
دیا۔

"لوگوں نے شک کیا اور محلے میں جین کے خلاف چہ مگوئیاں بھی ہو
لیکن جب اس کا اپنا بچہ چل بسا تو یہ کھسر پھسر اظہار ہمدردی میں بدل گئی۔
جین فربہ اندام عورت ہے۔ عمر قریباً" تیس سال ہو گی۔ شمالی فرانس کے ا
گاؤں سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے والدین ماہی گیر تھے۔ وہ چودہ سال کی
میں پیرس بھاگ آئی اور ہمارے خاندان کے ایک شخص جین دبیر سے شادی
لی۔ اس وقت سے کوڈ ڈی اور میں رہائش پذیر ہے۔ مارسل کے علاوہ اس کی

بچیاں بھی پہلے ہی فوت ہو چکی ہیں اور جس ماں کے تین بچے گود خالی کر جائیں'
اس سے سب ہمدردی کرنے لگتے ہیں اور وہ بچے کھلانے کے لئے جس طرح
اصرار کرتی ہے' رشتے دار اسے مامتا کی فطری خواہش سمجھتے ہیں اور اپنے بچے
اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔"

۶ اپریل

صبح مورس کی حالت اور بہتر ہو گئی۔ چہرہ اپنی اصل حالت میں واپس آ گیا
لیکن اس کے گلے کے نشان مزید واضح ہو گئے۔ سیلانٹ قانونی طب میں زیادہ
مہارت نہیں رکھتا تھا تاہم اسے پورا یقین تھا کہ یہ نشان گلا گھونٹنے کا نتیجہ ہیں۔
ایک اور سینئر ڈاکٹر سیوسٹر نے بھی بچے کا معائنہ کیا اور سیلانٹ کی رائے سے
اتفاق کیا۔ انہوں نے پولیس کو اطلاع دی جس نے فوراً" جین کو حراست میں
لے لیا۔ تفتیش کے دوران پتہ چلا کہ دبیر خاندان کے چار بچوں کے علاوہ ۱۹۰۲ء
میں دو اور بچے لوئی الیگزینڈر اور مارسل پویاٹوس بھی ہلاک ہوئے تھے لیکن
موت کی تصدیق کرنے والا ڈاکٹر موت کی وجہ متعین کرنے میں ناکام رہا۔ انسپکٹر
گورٹ اور بوٹ نے ان چار اموات کی مکمل تحقیقات کی۔ جن ہمسائیوں نے
بچے مرتے ہوئے دیکھے تھے' ان کی گواہیاں لیں' کئی گواہوں نے کہا کہ ہمیں جین
پر پکا شک تھا لیکن اس کے بیٹے کی موت نے ہمارے تمام شکوک رفع کر دیے۔

۱۰ اپریل کو انسپکٹر نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ مجسٹریٹ لیڈٹ کو پیش کر دی۔
لیڈٹ نے مارسل کی موت کے متعلق اس کے باپ سے پوچھا تو اس نے صرف
اتنا کہا۔

"بچے کو بخار آتا اور مرگی کے دورے پڑتے تھے۔"

مارسل کی ماں نے کسی سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس طرز عمل سے
مجسٹریٹ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ مارسل کی موت میں بھی اسی کا ہاتھ ہے۔ اس
نے اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے اور رشتہ داروں کے شکوک زائل کر کے نئی

Pdfstuff.blogspot.com

واردات کے لیے راہ ہموار کرنے کی خاطر اپنے بچے کو ہلاک کیا۔ پورے کیس
بغور جائزہ لینے کے بعد مجسٹریٹ کا شک پختہ یقین میں بدل گیا کہ چاروں میں
کوئی بچہ بھی اپنی طبعی موت نہیں مرا۔ مورس دبیر محض اتفاقیہ بچ گیا ہے۔
اموات کا محرک کیا تھا۔ مجسٹریٹ کے خیال میں جین دبیر مرضیاتی نفرت میں
تھی۔ یہ وہ جنون ہے جس کی تسکین کے لیے مریض زیادہ سے زیادہ انسانی جا
ضائع کرتا ہے

اگلے دن مجسٹریٹ نے ڈاکٹر ہنری تھوئی نات سے درخواست کی کہ لاشوا
دوبارہ پوسٹ مارٹم کیا جائے۔ دو روز بعد اس نے جارجٹ' سوزاں' جرمین
مارسل کی لاشین نکلوانے کا حکم دیا۔ ڈاکٹر تھوئی نات پیرس کی شہرہ آفاق قا
طب کی درس گاہ کے سربراہ ڈاکٹر پال کا گہرا دوست تھا اور سائنسی حلقوں
اس کا جانشین سمجھا جاتا تھا۔

قانونی طب کے ماہر کی حیثیت سے وہ اکثر عدالتوں میں پیش ہوتا۔ اس
پیشہ وارانہ مہارت' خوداعتمادی اور قوت استدلال اچھے اچھوں کا منہ بند
دیتی۔ ۱۰ اپریل ۱۹۰۵ء کو مادام چارلس اپنا بچہ لے کر اس کے پاس پہنچی۔
نے مادام سے چند باتیں کیں۔ بچے کا معائنہ کیا۔ ڈاکٹر سیلانٹ اور ڈاکٹر سیو
کی رپورٹیں پڑھیں اور رائے دی کہ بچے کے گلے پر تشدد کا کوئی نشان نہیں
سیلانٹ اور سیوسٹر نے محض سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر کے ایسا لکھ دیا ہے۔
اس نے کہا کہ چاروں لاشوں کا دوبارہ پوسٹ مارٹم کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۴ اپریل

چاروں بچوں کے تابوت نکالے گئے۔ ان میں سے جارجٹ کی لاش
درست حالت میں تھی۔ اس پر بیماریوں کی علامتیں بخوبی دیکھی جا سکتی تھیں
ڈاکٹر تھوئی نات نے لاشوں کا معائنہ کیا۔ بائیں پھیپھڑے پر ایک داغ کے
جسم کے کسی حصے پر کوئی داغ دھبہ نہ تھا۔ البتہ سوزاں کے گلے کے بائیں

ایک واضح نشان موجود تھا۔ تھوئی نات دونوں لاشوں کے پوسٹ مارٹم کے بعد
اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ داغ چوٹ یا زخم کے نہیں' کسی بیماری سے پڑے ہیں۔
دوسرے روز اس نے جرمین اور مرسل کی لاشوں کا بھی پوسٹ مارٹم کیا مگر کوئی
مشکوک نشان نہ پایا اور اس الزام کی تردید کر دی کہ بچے تشدد یا گلا گھونٹنے سے
مرے ہیں۔

مجسٹریٹ یہ رپورٹ پڑھ کر حیرت میں ڈوب گیا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ
تھوئی نات جیسا تجربہ کار اور جہاں دیدہ ڈاکٹر حقیقت کی تہہ تک نہ پہنچ سکے گا۔
اس نے از سرنو تحقیقات شروع کر دی۔ ان تمام گواہوں کی شہادتیں قلم بند کیں
جو ان اموات کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات رکھتے تھے۔ وہ سب مجسٹریٹ
کی رائے سے متفق تھے کہ قصوروار جین دبیر ہے۔ کئی قابل ڈاکٹروں سے صلاح
مشورہ کرنے کے علاوہ اس نے قانون طب کی بعض کتابوں کا بھی مطالعہ کیا۔ ۲۱
جولائی کو اس نے تمام تحقیقاتی کاغذات دوبارہ ڈاکٹر کے پاس بھیجے اور درخواست
کی کہ گواہوں کے بیانات' ڈاکٹر سیلانٹ اور ڈاکٹر سیوسٹر کی رپورٹوں کی روشنی
میں اپنی پیشہ وارانہ رائے ظاہر کرے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ جین کے
ہاتھ مردہ بچے کی قمیض کے اندر دیکھے گئے اور پھر ڈاکٹر ٹاروایو کا کہنا ہے کہ بچے
کا گلا ہلکے سے گھونٹا جائے تو بھی موت واقع ہو سکتی ہے۔

تھوئی نات کی رپورٹ اگست میں ملی اور خاصی ضخیم تھی۔ ہر موت کے
اسباب و علل پر اس نے الگ الگ بحث کی تھی لیکن نتیجہ اب بھی وہی تھا اگرچہ
اس نے جین دبیر کے ملزم ہونے کا امکان ظاہر کیا تھا مگر ساتھ ہی یہ کہہ کر اسے
بچا لیا کہ بچے کی چھاتی اتنے زور سے نہیں دبائی جا سکتی کہ اس کا دم گھٹ
جائے اور وہ ختم ہو جائے۔ ڈاکٹروں کی رپورٹ اس بنا پر مسترد کر دی کہ وہ
قانونی طب کے ماہر نہیں۔

مجسٹریٹ لیڈٹ ایک بار پھر شش و پنج میں پڑ گیا۔ اس کے خیال میں بچوں

Pdfstuff.blogspot.com

کی قاتل جین دیبر تھی لیکن ڈاکٹر کی رائے بالکل برعکس تھی۔ اب یہ
لیڈٹ نے پبلک پراسیکیوٹر سیلگ مین کے حوالے کیا۔ اس نے جین دیبر
جرم لگا کر مقدمہ مجسٹریٹ برتھولس کی عدالت میں پیش کر دیا۔ ایک دن
پولیس کی تحقیقات اور تھوئی ناٹ کی طبی رپورٹ کے اختلافی نکات پر بحث
گئی۔ برتھولس' لیڈٹ کی رائے درست سمجھتا تھا' تاہم اس نے مقدمہ
سماعت چند ہفتوں کے لیے ملتوی کر دی اور تھوئی ناٹ اور پروفیسر برارڈل
درخواست کی کہ وہ پوری مثل پر نظرثانی کریں۔

پروفیسر پال برارڈل کا شمار فرانس کے چوٹی کے ڈاکٹروں میں ہوتا تھا
اپنے خلاف کوئی بات سننا پسند نہ کرتا تھا۔ اس نے مقدمے میں ذاتی طور
دلچسپی نہ لی۔ تھوئی ناٹ سے مل کر جو رپورٹ مرتب کی' وہ پہلی رپورٹ
نقل تھی۔

۲۹ جنوری ۱۹۰۳ء

مقدمے کی سماعت باقاعدہ شروع ہوئی۔ عدالت کے باہر بہت ہجوم
گیا تھا جو قاتلہ سے انتقام کا مطالبہ کر رہا تھا۔ جین دیبر ملزموں کے کٹہرے
منہ لٹکائے بیٹھی تھی۔ کورٹ روم میں کھڑے ہوئے سامعین جو اسے
سمجھتے تھے' خشم آلود نگاہوں سے جج کو گھور رہے تھے۔ ان کے تیوروں سے
ہو رہا تھا کہ اگر جج نے معصوم اور تین بچوں سے محروم ہو جانے والی ماں
دی تو وہ برداشت نہیں کریں گے۔

پیرس کا نامور وکیل ہنری رابرٹ جین دیبر کی وکالت پر آمادہ ہو گیا
نے اپنے زور استدلال سے ڈاکٹر سمیت تمام گواہوں کے بیان غلط قرار
دیے۔ تھوئی ناٹ نے اس کی تائید کی۔ اگلے روز جین دیبر باعزت بری
گئی۔ لوگوں نے تالیاں بجا کر فیصلے کا خیرمقدم کیا۔ اخبارات نے شہ سرخی
ساتھ جین کی بے گناہی کی خبر شائع کی۔ خود برارڈل نے اپنے ماہنامے

ے کی تفصیلات جمع کیں۔ تھوئی ناٹ یا برارڈل کے تصور میں بھی یہ بات نہ
کہ وہ بے بنیاد فتح پر بغلیں بجا رہے ہیں۔ جلدی ہی بچوں کا خون ناحق رنگ
گا اور قدرت قاتل کو بے نقاب کر دے گی۔

اپریل ۱۹۰۷ء

جین دیبر قتل کے الزام میں دوبارہ پکڑی گئی۔ اس اجمال کی تفصیل خاصی
پ ہے۔ ۶ اپریل کو وائل ڈیو کا ایک کسان اپنے بیمار بچے کو ڈاکٹر پاپازوگلو
پاس لایا۔ باپ نے بتایا کہ اس نے ایک رشتہ دار کی شادی میں کھانا زیادہ کھا
تھا۔ ڈاکٹر نے ہاضمے کی دوا دے کر چلتا کیا۔ اگلی صبح کسان پھر آیا' بچہ شدید
تھا۔ ڈاکٹر اس کے ساتھ ہو لیا لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی نو سالہ اگسٹ
ڑ چکا تھا۔ چارپائی کے ساتھ ٹھگنے قد کی موٹی سی عورت بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر نے
ا کہ بچے کا ہاتھ منہ دھو کر اسے نئی قمیض پہنا دی گئی ہے جس کا کالر اتنا
تھا کہ بٹن مشکل سے بند ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نے پوچھا۔

"بچے کو نئی قمیض کیوں پہنائی گئی؟"

"اس نے قے کی تھی' اس کا منہ گندا تھا۔" عورت نے کمال لاپروائی سے
ب دیا۔ ڈاکٹر نے اصرار کر کے قمیض اتروائی تو بچے کی گردن پر سرخ نشان
ایا۔ ڈاکٹر نے معاملہ مشکوک سمجھتے ہوئے پولیس میں رپٹ درج کرا دی۔

تحقیقاتی جج بیلیو نے ڈاکٹر چارلس اوڑی ایٹ کو لاش کا معائنہ کرنے کے
بھیجا۔ اس نے قبرستان کے گرجے میں لاش کا پوسٹ مارٹم کیا۔ گردن کے
ا ایک عجیب سا داغ تھا۔ بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ گلا گھونٹا گیا ہے لیکن جب
یہ پتہ چلا کہ بچہ کئی دن سے سردرد میں مبتلا تھا تو اس نے موت طبعی قرار
دی۔ اگلے روز لاش دفن کر دی گئی۔ ماں نے قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر
بہائے۔

عین اس وقت گھر میں اگسٹ کی بڑی بہن انی سوتیلی ماں کا ایک بیگ تلاش

PdfStuff.blogspot.com

کرنے میں مصروف تھی جو اس نے کہیں چھپا دیا تھا۔ یہ لڑکی اس اجنبی عور
پر، جو مہمان کی حیثیت سے ایک رات کے لیے ان کے ہاں ٹھہری، لیکن پھر گ
والی بن بیٹھی، پہلے دن سے شبہ کرتی تھی۔ آخر ماں کے بستر کے نیچے سے ا
نے بیگ ڈھونڈ نکالا۔ کھول کر دیکھا تو اس میں اخبار کے چند تراشے اور ا
عورت کی تصویریں تھیں۔ تراشے پڑھنے کے بعد اور تصویریں بغور دیکھنے
بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ اس کی سوتیلی ماں وہی عورت ہے جس پر کچھ ع
پہلے بچوں کو ہلاک کرنے کے الزام میں مقدمہ چلا تھا۔ لڑکی ماں کے آنے
پہلے ہی یہ سب چیزیں لے کر تھانے پہنچ گئی۔ پولیس انسپکٹر کی میز پر اس
کاغذات رکھے اور چلائی۔

"میرا بھائی اسی نے ہلاک کیا ہے۔ اگسٹ کی قاتل یہی ہے۔"

مقدمے کی نوعیت بالکل بدل گئی۔ مجسٹریٹ نے از سرنو تحقیقات کا حکم
ڈاکٹر اوڑی ایٹ سے کہا وہ اپنی ابتدائی رپورٹ کا دوبارہ مطالعہ کرے۔ تش
امراض کے ماہر ڈاکٹر برونو سے کہا گیا کہ وہ بھی لاش کا پوسٹ مارٹم کرے۔ ڈ
برونو نے گردن پر واضح نشان دیکھا جو اس نے اوڑی ایٹ کو بھی دکھایا۔
کے علاوہ چھاتی پر ناخنوں کے نشان بھی تھے۔ دونوں نے مشترکہ رپورٹ
لکھا۔

"بچے کی موت گلا گھونٹنے سے ہوئی ہے۔"

۴ مئی کو پولیس نے چمبون سے جین دیبر المعروف مادام مولی نیٹ کو گ
کر لیا۔ تفتیش کے دوران پتہ چلا کہ جین دیبر جون ۱۹۰۶ء میں اپنے پہلے
سے علیحدگی اختیار کر کے چلی آئی تھی کیونکہ پہلے مقدمے میں رہائی کے با
کوئی ہمسایہ اس پر اعتبار نہ کرتا تھا۔ سب مائیں اپنے بچوں کو اس کے سائے
بھی بچاتی تھیں۔

ہنری رابرٹ نے ایک دفعہ پھر جین دیبر کے دفاع کی ذمہ داری اٹ

ب بیان میں اس نے تحقیقاتی جج سے استدعا کی کہ وہ مقامی ڈاکٹروں کی رائے
ے متاثر نہ ہو بلکہ اس معاملے میں برارڈل کے جانشین اور قانونی طب کے امام
وئی ناٹ کی رائے دریافت کرے۔ جج نے اس ناجائز دباؤ کا برا مانا تاہم وہ
وئی ناٹ کی رائے نظرانداز نہ کر سکتا تھا۔ مجبوراً" پورا کیس اس کے پاس بھیج
ا گیا۔

مقدمے کی بعض واضح شہادتوں سے تھوئی ناٹ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ
کٹر چارلس اور برونو کی رپورٹیں صحیح ہیں لیکن حقیقت کا اعتراف کرنے سے نہ
رف اس کی اپنی عظمت پر حرف آتا بلکہ پیرس کے معروف قانی طب کے سکول
ی شہرت بھی مجروح ہوتی۔ اس لیے اس نے حقیقت پا لینے کے باوجود ذاتی وقار
ی خاطر رپورٹ میں لکھا کہ ابتدائی طبی رپورٹ سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا ممکن
یں اس لیے لاش کا دوبارہ پوسٹ مارٹم کرنے کی اجازت دی جائے۔ برونو نے
وئی ناٹ کی مخالفت کرنا چاہی لیکن اس کی شہرت و عظمت کے خوف سے چپ
گیا۔ وقوعہ کے ساڑھے تین ماہ بعد اگسٹ کی لاش نکالی گئی تو برونو اور چارلس
ے معاینے میں تھوئی ناٹ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا کیونکہ اتنی مدت کے بعد
ش پر کسی نشان کے ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بہرحال تھوئی ناٹ نے ان
ونوں کی ابتدائی رپورٹ مسترد کر دی اور لکھا کہ موت کا سبب ٹائیفائڈ تھا۔

جج سمجھ گیا کہ جین دیبر کا کیس تھائی ناٹ کے ذاتی وقار کا سوال بن گیا
ہے۔ اس سے کسی صحیح رپورٹ کی توقع کرنا ناممکن ہے۔ اس نے ملک کے تین
شہور ڈاکٹروں کے بورڈ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ یہ بورڈ بھی تھوئی ناٹ کے
ثرورسوخ سے اس قدر لرزاں تھا کہ خود تحقیق کرنے کے بجائے اس نے تھوئی
ٹ رپورٹ کی روشنی میں ہی اس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جج نے مجبوراً"
مبر ۱۹۰۷ء میں مقدمہ خارج کر دیا اور جین دیبر ایک بار پھر باعزت طور پر بری
و گئی۔

Pdfstuff.blogspot.com

۱۳ جنوری ۱۹۰۸ء

پیرس میں مجلس قانونی طب کی کانفرنس ہوئی' اس میں جین دیبر کیس
تقریر کرتے ہوئے ہنری رابرٹ نے اپنے آپ کو فاتح قرار دے دیا۔ تھوئی نا
پر تحسین کے پھول نچھاور کیے کہ اس نے مظلوم اور بے بس عورت کو ناجا
حراست سے نجات دلائی۔ ڈاکٹروں کے بورڈ کی بھی تعریف کی کہ انہوں نے ح
بات کی حمایت کی۔ اجلاس کے آخر میں چارلس اور برونو پر مقدمہ چلانے
مطالبہ کیا گیا کہ ان کی وجہ سے ایک بے گناہ عورت آٹھ ماہ تک جیل پڑی سڑ
رہی۔

پانچ مہینے کے بعد ان لوگوں کی تعلیاں خاک میں مل گئیں۔ ۸ مئی ے
اخبارات نے جین دیبر کی گرفتاری کی خبر شائع کی۔ اس پر ایک کامرسی بچے
ہلاک کرنے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ خبر کا پس منظر یہ تھا۔

"۷ مئی کی شام چھ بجے ایک مزدور اپنی بیوی کے ساتھ کامرسی پہنچا۔ و
قریب ہی ایک فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ اس نے کامرسی کی سستی سرائے میں ایک
کمرہ کرائے پر لیا۔ بیوی کو وہاں چھوڑا اور یہ کہہ کر کام پر چلا گیا کہ میں رات
دیر سے آؤں گا۔ یہ عورت جلد ہی سرائے والے کے سات سالہ بیٹے مارسل
سے مانوس ہو گئی۔ سوتے وقت اس نے سرائے والے سے کہا کہ مجھے کمرے میں
اکیلے ڈر لگتا ہے۔ اگر مارسل میرے خاوند کے بستر پر سو جائے تو مہربانی ہو گی
اس نے بخوشی اجازت دے دی۔ تقریباً" دس بجے بالائی منزل پر ایک کرایہ دا
نے بچے کی چیخیں سنیں۔ اس کے بتانے پر اس کے والدین دوڑ کر آئے۔ دراز
توڑ کر اندر داخل ہوئے تو ایک دردناک منظر دیکھا۔ مارسل چارپائی پر بے ہوش
پڑا تھا۔ رنگ زرد اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اجنبی عورت بچے کے پاس لیٹ
ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ اور پیٹی کوٹ خون آلود تھے۔ خون سے بھرے ہو
کئی رومال چارپائی کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ ایک آدمی فوراً" ڈاکٹر کو بلانے ج

گیا۔ لیکن ڈاکٹر کے آنے سے پہلے مارسل نے دم توڑ دیا۔ ڈاکٹر گائی کارڈ نے
لاش کا معائنہ کیا۔ گلے کی نالی اور گردن کی پشت پر تشدد کے نشان نمایاں تھے۔
زبان دانتوں میں دبی ہوئی تھی۔ اجنبی عورت اشکبار آنکھوں سے اپنی بے گناہی
کا اعلان کر رہی تھی لیکن ڈاکٹر نے معاملہ فوراً" پولیس کے سپرد کر دیا۔"

تفتیش کے دوران پولیس نے اس عورت سے ایک خط برآمد کیا جو ہنری
رابرٹ نے دسمبر ۱۹۰۷ء میں جین دیبر کی رہائی پر لکھا تھا۔ انسپکٹر کی تھوڑی سی
جرح کے بعد عورت نے تسلیم کیا کہ اس کا اصلی نام جین دیبر ہے۔ لاش پوسٹ
مارٹم کے لیے ہسپتال لائی گئی۔ تحقیقاتی ٹیم کے سربراہ مجسٹریٹ رولن نے پوسٹ
مارٹم کے لیے تین ڈاکٹروں کا ایک بورڈ مقرر کیا جو نانسی یونیورسٹی کے شعبہ
قانونی طب کے سربراہ پروفیسر پیری سات' اس کے بیٹے اور ڈاکٹر تھائرے پر
مشتمل تھا۔ نو مئی کو اس بورڈ نے لاش کا طبی معائنہ کیا اور ایک ایک عضو کا فوٹو
لیا۔ گردن پر جو داغ اور ناخن کے نشان تھے ان پر خاص توجہ دی۔ ساتھ ہی
رولن نے نانسی یونیورسٹی سے تشخیص امراض کے ماہر پروفیسر مائیکل کو بلا بھیجا۔

اس دوران میں رولن نے دسمبر ۱۹۰۷ء کے بعد جین دیبر کی نقل و حرکت
کے متعلق تحقیقات شروع کر دی۔ معلوم ہوا کہ دسمبر میں رہائی کے بعد پہلے وہ
فوکم بولٹ کے مسافر خانے میں رہی' وہاں سے ایک سماجی کارکن اسے بے گناہ
اور مظلوم سمجھتے ہوئے اپنے مرکز اطفال میں لے گیا۔ یہاں ملازمت کے پانچویں
روز وہ ایک بیمار بچے کا گلا دباتی ہوئی پکڑی گئی۔ ادارے کے مالک نے اسے
ملازمت سے برخواست کر دیا لیکن پولیس کو اس لیے اطلاع نہ دی کہ لوگ مذاق
اڑائیں گے۔

مارچ ۱۹۰۸ء

پولیس نے اسے آوارہ گردی کے الزام میں دھر لیا۔ گرفتاری کے وقت
اس نے اپنا نام صحیح بتایا لیکن عدالت میں جا کر مکر گئی۔ جج نے اسے پاگل قرار

Pdfstuff.blogspot.com

دے کر ذہنی امراض کے ہسپتال میں بھیج دیا۔ طبی معائنہ پر وہ بالکل تندرست نکلی۔ اس لیے اسے خارج کر دیا گیا۔ اپریل میں وہ کامری پہنچی اور ایک مزدور امائل سے شادی کر لی۔

پروفیسر میکائل کی آمد کے بعد پیری سات نے دوبارہ پوسٹ مارٹم کیا۔ ہسپتال کے باہر ہزاروں مردوزن طبی رپورٹ کا نتیجہ سننے کے لیے جمع تھے۔ دونوں ڈاکٹروں نے متفقہ طور پر رائے دی کہ بچہ رومال سے گلا گھونٹنے سے مرا ہے۔ یہ سنتے ہی ہجوم میں نفرت اور غصے کی لہر دوڑ گئی۔ فرانس میں اس سرے سے اس سرے تک ڈاکٹروں کے خلاف شور مچ گیا۔ کوئی بھی شخص یہ ماننے پر آمادہ نہ تھا کہ جین دیبر قاتل ہے۔

تھوئی ناٹ اور اس کے عقیدت مند اب بھی اپنی ضد پر قائم رہے اور انہوں نے اپنے اثر ورسوخ سے جین دیبر کو گرفتار نہ ہونے دیا بلکہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو اسے پاگل خانے بھجوا دیا جہاں دو سال بعد اس نے خود اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کا چراغ گل کر لیا۔

☆

آسیبی عمارت

وہ اس عمارت میں پناہ اور کھانے کی تلاش میں داخل ہوئے تھے مگر باہر نکلنا ان کے بس میں نہ رہا۔ روز کی ماں کا حکم تھا کہ وہ اپنے محبوب کا دل نکال کر اسے پیش کرے۔ کیا ایسا ممکن تھا؟

رات کے پچھلے پہر روٹی کے چند ٹکڑوں کی تلاش میں جیمز اور اس کی محبوبہ روز اور اس کا دوست لیونارڈ لندن کی گلیوں میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ اس قحط زدہ گاؤں کی حالت واقعی ناقابل بیان حد تک خراب ہو چکی تھی۔ ہر طرف چوہوں، مکڑیوں، چیونٹیوں، بچھوؤں اور مختلف قسم کے حشرات الارض دندناتے پھر رہے تھے۔ روٹی کا ایک سوکھا ٹکڑا بھی کسی جگہ دستیاب نہیں تھا۔ تمام گھر تقریباً خالی ہو چکے تھے اور لندن کے اکثر و بیشتر باشندے قحط سے اپنی جان بچانے کی خاطر گاؤں چھوڑ کر ملک کے دوسرے قصبوں اور شہروں کی طرف چلے گئے تھے اور اب اس بھرے ہوئے گاؤں میں ہر طرف وحشت اور ہولناک ویرانی کا راج تھا۔ وہ تینوں اب اسی وحشت خیز تنہائی کا ایک اٹوٹ حصہ بن کر رہ گئے تھے۔ یہ وجہ نہیں تھی کہ وہ وہاں سے جانے کے خواہش مند نہیں تھے بلکہ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ کافی دنوں تک جیمز اور اس کی محبوبہ اور لیونارڈ نے ایک ویران راشن ڈپو میں پناہ لی ہوئی تھی اور اب وہاں سے ہر قسم کے کھانے پینے کا سامان ختم ہو جانے کے بعد وہ گزشتہ ۴۸ گھنٹوں سے بھوک کے ہاتھوں

pdfstuff.blogspot.com

مارے مارے پھر رہے تھے۔

اسی طرح کھانے پینے کی چیزوں کی تلاش میں ناکام ہو کر وہ تینوں گاؤں سے قدرے فاصلے پر واقع ایک ویران سے کھنڈر نما مکان کی طرف جا نکلے۔ جیمز نے کہا۔

"میں حیران ہوں روز، تم ہم دونوں کو یہاں کیوں لے آئی ہو۔ یہ جگہ خاصی غیرانسانی اور غیرقدرتی سی ہے اور مجھے کافی وحشت سی ہو رہی ہے۔"

وہ کچھ بوکھلایا ہوا سا نظر آ رہا تھا۔ روز نے کہا۔

"میں خود نہیں جانتی کہ آخر میرا دل کیوں اس طرف کھنچا جا رہا ہے۔ شاید اس لیے کہ اس گھر سے میری کوئی نہ کوئی جذباتی وابستگی ضرور رہی ہے۔"

وہ تینوں اسی طرح باتیں کرتے ہوئے اس عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ عمارت چاروں طرف سے گھنے جنگلات میں گھری ہوئی تھی اور ہر طرف ایک روح فرسا خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

لیونارڈ نے تجویز پیش کی۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں اس عمارت کے اندر نہیں جانا چاہیے۔ کون جانے اندر ہمارے ساتھ کون سے واقعات پیش آئیں۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے اور یوں بھی میرا دل جانے کیوں گھبرا رہا ہے۔"

خوبرو روز جو انتہائی پرکشش اور شاداب جسم کی مالکہ تھی، ایک بھرپور قہقہہ لگا کر اور طنز کرتے ہوئے بولی۔

"کمال ہے، اس قدر بزدلی اور اس کے باوجود تم خود کو مرد کہلوانے پر مصر ہو۔ باتیں تو خالص نامردوں والی ہیں۔"

• لیونارڈ نے اپنی خفت مٹاتے ہوئے کہا۔

"وہ تو میں نے یونہی مذاق کیا تھا۔ میں بھلا کیوں ڈرنے لگا اور پھر ڈرنے کی کوئی بات بھی ہو۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے ان دونوں کے آگے آگے چلنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ عمارت کے صدر دروازے پر جا پہنچے جہاں ہر طرف لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی۔

سالخوردہ دروازے کا رنگ جگہ جگہ سے اکھڑ گیا تھا اور مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے۔ باہر کا پتھریلا فرش کاہی جم جانے کی وجہ سے سیاہی مائل ہو گیا تھا اور ہر طرف نوکیلے چھوٹے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ روز نے بے خوفی سے آگے بڑھ کر دروازے کو چھوا جو ایک عجیب سی چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ روز نے بمشکل اپنی چیخ ضبط کی۔ چاند کی زرد روشنی میں صدر دروازے کے اندر جاتی ہوئی لابی میں ایک گوشے میں جانے کب سے ایک ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔ روز نے جیمز کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور کانپ کر رہ گئی۔ جیمز نے اس کا ہاتھ دبایا ور بولا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم لوگوں کو اس عمارت میں کھانے پینے کی کوئی نہ کوئی چیز ضرور مل جائے گی۔" پھر وہ روز کا ہاتھ تھام کر لابی میں اندر کی طرف چل پڑا۔

لیونارڈ پہلے تو واپس جانے کے لیے مڑا پھر اس نے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے پاؤں من من بھر کے وزنی ہو گئے ہوں۔ وہ بادل نخواستہ جیمز اور روز کے پیچھے چل پڑا۔ ڈھانچے کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے خوف سے ایک جھرجھری لی۔ اسے یوں لگا جیسے ڈھانچہ اسے خالی خالی آنکھوں کے گڑھوں سے دیکھ رہا ہو اور کہہ رہا ہو۔ "اب بھی وقت ہے لوٹ جاؤ۔" اپنے توہمات اور وسوسوں کو ذہن سے جھٹک کر لیونارڈ تیز قدم بڑھاتا ہوا ان دونوں کے ہمراہ آگے بڑھنے لگا۔ دور جنگل میں کوئی الو زور سے چیخا اور ایک بڑی سی چمگادڑ ان لوگوں کے سروں پر سے چیختی ہوئی باہر کو اڑ گئی۔ روز ڈر کر جیمز کے سینے سے چمٹ گئی اور جیمز پیار سے اس کے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے اس کے شانے تھپک کر بولا۔

Pdfstuff.blogspot.com

"ڈرو نہیں ڈارلنگ' ابھی تم لیونارڈ کو بزدلی کا طعنہ دے رہی تھیں او
اب؟"

روز اپنے عاشق کے بازوؤں کا سہارا لے کر آگے بڑھنے لگی۔ لابی کے
آخری سرے پر ایک بڑا سا ہال تھا۔ ہال کے وسط میں ایک لمبی سی میز رکھی ہوئی
تھی۔ لیونارڈ نے حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبات سے ہال کی طرف دیکھا۔
ہال میں رکھی ہوئی میز کے ایک سرے پر تین کرسیاں رکھی ہوئی تھیں اور ٹرے
دان میں ایک بڑی سی موم بتی روشن تھی۔ یوں جیسے کوئی ان کا منتظر ہو۔ سب
سے حیرت انگیز بات دو طشتریاں تھیں جن میں رکھے ہوئے کھانوں کی اشتہا آمیز
خوشبو ان تینوں کے معدے میں آگ لگائے دے رہی تھی۔

"دیکھا' میں نہ کہتا تھا۔" جیمز خوشی سے چیخا اور بولا۔ "اب چاہے یہ محل
آسیب زدہ ہو یا یہاں بھوت پریت رہتے ہوں میں ان سب کا بے حد ممنون ہوں
کیونکہ وہ کس قدر اپنے مہمانوں کا خیال رکھتے ہیں۔ آؤ ہم لوگ پہلے کھانا کھا
لیں پھر آرام کرنے کے متعلق سوچیں گے" اس نے روز کا ہاتھ پکڑ کر میز کی
طرف کھینچا۔ "روز' کیا ہو گیا ہے تمہیں ڈارلنگ' تم اس قدر گریزاں کیوں ہو'
گھبراؤ نہیں میں جو تمہارے ساتھ ہوں" جیمز کے لہجے میں اعتماد اور جرات کی
جھلک نمایاں تھی۔

لیونارڈ بے خوفی سے آگے بڑھا اور کرسی کھینچ بیٹھتے ہی نقرئی طشت اپنی
طرف کھسکا کر تیز خوشبودار گرم چاول اپنی پلیٹ میں نکال کر کھانے لگا۔ اب
روز بھی نہ رہ سکی اور وہ بھی جیمز کے ہمراہ میز پر جا بیٹھی۔ کھانا بے حد لذیذ اور
عمدہ تھا اور کھانے کے بعد میز پر سجی ہوئی شراب کے چند پیگ پینے کے بعد
انہیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ صدیوں سے اسی قسم کے شاندار اور خوش
ذائقہ کھانے کے متلاشی تھے۔ لیونارڈ کچھ غنودگی محسوس کر رہا تھا۔ اس عمارت
کے متعلق اس کے ذہن میں جو شکوک و شبہات اور وسوسے ابھرے تھے اس نے

انہیں ذہن سے یکسر نکال دیا تھا۔ اب خوب اچھی طرح پیٹ بھر کر کھانے کھانے
کے بعد وہ سونے کی فکر میں تھا۔ کئی راتوں سے جیمز اور روز بھی نہیں سو سکے
تھے۔ اس لیے وہ بھی اب سونے کے آرزومند تھے۔ لیونارڈ اٹھ کر لابی کی طرف
جا رہا تھا۔ جیمز نے روز سے کہا۔

"روز' تمہارا کیا حال ہے' کیا تمہیں اس عمارت کے متعلق کچھ یاد آیا؟"

روز نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ہاں' اب مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا
ہے۔ میرے ذہن کے دریچوں پر گزری ہوئی یادیں اب آہستہ آہستہ دستک دے
رہی ہیں۔ آہ --- یہ میرا آبائی مکان ہے۔ ہاں میرا آبائی مکان۔ اب سے
پچیس برس پہلے میں یہاں آئی تھی۔ یہاں میری ماں رہا کرتی تھی۔ میں اس وقت
تین برس کی تھی۔ جب میری ماں مجھ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی۔ ابھی تک اس
کے خدوخال میرے ذہن اور دل پر نقش ہیں۔ میری آنجہانی دادی کہا کرتی تھی
کہ میری ماں کو سحر اسود پر کامل عبور حاصل تھا اور وہ نت نئے طلسماتی تجربے
کرتی رہتی تھی۔"

جیمز نے کہا۔ "خیر چھوڑو ان باتوں کو' آؤ اب چل کر کچھ دیر آرام
کریں۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے لابی سے گزر کر عمارت کے اس حصے کی طرف
بڑھنے لگے جہاں خواب گاہ تھی۔ راستے میں ایک کمرے کے نیم دریچے سے
جھانک کر انہوں نے دیکھا تو ان کی حیرت میں اور اضافہ ہوا۔ اس کمرے میں
بچھی ہوئی بڑی سی مسہری پر لیونارڈ چاروں شانے چت پڑا خراٹے لے رہا تھا۔
اس کے خراٹوں سے کمرہ گونج رہا تھا اور وہ یوں پرسکون نظر آ رہا تھا جیسے وہ
ایک طویل عرصے سے یہاں آرام کر رہا ہو۔

○

Pdfstuff.blogspot.com

جیمز نے روز کو اپنی طرف کھینچا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے ا
قریب کر لیا۔ اب روز کے خوشبودار سانس اور بدن کی مہک اس کی سانسو
میں گھلی جا رہی تھی اور وہ وارفتگی کے عالم میں روز کے ہونٹوں کا رس چو
میں مصروف تھا۔ روز نے کسمساتے ہوئے کہا۔

"ڈارلنگ' میں یہاں کھڑے کھڑے تھک جاؤں گی۔ میں اب سونا چا
ہوں۔"

جیمز نے شرارتی لہجے میں کہا۔ "آج' آج کی رات کون کافر تمہیں سو
دے گا۔ میں تو کم ازکم تمہیں سونے نہیں دوں گا۔ چلو چل کر دیکھیں شاید
خواب گاہ میں کوئی آرام دہ بستر ہمارا بھی منتظر ہو۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے نیم روشن لابی میں آگے بڑھے
اچانک روز کی نگاہ سامنے ایک خوبصورت کمرے پر پڑی۔ کمرے کے دروازے
ایک پٹ کھلا تھا اور ایک جہازی سائز کا پلنگ کمرے کے بیچوں بیچ رکھا ہوا تھا
بیڈ کے پاس ایک تپائی پر ایک جگ اور گلاس رکھا ہوا تھا اور کمرے میں ایک
کونے میں ایک شمع روشن تھی۔ یہ سب کچھ بڑا پراسرار اور طلسماتی تھا۔ روز
دم گھٹنے لگا۔ اس نے جیمز کا ہاتھ دبایا۔

"جیمز ڈارلنگ' میں چاہتی ہوں کہ آج کی شب ہمیں اس عمارت میں نہیں
گزارنی چاہئے۔ کون جانے کیسی کیسی بدروحیں اور بھٹکتی ہوئی چڑیلیں ہمار
تعاقب میں ہوں۔" وہ باقاعدہ طور پر کانپ رہی تھی۔

جیمز نے دلیری سے کہا۔ "اور میں --- میں جو ان سب سے بڑا آسیب
تمہارے ساتھ ہوں پھر بھلا تمہیں کاہے کا خوف ہے؟" وہ اسے ستانے پر تلا ہو
تھا۔

بار بار وہ روز کے گداز اور دلفریب بدن کی طرف پیاسی نظروں سے دیکھ

اور ٹھنڈی آہیں بھرنے لگتا۔ روز نے اس وقت بڑی سی میکسی پہن رکھی تھی
لیکن اس کا گلا اس قدر کھلا اور نیچا تھا کہ روز کے بھرے بھرے شانے اور سینہ
صاف نظر آ رہا تھا اور بار بار جیمز کے دل میں گدگدیاں کر رہی تھیں۔ اس نے
روز کو بے صبری سے اپنی طرف کھینچا۔

"چھوڑو بھی میرا ہاتھ' کیا کر رہے ہو؟" روز نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور بیڈ کی
طرف بڑھی۔ وہ بیڈ پر چاروں شانے چت لیٹ گئی۔ جیمز نے بے تابی سے اس
کے پہلو میں لیٹ کر اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ روز کا سانس رک رہا تھا
اور وہ کسمسا رہی تھی۔

اچانک جیمز کو محسوس ہوا کہ اس کے اعصاب اور حواس پر گہری نیند اور
غنودگی چھا رہی ہو۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے اس قدر گہری
نیند کیوں آ رہی ہے۔ باوجود کوشش کے جیمز خود کو بیدار رکھنے میں ناکام رہا تھا
اور چند لمحوں بعد اس کے خراٹے کمرے میں گونجنے لگے۔ روز نے اسے آہستہ
سے تکیے پر لٹا دیا اور خود دوسری طرف کروٹ بدل لی۔

○

کمرے میں نیم زرد روشنی میں جیسے بھیانک عفریت اور مافوق الفطرت
ہیولے رقص کر رہے تھے۔ اس وقت رات کے دو بجے تھے۔ لیکن نیند ابھی تک
روز کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ کوشش کر رہی تھی کہ اسے بھی نیند آ
جائے لیکن جانے کیوں اس وقت اسے اپنی ماں بے حد یاد آ رہی تھی۔ وہ کس
قدر پیار سے اسے بلایا کرتی تھی۔ روزی' روزی' پھر اسے یوں لگا جیسے کسی نے
اس کا نام لے کر نیچے سے پکارا ہو۔ "روزی' روزی" اسے اپنے کانوں پر یقین
نہیں آ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ محض میرا وہم ہی ہو۔ اس نے بے دلی سے سوچا

pdfstuff.blogspot.com

اور کروٹ بدل کر اپنے پہلو میں سوتے ہوئے جیمز کے معصوم چہرے کی طرف دیکھنے لگی پھر اس نے بے ساختہ جھک کر جیمز کے ہونٹ چوم لیے۔ اسی لمحے جیسے اس کے کان میں کسی نے سرگوشی کی ہو۔

"روزی' یہاں آؤ' میرے پاس۔ میں ۲۵ برس سے اس تہہ خانے میں قید ہوں۔ میرے پاس آؤ۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے میری بچی۔"

وہ چونک پڑی۔ آواز کا طلسماتی اثر اسے بار بار اسے تہہ خانے کی طرف جانے کے لیے بے چین کیے دے رہا تھا۔ اس نے کئی بار جیمز کو جگانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ اس کا دل اپنی ماں کی آواز کو سن کر اس کی جانب کھنچا چلا جا رہا تھا۔

آخر وہ دبے پاؤں بیڈ سے اتری اور کمرے کا دروازہ بند کرتی ہوئی لا سے گزر کر ہال کی طرف بڑھنے لگی۔ راستے میں اس نے دیکھا کہ لیونارڈ ابھی تک سو رہا ہے۔ وہ اب کوئی خوف بھی محسوس نہیں کر رہی تھی بلکہ اس کے قدم خود بخود تہہ خانے کی طرف اٹھ رہے تھے۔ ہال کے آخری سرے پر ایک پردہ لٹکا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کسی طلسمی اثر کے تحت پردہ ہٹایا اور سیڑھیاں طے کرتی ہوئی نیم روشن تہہ خانے میں اترنے لگی۔ تہہ خانے میں طرف مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے اور بہت سا سامان گرد اور مٹی کی تہہ تلے دبا ہوا تھا۔

"روزی' میری جان۔ آخر تم آ ہی گئی ہو نا۔" تہہ خانے میں ایک عجیب غیرنسوانی اور غیرانسانی آواز نے اس کا استقبال کیا۔

وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ آخر یہ آواز کہاں سے رہی تھی جس نے مجھے اتنی دیر سے بے تاب اور بے چین کیا ہوا تھا۔ اس سوچا۔ اچانک کسی نسوانی سسکی نے اس کے قدم جیسے جکڑ لیے۔ نیم روشن خانے کے ایک کونے سے یہ آواز آتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اس گوشے

کوئی چیز ایک بڑی سی چادر کے پیچھے چھپی ہوئی ہے۔ روز نے آگے بڑھ کر وہ چادر کھینچ لی۔ روشنی کے ایک تیز جھماکے نے اس کی آنکھیں خیرہ کر دیں۔ یہ ایک بڑا سا آئینہ تھا۔ ایک قد آدم گول آئینہ' جس کی سطح بے حد شفاف اور صاف تھی لیکن یہ کیا؟ اس آئینے میں روز کو اپنا عکس نظر نہیں آ رہا تھا۔ آئینے کی سطح بالکل صاف تھی۔ پھر روز کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا ہو۔ ایک دلخراش چیخ اس کے ہونٹوں پر آ کر رک گئی۔ آئینے کی سطح پر اس کی ماں کا ہیولا ابھر رہا تھا۔ اس کے پس منظر میں بھیانک عفریت رقص کر رہے تھے۔ ہاں' یہ اس کی ماں ہی تھی --- مارگریٹ --- جس کا اصل نام زنوبیہ تھا اور جو اپنے کالے جادو کی وجہ سے مارگریٹ جادوگرنی کے نام سے ۲۵ برس پہلے بہت مشہور تھی۔ روز پھٹی پھٹی آنکھوں سے مارگریٹ کے ابھرتے ہوئے مکمل اور نامکمل عکس کی طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

مارگریٹ کی آواز تہہ خانے میں گونجی۔

"میری بچی' آخر خباثتوں کے دیوتا' اور شیطانی طاقتوں کے طلسم نے تمہیں یہاں آنے پر مجبور کر ہی دیا۔ کہو تمہیں اپنی ماں کی مہمان نوازی تو پسند آئی نا؟ جب تم تین برس کی تھیں تو ایک سحر کے دوران میں جل کر ہلاک ہو گئی تھی لیکن میری روح' آج بھی اس آئینہ میں قید ہے۔ میں گزشتہ ۲۵ برسوں سے یہاں قید ہوں۔ یہ وہ طلسمی آئینہ ہے جس میں ہر شخص کو اپنا عکس نظر آتا ہے لیکن وہ عکس اس کی موت کا عکس ہوتا ہے۔ اس حادثے کی نشان دہی ہوتی ہے جس میں اس آدمی یا عورت کی موت واقع ہو گی۔ اب تم آ گئی ہو تو مجھے کوئی غم نہیں۔ تمہیں میری مدد کرنی ہو گی۔ بس معمولی سا کام ہے۔ دو آدمیوں کا خون اگر تم اس آئینے کی سطح پر مل دو تو میں آزاد ہو جاؤں گی پھر میں اور تم مل کر حکومت کر سکیں گے۔ ہزاروں شیطانی طاقتیں اور سرکش بدروحیں ہماری اطاعت کریں گی اور تم سدا جوان رہو گی۔ بولو کیا تم میری مدد کرو گی۔ کیا تم

Pdfstuff.blogspot.com

مجھے اس قید سے نجات دلاؤ گی؟"

روز نے بے ساختہ کہا۔ "ہاں ماں' میں تمہیں ضرور اس طلسم سے نجات دلاؤں گی۔"

اسے خود اپنی آواز پر یقین نہیں آ رہا تھا اور اسے اپنی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔ مارگریٹ کا وجود اور اس کا عکس اب آہستہ آہستہ دھندلے ہو رہے تھے۔ پھر آئینے کی سطح پر بھیانک اور ہولناک عفریتوں کے عکس نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں بڑی بڑی کلہاڑیاں تھیں اور وہ ایک دوسرے کے بدن کے چیتھڑے اور خون کے فوارے اڑاتے ہوئے رقص کر رہے تھے۔ یہ منظر خاصا ہولناک اور دہشت خیز تھا۔

روز کی رگوں مین خون جیسے منجمد ہونے لگا تھا۔ وہ بار بار اپنی نظریں آئینے کی سطح سے ہٹا لیتی تھیں لیکن ہر بار اس کی نگاہیں آئینے کی سطح پر مرکوز ہو جاتی تھیں۔ وہ بے حد الجھن محسوس کر رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے خون او گوشت کے لوتھڑوں کی بارش اس کے آس پاس ہی کہیں ہو رہی ہو۔ بھیانک عفریتوں کی دل فگار چیخوں کی آوازیں اس کے اعصاب کو مفلوج کیے دے رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر چادر آئینے پر ڈال دی اور تیز قدموں سے بھاگتی ہوئی تہہ خانے سے باہر نکل آئی۔

ابھی وہ ہال کے وسط میں ہی پہنچی تھی کہ اسے مارگریٹ کی آواز سنائی دی۔ اس آواز نے جیسے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔

"روزی' کیا تم مجھے اسی قید خانے میں چھوڑ جاؤ گی۔ کیا اب یہ قید میرا مقدر بن کر رہ جائے گی۔" پھر ہال میں مارگریٹ کی دبی دبی سسکیاں گونجنے لگیں۔

اپنی ماں کی آواز اور اس کی سسکیوں نے روزی کے دل کو موم کرنا شروع کر دیا۔ وہ بے ساختہ کچن کی طرف بڑھی۔ وہ کسی تنویمی عمل کے تحت خود بخ

اپنی ماں کے شیطانی ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوشاں تھی۔ کچن کی پرانی طرز کی وکٹورین میز کے ایک سرے پر بڑا سا تیز دھار خنجر اس کا منتظر تھا۔ اس کا دستہ ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا۔ خنجر بے حد چمکدار اور صاف تھا۔ روز نے آگے بڑھ کر وہ خنجر اٹھا لیا اور انگلی پھیر کر اس کی دھار دیکھی۔ خنجر واقعی بے حد تیز تھا۔ اب وہ یہ خنجر اٹھائے نیند کے عالم میں لابی طے کرتی ہوئی اس خوابگاہ کی طرف بڑھتی جا رہی تھی جہاں جیمز اس ہولناک انجام سے بے خبر گہری نیند میں کھویا ہوا تھا کہ یہی خواب گاہ چند لمحوں بعد اس کی قربان گاہ بننے والی تھی۔ روز نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔

اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہی تھی۔ سامنے بیڈ پر جیمز لیٹا تھا۔ جیمز جو کبھی روز کے دل کی دھڑکن تھا اور اب محض چند لمحوں کا مہمان تھا۔ روز ایک لمحے کے لیے رکی تو اسی لمحے پھر وہی شیطانی سرگوشی اس کے کانوں میں زہر گھولنے لگی۔

"جلدی کرو روز' جلدی کرو' کہیں خواب آور شراب کا اثر زائل نہ ہو جائے۔ جلدی کرو۔"

روز نے اپنی پوری طاقت یکجا کر کے تیز دھار خنجر جیمز کے دل کے مقام پر پیوست کر دیا۔ جیمز کی ہولناک چیخ نے پوری عمارت کو لرزا کر رکھ دیا۔ دور ویرانے میں بدروحوں کے بھیانک بین شروع ہو گئے تھے۔ جیمز کا بدن شدت کرب سے تڑپ کر بیڈ سے نیچے جا گرا۔ اس کی آنکھیں بے یقینی کے انداز میں پھٹ گئی تھیں اور وہ دونوں ہاتھوں سے خنجر کو تھامے اسے اپنے سینے سے نکالنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس نے ڈوبتی ہوئی نظروں سے روز کو دیکھا۔ وہ اس کے سینے سے خنجر کو نکال رہی تھی۔ خنجر کئی بار پھر فضا میں بلند ہوا اور پھر جیسے دہکتی ہوئی سلاخیں بار بار جیمز کے سینے میں اترنے لگیں۔ روز نے جلدی سے ایک شیشے کے پیالے میں جیمز کے سینے سے ابلتا ہوا جوان اور گرم خون اس

Pdfstuff.blogspot.com

میں اکٹھا کیا اور اس کی اینٹھی ہوئی لاش کو بے حس و حرکت حالت میں چھوڑ کر لیونارڈ کے کمرے کی طرف بڑھی۔

"روزی' اب تم اپنے امتحان میں پوری اتری ہو۔ جلدی کرو کہیں لیونارڈ جاگ نہ جائے۔"

اور روزی کسی میکانکی انداز میں لیونارڈ کے کمرے کی طرف بھاگی۔ جیمز کے خون سے بھرا ہوا پیالہ ابھی تک اس نے دوسرے ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔ اس نے لیونارڈ والے کمرے میں پہنچ کر پیالہ کارنس پر رکھا۔ لیونارڈ دوسری طرف منہ کیے لیٹا تھا۔ جونہی روز اس کے قریب پہنچی وہ اس طرح اٹھ کر بیٹھ گیا جیسے وہ اس کے وہاں آنے کا منتظر ہو۔

"حرامزادی' کمینی' میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ غرایا اور اچھل کر روز پر حملہ آور ہوا۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔

لیکن بدقسمتی سے لیونارڈ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس وقت روز اپنی تمام تر شیطانی طاقتوں سمیت اس کے مقابلے پر آئی ہوئی تھی۔ لیونارڈ نے پوری قوت سے اس کو ایک بھرپور تھپڑ رسید کیا لیکن روز نے اپنے ہاتھ کے ایک ہی اشارے پر اسے زمین بوس کر دیا۔ وہ فرش پر جا گرا۔ اسے یوں لگا جیسے چار ان دیکھے ہاتھوں نے اس کے ہاتھ اور پاؤں جکڑ رکھے ہوں۔ فرط خوف سے اس کی آنکھیں پھٹ گئیں اور وہ گھگھیانے لگا۔

"روزی' روز' مجھے چھوڑ دو۔ مجھے جانے دو ---"

لیکن روز بجلی کی طرح لپک کر اس کے سینے پر سوار ہو گئی۔ اس کی آنکھیں نیم وا تھیں اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ یہ خونی کھیل نیند کے عالم میں کھیل رہی ہو۔ وہ کسی نادیدہ طاقت کے زیراثر تھی۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر کارنس سے خون کا لبریز پیالہ اٹھایا۔ لیونارڈ کی دلخراش چیخ کمرے میں گونج کر رہ گئی۔ اس نے دیکھا روز نے اس وقت جیتے جاگتے سرخ لہو کا پیالہ اس

آنکھوں کے سامنے گھمایا اور پھر خنجر کی نوک لیونارڈ کی شہ رگ کو چیرتی ہی گئی۔ لیونارڈ بدکا' اچھلا اور تڑپا پھر اس کے حلق سے ذبح کیے ہوئے بکرے کی طرح غرغر کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ بے حد اذیت اور کرب کے عالم میں تڑپ تڑپ کر مر رہا تھا۔ پھر اس کا بدن زور سے تڑپا اور ساکت ہو گیا۔

روز نے اس کے حلق کے آگے بلکہ شہ رگ کے قریب پیالہ رکھا اور اس میں لیونارڈ کا خون بھی شامل کر لیا۔ اب وہ قدرے مطمئن نظر آ رہی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ اب تک کوئی بھیانک اور ڈراؤنا خواب دیکھ رہی تھی۔ خون کا پیالہ ایک ہاتھ میں اٹھائے اور دوسرے ہاتھ میں دو انسانی خون سے آلودہ خنجر تھامے وہ آہستہ آہستہ تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگی جہاں آئینے کی قیدی اس کی ماں مارگریٹ اس کی منتظر تھی۔

○

چند لمحوں بعد وہ تہہ خانے میں رکھے ہوئے طلسماتی آئینے کے روبرو کھڑی تھی۔ اس نے خوف اور حیرت سے چادر کی طرف دیکھا۔ چادر خون آلود نظر آ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے آئینے سے چادر ہٹا دی۔ آئینے کی سطح میں ایک عجیب سا ارتعاش پیدا ہوا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا کہ اگر میری ماں آزاد ہونے کے بعد اپنے وعدے سے منحرف ہو گئی یا اس نے اپنی طلسمی اور شیطانی طاقتوں کا سہارا لے کر مجھے اس آئینے میں قید کر دیا تو ---؟ یہ ایک ایسا ہولناک خیال تھا جس نے اسے بے قرار کر دیا۔ آئینے کی شفاف سطح کو خون سے رنگنے سے پہلے وہ اقرار چاہتی تھی' اپنی ماں سے عہد کی طالب تھی۔

"ماں' ماں تم کہاں ہو؟ دیکھو یہ میں ہوں روزی --- تمہاری روزی --- تم کہاں ہو؟" روز نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

Pdfstuff.blogspot.com

جواب میں ہر طرف ایک ہولناک اور روح کو لرزا دینے والی خاموشی ا
آگے بڑھ کر اس کا سواگت کیا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کسی نیم روشن اور گہر
کنوئیں میں کھڑی ہو جہاں سے وہ کبھی باہر نہ آ سکے گی۔ یہ شاید اس کا واہ
تھا۔ پھر آئینے کی سطح پر بہت سے عفریتوں کے ہیولے ابھرے۔ وہ سب اپنی ا
کمر پر کسی نہ کسی کی لاش اٹھائے ہوئے آہستہ آہستہ سر جھکائے ایک بڑے
الاؤ کی طرف جا رہے تھے۔ تہہ خانے میں انسانی گوشت کے جلنے کی تیز بو
روز کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی۔

جس وقت وہ لیونارڈ اور جیمز کو قتل کر کے تہہ خانے میں آئی تھی۔ لیونا
کے کمرے میں رکھی ہوئی موم بتی قالین پر گر گئی تھی۔ اور کیونکہ لیونارڈ او
جیمز کی خواب گاہ ایک دوسرے سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھیں اس لیے سوکھ
ہوئی لکڑی اور پھر فرنیچر اور قالین کو آگ لگ گئی اور اس آگ نے بڑ
رفتاری سے جیمز کی خواب گاہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اب جیمز او
لیونارڈ کی لاشیں جل رہی تھیں اور عمارت میں آگ تیزی سے پھیل رہی تھی۔

آگ کا دھواں اب تہہ خانے میں بھی بھر گیا تھا۔ ہر طرف بھیانک چیخو
اور دلخراش آوازوں کا ایک بے ہنگم شور سنائی دے رہا تھا جس نے یہاں کی ت
فضا کو مرتعش کر رکھا تھا۔ آگ کے شعلے کسی زہریلے ناگ کی زبان کی طرح
خانے کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اب وہاں رکھے ہوئے فرنیچر اور دوسر
سامان کو چاٹ رہے تھے اور اس تمام صورت حال سے باخبر ہو کر بھی روز ا
خیالوں میں گم تھی۔ اس کے سینے میں اب جیمز کی سرد ہوتی ہوئی محبت کی آگ
کے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔

یہ سب کچھ ایک بھیانک خواب کا خونی باب دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن
خود اپنے محبوب اور اپنی محبت کو اپنے ہاتھوں قتل کر چکی تھی۔ اور یہ اس
زندگی کی سب سے بڑی بد نصیبی تھی۔ کاش میں اس عمارت میں کبھی نہ آ

ہوتی۔ اس نے لاچاری اور بے بسی سے سوچا لیکن اب تاسف اور ندامت کا
کوئی فائدہ نہیں تھا جو کچھ بھی اب تک ہوا تھا اس میں روز کی مرضی کو کوئی
دخل نہ تھا۔ اس نے بڑی بے چارگی سے سوچا۔

"مجھ جیسی بدنصیب لڑکی بھلا اور کون ہو سکتی ہے جس کی ماں نے اپنی بیٹی
کے ہاتھوں اس کی محبت کا چمن تاراج کرا دیا ہو۔" اور درد کی شدید لہر نے اس
کے دل کو تڑپا کر رکھ دیا۔

وہ اب آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ مارگریٹ کی منتظر تھی۔ طرح طرح
کے شکوک و شبہات، توہمات، خدشے، اندیشے اور وسوسے اس کے دل میں سر
اٹھا رہے تھے۔ اسے اب یقین ہونے لگا تھا کہ اس کی ماں نے ضرور اس کے
ساتھ کوئی بہت بڑا دھوکہ کیا ہے۔ مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ میں نے یہاں
آ کر ایک اتنی بڑی اور فاش غلطی کی ہے جس کی تلافی ممکن نہیں، اور جس کا
خمیازہ مجھے بھگتنا ہی پڑے گا خواہ اس کے لیے اپنی جان کا نذرانہ ہی کیوں نہ پیش
کرنا پڑے۔ اس نے سوچا۔

اس کے اعصاب اس کے قابو میں تھے۔ اور وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ اس
کے حواس پوری طرح بیدار ہو چکے تھے اور وہ فضا میں خطرے کی بو محسوس کر
رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے کسی انہونی بات سے مطلع کر رہی تھی۔ اسی
لیے وہ آئینے کی سطح خون آلود کرنے سے پہلے ہر طرح اپنا اطمینان کر لینا چاہتی
تھی۔

آئینے کی سطح پر اب مارگریٹ کی شکل ابھر کر سامنے آ گئی تھی۔ مارگریٹ
جیسے اس کی موجودگی سے بے خبر بھیانک عفریتوں سے خطاب کر رہی تھی۔

"اور اب میرے بعد تم لوگوں کو میری بیٹی کے ساتھ رہنا ہو گا۔ میں ایک
طویل عرصے تک تمہاری خدمت کرتی رہی۔ تم سب میرے لہو اور گوشت سے
اپنی پیاس اور بھوک مٹاتے رہے، میں ۲۵ برس تک ہر صبح جیتی اور ہر رات

مرتی رہی لیکن اب میرے آزاد ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ چند لمحوں بعد روز
میرے ارادوں سے بے خبر' جیمز اور لیونارڈ کا تازہ اور گرم لہو لے کر آ رہی ہ
گی پھر وہ میری جگہ ہو گی اور میں اس کے بدن میں سما کر اپنی آزادی کے
پروانے پر مہر لگا دوں گی۔" وہ فخریہ انداز میں بولی۔

اسی لمحے تہہ خانے میں روز کی ہولناک چیخ گونجی۔

"نہیں نہیں' ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔
تم نے کیا کیا ماں' تم نے میرے ہاتھوں سے دو بے گناہ انسانوں کا خون کرا دیا
آہ' تم کس قدر ظالم ہو' کس قدر کٹھور اور سنگدل ہو --- اب میں تمہیں کبھ
آزاد نہیں ہونے دوں گی۔ کبھی نہیں ---" روز نے روتے ہوئے اور بلک
ہوئے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

خون کا پیالہ ابھی تک فرش پر رکھا ہوا تھا۔ مارگریٹ نے گھوم کر روز
طرف دیکھا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتی۔ میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی --- تمہیں
وعدہ پورا کرنا ہی ہو گا --- میں تمہیں حکم دیتی ہوں --- اٹھاؤ یہ خون کا پ
اور آئینے کی سطح کو آلودہ کرو۔" اس کی ہولناک آواز جیسے ایک بار پھر روز
اعصاب کو شل کرنے لگی۔ روز کسی زرخرید غلام کی طرح اٹھی اور دونو
ہاتھوں سے پیالہ اٹھا لیا۔

اور --- اب وہ خوفناک اور فیصلہ کن موڑ آ گیا تھا جہاں نہ صر
مارگریٹ بلکہ روز اور دوسری تمام شیطانی طاقتوں کی بے بسی کا عالم قابل دید
پیالے میں لرزاں خون کی سطح پر ایک انسانی دل تیرنے لگا۔ یہ جیمز کا دل
روز کو یوں لگا جیسے جیمز کا دل اس سے پوچھ رہا ہو۔

"جان من' تم نے میری محبت کا یہ صلہ دیا؟"

اپنی پوری طاقت صرف کر کے روز نے خون فرش پر گرا دیا پھر وہ پاگ

کی طرح آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی طرف بڑھی۔

"روزی' رک جاؤ۔"

یہ جیمز کی آواز تھی یا مارگریٹ کی لیکن اب روز کا دل اس کے اختیار میں
نہیں تھا۔ اچانک وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔ یہ اس کی ظالم ماں کی آواز تھی جو
اسے روک رہی تھی۔ روز فرش پر جھکی اور وہاں پڑی لوہے کی ایک سلاخ اٹھا
کر پوری قوت سے آئینے پر دے ماری۔ آئینہ چکنا چور ہو گیا اور آئینے کے دو
بڑے تیز دھار ٹکڑے برچھے کی طرح روز کے حسین اور گداز بدن کے آرپار ہو
گئے۔ اس کا دھڑ ناف سے کٹ کر دور جا گرا۔ اس کا دلنواز جسم دو حصوں میں
تقسیم ہو کر رہ گیا تھا اور ایک تیز دھار شیشے کی کرچی نے اس کے سر کو اس کی
گردن سے الگ کر دیا تھا۔ اس کا سر لڑھکتا ہوا جیمز کے دل کے قریب جا گرا'
یوں جیسے وہ آخری بار اپنا سر اس کے دل کے قدموں میں جھکا رہی ہو۔ پوری
عمارت اس وقت تک آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ چکی تھی اور چند لمحوں میں
یہ طلسماتی اور آسیبی عمارت اپنی تمام خباثتوں اور عفریتوں سمیت ہمیشہ ہمیشہ کے
لیے زمین کی گود میں راکھ بن کر دفن ہو گئی تھی۔

☆

PdfStuff.blogspot.com

اپنا قاتل آپ

دولت جیتنے کے لئے اس نے ایک عجیب کھیل کھیلا، مگر "عورت" حسب روایت اسے ہرا کر اس کے مدمقابل کو جتانے کا تہیہ کر چکی تھی۔ اس خطرہ کا قصہ، جسے اس کی روح بھی محسوس نہ کر سکی۔

جانسن اور مرفی نے مل کر جو کاروبار شروع کیا تھا وہ پہلے سال بری طر
ناکام ہوا جو رقم انہوں نے لگائی تھی اس کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا۔ کاروبار چلنے ک
کوئی صورت نہ نظر آتی تھی۔ لیکن انہیں ایک حسین اور دلکش لڑکی ڈیانا
تعاون حاصل ہو گیا اور کاروبار نہ صرف چل نکلا بلکہ چمک اٹھا۔ ڈیانا ایک معمو
سے ہوٹل میں ملازم تھی۔ ایک شام اس کی ملاقات جانسن سے ہو گئی۔ جان
نے لڑکی کے حسن سے متاثر ہو کر اس سے پوچھا کہ وہ اپنے حسن و جوانی کو ا
گمنام ہوٹل کی ادنیٰ سی نوکری میں کیوں تباہ کر رہی ہے؟ لڑکی نے اسے بتایا کہ
ہر قسم کا رقص کر سکتی ہے لیکن پشت پناہی کے لیے کوئی مرد ساتھ نہیں دیتا ا
لیے وہ کبھی بڑے ہوٹل یا کلب تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی۔ اسے جو بھی
فریب دے کر الگ ہو گیا۔

جانسن خاصا چالاک اور چرب زبان آدمی تھا۔ اس نے ڈیانا سے کہا۔

"اگر تم میری فرم میں کام کرو تو تمہیں نہ صرف اچھی تنخواہ ملے گی بلکہ میں تمہارے ساتھ شادی بھی کر لوں گا بشرطیکہ ہمارا کاروبار چل نکلا۔"

ڈیانا نے پوچھا۔ "کام کیا ہو گا؟"

جانسن نے کہا۔ "ہم گھریلو ضروریات کی اشیا بیچتے ہیں۔ تمہارا کام یہ ہو گا کہ تم گھروں اور دفتروں میں جا کر مال کی تشہیر کرو اور آرڈر لاؤ۔"

ڈیانا بڑی دلکش لڑکی تھی اور وہ مردوں کی نفسیات کو خوب سمجھتی تھی۔ اس نے ہوٹل کی نوکری چھوڑی اور جانسن اور مرفی کی سیلز گرل بن گئی۔ چند دنوں میں وہ پرائیویٹ کمپنیوں کے دفتروں میں سے مختلف اشیا کے بے شمار آرڈر لے آئی۔ ان آرڈرز کے لیے اس نے بعض مردوں کو کل کے وعدے پر خوش کر دیا اور بعض کو نازوانداز سے اندھا کر آئی تھی۔ اس کا یہ طریقہ ایسا کامیاب ہوا کہ جانسن اور مرفی کا کاروبار سنبھل گیا۔ ڈیانا کی بدولت انہیں نئی راہیں نظر آ گئیں اور ایک سال کے اندر اندر جانسن اور مرفی کی فرم نے ایسا نام پیدا کیا کہ انہیں گھر بیٹھے آرڈر ملنے لگے لیکن اب ڈیانا سیدھی سادی لڑکی نہیں رہی تھی۔ اس کا تعارف دولت مند بیوپاریوں اور بڑی بڑی فرموں کے مالک اور منیجروں سے ہو گیا تھا جس سے اسے اور زیادہ آرڈر ملنے لگے۔ جانسن نے ڈیانا کو اپنے گھر میں رکھ لیا جہاں اس کی حیثیت بیوی کی نہیں بلکہ داشتہ کی سی تھی۔ ڈیانا کو کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ اسے اب جانسن سے نہیں بلکہ اس سے کاروبار کی آمدنی سے محبت تھی۔

تین سال بعد جانسن اور مرفی کے کاروبار کی آمدنی کئی گنا زیادہ ہو گئی۔ مرفی کو جانسن پر اعتماد تھا اس لیے اس نے کاروبار کے حساب کتاب کی طرف کبھی کوئی توجہ نہ دی تھی لیکن جانسن حساب کتاب میں دل کھول کر بے ایمانی کر رہا تھا اور ڈیانا کو خوب عیش کرا رہا تھا۔ اس کی بددیانتی کی رازدان صرف ڈیانا تھی۔

Pdfstuff.blogspot.com

ایک روز مرفی نے کاروبار کو وسیع کرنے کے لیے نئی سکیم سوچی جس کے لیے خاصی رقم درکار تھی۔ اس نے جانسن سے پوچھا۔

"بنک میں فرم کے نام پر کتنی رقم جمع ہے؟"

جانسن نے اسے ٹالنے کی کوشش کی لیکن مرفی نہ ٹلا۔ جانسن جس انداز سے پس و پیش کر رہا تھا اس سے مرفی کو شک ہوا کہ حساب میں ضرور گڑبڑ ہے۔ اس نے اپنے طور پر حساب کتاب کی پڑتال کی تو اس پر انکشاف ہوا کہ تیس ہزار پونڈ خردبرد ہو گئے ہیں۔ اس نے تمام تر حساب کتاب اپنے قبضے میں کر لیا اور جانسن سے کہا کہ مجھے تیس ہزار پونڈ کا حساب دو ورنہ میں تم پر غبن اور دھوکہ دہی کا مقدمہ دائر کردوں گا۔ جانسن نے صاف انکار کر دیا۔

دونوں میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ اتفاق سے ڈیانا آ گئی۔ وہ جونہی کمرے میں داخل ہوئی مرفی نے اٹھ کر جانسن کی گردن کو دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ جانسن دبلا پتلا آدمی تھا اس کی آنکھیں باہر نکل ائیں۔ ڈیانا نے چیخنا شروع کر دیا اور تین چار آدمی باہر سے دوڑے آئے۔ انہوں نے جانسن کو مرفی سے چھڑایا ورنہ وہ اسے جان سے مار دیتا۔ باہر کے آدمیوں نے جانسن سے کہا کہ اگر وہ چاہے تو مرفی کو پولیس کے حوالے کر سکتے ہیں۔ مرفی ڈر گیا لیکن جانسن جو جسم کا تو کمزور تھا' دماغ بڑا تیز رکھتا تھا' بولا۔

"نہیں یہ ہمارا آپس کا جھگڑا ہے' ہم مل بیٹھ کر طے کر لیں گے۔ ہم دوست ہیں۔"

مرفی کی جان میں جان آئی اس نے جانسن سے کہا۔

"کیا تم واقعی صلح صفائی سے جھگڑا طے کر لو گے؟"

جانسن نے کہا۔ "کیوں نہیں' کل شام تک مہلت دو' میں تمہارے ہاں آ جاؤں گا اور کچھ نہ کچھ تصفیہ کر لیں گے۔" اس کے بعد جانسن اور ڈیانا اپنے گھر چلے گئے۔

ڈیانا نے جانسن سے کہا۔ "یہ تم کل شام تک مرفی سے کیسے تصفیہ کر لو گے؟ کیا تم اسے تیس ہزار پونڈ واپس کر دو گے۔"

جانسن نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "جب تک تم میرے ساتھ ہو مجھے کسی کا ڈر نہیں۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں کیا کرنے والا ہوں۔ مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔ مجھے ذرا سوچنے دو۔"

جانسن دوسرے کمرے میں چلا آیا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ اس حد تک تو فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ مرفی کو قتل کر دے گا لیکن اس کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ پولیس کے جال سے کیسے نکل سکے گا۔ مرفی گھر میں اکیلا رہتا تھا۔ رات کے وقت اسے قتل کرنا کوئی مشکل نہ تھا لیکن جانسن کو یہ احساس پریشان کر رہا تھا کہ جن تین چار آدمیوں نے اسے مرفی سے چھڑایا تھا' انہیں یہ علم ہو گیا تھا کہ اس کے اور مرفی کے درمیان کوئی جھگڑا ہو گیا تھا۔ وہ پولیس کو بتا سکتے ہیں کہ مرفی کا قاتل جانسن ہے اور اس کے علاوہ بنک سے بھی یہ شہادت مل سکتی ہے کہ مرفی نے بنک کا حساب دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ بنک والوں کو بھی رقم خردبرد ہونے کا علم ہو۔ ڈیانا کے متعلق بھی اسے شک تھا کہ اگر پولیس نے اسے ڈرایا دھمکایا تو وہ راز فاش کر دے گی۔

سوچ سوچ کر اس کے ذہن میں یہ ترکیب آئی کہ وہ اخباروں میں یہ خبر چھپوا دے گا کہ جانسن نے خودکشی کر لی ہے۔ اس خبر کے ساتھ ہی وہ غائب ہو جائے گا اور رات کے وقت مرفی کو قتل کر کے انگلستان سے نکل جائے گا۔ اس طرح پولیس اس پر قتل کا شک نہیں کرے گی اور نہ اسے تلاش کرے گی کیونکہ پولیس رپورٹ کے مطابق تو جانسن خودکشی کر چکا ہو گا۔

اس نے تجویز کے ہر پہلو پر خوب غور کیا اور ڈیانا کو رازدان بنا لیا۔ ڈیانا قتل کے نام سے ڈر گئی لیکن جب جانسن نے اسے یقین دلایا کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر انگلستان سے باہر چلا جائے گا تو وہ تعاون کے لیے تیار ہو گئی۔

pdfstuff.blogspot.com

رات کا پچھلا پہر گزر گیا۔ جانسن نے ڈیانا سے کہا کہ وہ ایک بڑا سا بنڈل بنائے جس میں لوہے اور لکڑی کے ٹکڑے باندھ دے۔ ڈیانا نے بنڈل بنایا او جانسن زندگی کا آخری پیغام لکھنے لگا۔ اس پیغام کے آخر میں اس نے لکھا کہ خودکشی کر رہا ہے۔ اس نے نیچے اپنے دستخط کیے اور کاغذ کو تہہ کر کے چسٹر جیب میں ڈال لیا۔ اسی جیب میں اس نے اپنے نام اور پتے کا ملاقاتی کارڈ بھ ڈالا اور چسٹر کو کندھے پر رکھ کر ڈیانا سے وہ بنڈل لیا جو اس وقت تک تیار چکا تھا۔ بنڈل کا وزن پندرہ بیس سیر تھا۔ جانسن نے ڈیانا سے کہا کہ اخباروں م میری خودکشی کی خبر چھپ جائے گی تو پھر تم سے ملوں گا۔ اس نے تیس ہزار پو ڈیلی کو دے دیے۔ یہ رقم اس نے بنک میں جمع نہیں کروائی تھی کیونکہ وہ ا رقم کے بل بوتے پر مرفی کو قتل کر کے انگلستان سے باہر جانے کے منصوبے بنا تھا۔

وہ کمرے سے نکلا اور بنڈل کو اپنی کار میں رکھا اور کار رات کے اندھیر میں گم ہو گئی۔ جانسن نے شہر کے وسط سے گزرے ہوئے دریا کے پل کے قریب جا کر کار کو روکا اور بنڈل کو بغل میں اور چسٹر کو کندھے پر ڈال کر پیدا پل پر چلتا گیا۔ پل پر سے دو تین کاریں گزر گئیں مگر جانسن کسی پیدل چلنے وا کی تلاش میں تھا۔ اس نے پل کے درمیان رک کر دیکھا۔ بتیوں کی مدھم رو میں اسے پچاس ساٹھ گز دور ایک جواں سال مرد اور ایک نوجوان عورت پ کے جنگلے کا سہارا لیے کھڑے نظر آئے۔ جانسن نے چسٹر کو پل کے جنگلے پر رک اور بنڈل کو دریا میں پھینک دیا۔ پل خاصا بلند تھا۔ اتنی بلندی سے گرا تو آوا دور دور تک سنائی دی۔ مرد اور عورت نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تو جانس نے گھبرائی ہوئی آواز میں چلانا شروع کر دیا۔

"اس نے چھلانگ لگا دی ہے۔ جلدی آؤ' بھاگو بھاگو' ایک آدمی نے یہا سے چھلانگ لگا دی ہے۔"

مرد اور عورت بھاگے آئے۔ جانسن نے نیچے دیکھا اور کہنے لگا۔ "وہ دیکھو' ابھر آیا ہے' نہیں ڈوب رہا ہے او میرے خدا' ڈوب گیا بیچارا۔"

دریا پر تاریکی تھی' کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اتنی دیر میں دو اور راہگیر بھی آ گئے۔ جانسن نے انہیں بتایا۔

"میں ادھر سے گزر رہا تھا تو اس بد قسمت آدمی کو دیکھا۔ وہ یہاں رکا اور اس نے اپنا چسٹر یہاں رکھ کر دریا میں چھلانگ لگا دی۔ اگر مجھے شک ہو جاتا کہ وہ خودکشی کر رہا ہے تو میں اسے بھاگ کر پکڑ لیتا۔ کوئی آدمی پولیس کو اطلاع کر دے۔ میں تو یہاں اجنبی ہوں' کسی سے جان پہچان بھی نہیں۔"

مرد اور عورت نے بھی تائید کی کہ انہوں نے چھلانگ لگانے کی آواز سنی تھی۔

"دیکھو اس کا چسٹر یہاں پڑا ہے۔" ایک آدمی چسٹر کو ہاتھ لگا کر بولا تو جانسن نے کہا

"مت ہاتھ لگاؤ' پولیس آ کر خود دیکھے گی۔" پھر وہ پولیس کو فون کرنے کے بہانے وہاں سے کھسک گیا۔

اس نے اپنی کار کو پل کے قریب ہی رہنے دیا اور خود غائب ہو گیا۔ وہ لندن کے ایک دور دراز کے گوشے میں گمنام سے ایک ہوٹل میں چلا گیا اور غلط نام بتا کر ایک کمرہ لے لیا۔ دوسری صبح اس نے متعدد اخبار دیکھے لیکن اسے اپنی خودکشی کی خبر نظر نہ آئی۔ اس نے بے چینی سے وہ دن کمرے میں ہی بیٹھ کر گزار دیا۔

اگلی صبح اس نے پھر تین چار اخبار منگوائے اور وہ بہت ہی خوش ہوا۔ ہر اخبار میں اس کی خودکشی کی خبر چھپی ہوئی تھی۔ ایک اخبار میں اس کی تصویر بھی چھپی تھی اور تمام اخباروں نے اس کا آخری خط بھی شائع کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ کاروبار میں خسارے اور اپنے حصے دار کی غلط فہمی سے پریشان ہو کر میں

Pdfstuff.blogspot.com

خودکشی کر رہا ہوں۔ خبر میں یہ بھی چھپا تھا کہ جانسن کا چسٹر پل پر پڑا ملا ہے جس کی جیب میں اس کا آخری خط پڑا ہوا تھا۔ اس کی کار پل کے قریب ہی کھڑی تھی۔ پولیس نے خبر کے مطابق کہا تھا کہ چونکہ دریا کی کیفیت سیلابی تھی اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ لاش آگے دور جا کر نکل آئے گی لیکن اس عمل میں آٹھ دس دن گزر جائیں گے۔

جانسن کی یہ سکیم کامیاب رہی تھی۔ پولیس کو یقین ہو گیا تھا کہ جانسن مر چکا ہے۔ اب مرفی کو قتل کرنا باقی تھا۔ مرفی کے قتل ہو جانے کی صورت میں اب پولیس یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ قاتل جانسن ہے۔ اسی رات جانسن نے مرفی کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک بڑے سائز کا چاقو اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔

رات کا اندھیرا گہرا ہو گیا تو اس نے ہوٹل سے مرفی کے گھر فون کیا۔ ادھر سے مرفی نے رسیور اٹھایا اور بولا۔

"ہیلو' میں مرفی بول رہا ہوں۔"

جانسن بولا۔ "اوہ' میں معافی چاہتا ہوں' رانگ نمبر۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ دراصل وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ مرفی گھر پر ہے یا نہیں۔ مرفی گھر پر ہی موجود تھا۔

جانسن ٹیکسی میں بیٹھ کر مرفی کے گھر جا پہنچا۔ دروازے پر دستک دی تو دروازہ مرفی نے ہی کھولا۔ جانسن کا ارادہ اسے اندر کمرے میں قتل کرنے کا تھا۔ اسے توقع تھی کہ مرفی اسے دیکھتے ہی اس پر برس پڑے گا اور پولیس کو اطلاع کرنے کی دھمکی دے گا لیکن وہاں معاملہ الٹ ہی نکلا۔ مرفی نے جانسن کو دیکھا تو پہلے اسے دیکھتا ہی رہ گیا پھر دبی دبی زبان میں بولا۔

"اوہ میرے عزیز دوست جانسن' تم نے تو خودکشی کر لی تھی۔"

"لیکن میں بچ نکلا ہوں۔" جانسن نے کہا۔

"تم نے تو مجھے موت کے منہ میں پھینک دیا تھا۔ تم تو پاگل ہو جانسن۔" مرفی اس سے بغلگیر ہو گیا اور گلوگیر آواز میں بولا۔ "تم تصور نہیں کر سکتے کہ تمہیں زندہ دیکھ کر مجھے کسے قدر خوشی ہو رہی ہے۔ لعنت بھیجو تیس ہزار پونڈ پر۔ مجھے تم اس حقیر رقم سے زیادہ عزیز ہو۔ مجھے علم ہو گیا ہے کہ تم نے خردبرد نہیں کی۔ یہ میری غلط فہمی تھی۔"

"تم سچ کہتے ہو کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" جانسن نے کہا۔

"خواہ کچھ بھی ہوا ہو' میں تم جیسے دوست کو ضائع نہیں ہونے دوں گا۔ بخدا صبح سے بے حال ہوا جا رہا ہوں۔ اندر آؤ۔ دیکھو ڈیانا بھی یہاں موجود ہے ہم دونوں تمہاری موت پر روتے رہے ہیں۔"

جانسن کمرے میں داخل ہوا تو ڈیانا کو وہاں موجود پایا۔ جانسن کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے سوچا کہ ڈیانا یہاں کیوں آئی ہے۔ کہیں اس نے بھانڈا تو نہیں پھوڑ دیا لیکن مرفی کچھ ایسی بے ساختہ محبت کا اظہار کر رہا تھا کہ جانسن کے شکوک رفع ہو گئے۔ مرفی نے کہا۔

"تمہاری زندگی کے نام پر ہم مل کر شراب پئیں گے۔ میں تمہیں اپنے ہاتھ سے جام پیش کروں گا۔"

مرفی دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس دوران میں جانسن نے ڈیانا سے چند یک باتیں پوچھیں۔ ڈیانا نے اسے یقین دلایا کہ مرفی کو یقین ہو گیا تھا کہ تم نے خودکشی کر لی ہے۔ وہ واقعی افسوس کرتا رہا ہے۔ اتنے میں مرفی ہاتھ میں ٹرے اٹھائے کمرے میں آیا۔ ٹرے میں تین گلاس شراب سے بھرے ہوئے تھے۔ اس نے ایک گلاس اپنے ہاتھ سے جانسن کو دیا۔ ایک گلاس ڈیانا کو اور تیسرا خود لے لیا۔ تینوں نے بیک وقت گلاس منہ سے لگائے اور ایک ہی بار ساری شراب حلق میں انڈیل لی۔

جانسن نے دو سیکنڈ بعد محسوس کیا کہ جیسے کمرہ گھوم رہا ہو۔ پھر اس پر غشی

Pakistanipoint.com

طاری ہو گئی اور اس کا ڈھلک گیا۔ ڈیانا نے مرفی سے کہا۔

"بہت جلدی اثر ہو گیا ہے۔"

مرفی بولا۔ "کتنا اچھا ہوا' کمبخت خود ہی آ گیا ہے ورنہ اسے ڈھونڈنے میں بہت دشواری ہوتی۔ ڈیانا میں تمام عمر تمہارا احسان مند رہوں گا کہ تم نے وقت سے پہلے مجھے ساری بات بتا دی۔"

"بتاتی کیوں نہ۔ تمہیں تو ابھی تک یقین نہیں آیا ہو گا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ جو تیس ہزار پونڈ اس نے اڑائے تھے ان میں سے بیس ہزار پونڈ تو اس نے میرے حوالے کر دیے تھے۔ یہ رقم میں تم کو دے چکی ہوں۔ اسی رقم کے نشے میں یہ مجھے انگلستان سے باہر لے جا رہا تھا۔ بدکار' کہتا تھا کہ تمہارے ساتھ شادی کروں گا مگر مجھے داشتہ بنائے رکھا۔"

"میں جو تم سے شادی کر رہا ہوں ڈیانا۔" مرفی نے اسے پیار سے دیکھا اور پھر بے ہوش جانسن کو دیکھ کر بولا۔ "کام تمام کر دوں؟"

ڈیانا کے اشارے پر اس نے جانسن کی شہ رگ کے دائیں اور بائیں انگلیاں رکھ کر ہوا کی نالیاں بند کر دیں اور جانسن کی نبض کو پکڑے رکھا۔ جانسن کو تڑپنے کا ہوش ہی کہاں تھا۔ تین چار منٹ بعد مرفی نے ڈیانا سے کہا۔

"مر گیا ہے' اب لاش کو ٹھکانے لگانا ہے۔"

"یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ تم نے اسے قتل نہیں کیا ہے۔ اڑتالیس گھنٹے پہلے خودکشی کر چکا ہے۔ اب لندن کے لوگ اس خبر کے منتظر ہیں کہ جانسن کی لاش دریا سے مل گئی ہے۔ اخباروں کی خبر کے مطابق پولیس کا خیال ظاہر کیا ہے کہ اس کی لاش آٹھ دس دن تک دریا سے نکل آئے گی۔"

مرفی نے جانسن کی لاش کو کندھے پر ڈالا اور پچھلے دروازے سے باہر گیا۔ اس کی کار باہر کھڑی تھی۔ اس نے لاش کو کار میں ڈالا اور کار سٹارٹ پھر کار کا رخ دریا کی جانب ہو گیا۔ وہ کوئی ایک گھنٹے بعد واپس آیا۔ ڈیانا

کے انتظار میں بہت پریشان تھی۔ اس نے مرفی کو دیکھا تو بے تابی سے پوچھا۔

"کام ٹھیک رہا۔"

"بالکل ٹھیک۔" مرفی نے مسرت سے بھرپور لہجے میں کہا۔ "لاش کو دریا میں پھینکتے ہوئے مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔"

سات روز بعد پولیس کی طرف سے اخباروں میں خبر آئی کہ جانسن نام کے جس شخص نے فلاں رات پل سے دریا میں کود کر خودکشی کی تھی اس کی لاش طغیانی کم ہو جانے کی وجہ سے فلاں جگہ دریا کے کنارے جھاڑیوں میں اٹکی ہوئی مل گئی۔ لاش کی حالت بہت بری تھی۔ پوسٹ مارٹم کے بعد اسے سرکاری طور پر دفنا دیا گیا ہے کیونکہ اس کا کوئی وارث نہیں تھا۔

چند دنوں بعد مرفی اور ڈیانا نے شادی کر لی۔

☆

PdfStuff.blogspot.com

ظالم ڈاکٹر

وہ ساری زندگی لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتا اور بلیک میلنگ کرتا رہا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ کوئی اس کا جرم پکڑ نہیں سکتا۔ پھر ایک دن اس کا ہنر ہی اس کے گلے کا پھندا بن گیا۔

تھامس نیل کا جنم گلاسکو میں ہوا تھا۔ اس کا باپ معمولی کلرک تھا لیکن تھ بہت محنتی۔ اس کے باوجود اس کی حالت خستہ رہتی تھی۔ آخر اس نے قسمت آزمائی کرنے کے لیے کینیڈا کا رخ کیا کیونکہ وہاں ان دنوں نوآبادیاتی سکیم کے تحت کافی لوگ منتقل ہو رہے تھے۔ وہ اپنے بال بچوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ قسمت نے اس کو عمارتی لکڑی کے کاروبار میں چمکا دیا۔ وہ کچھ عرصے میں مال دار آسامی بن گیا۔ اس کا کاروبار ترقی کرنے لگا۔ اس کا بیٹا سن گرے بھی جوان ہو کر اپنے باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے لگا۔

کچھ عرصہ بعد تھامس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ دکانداری میں اپنی زندگی تبا کر رہا ہے۔ لہٰذا اس کو کوئی الگ لائن اختیار کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس نے میڈیکل کالج میں داخل لے لیا اور ڈاکٹری پڑھنے لگا۔ چونکہ گھر سے آسودہ تھ لہٰذا باپ نے بھی اس کو خرچ کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی۔ پڑھائی کے دوران اس نے شان و شوکت سے زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ اب اس

خرچ باپ سے ملنے والے الاؤنس سے کافی بڑھ چکا تھا جس کی وجہ سے اس نے روپیہ فراہم کرنے کی اسکیمیں سوچنی شروع کر دیں۔ آخر ایک دن اس نے اپنے نجی سامان کا ایک انشورنس کمپنی سے ایک ہزار ڈالر میں آگ کا بیمہ کرایا۔ کچھ عرصے بعد کسی نامعلوم طریقے سے اس کمرے کو آگ لگ گئی۔ کچھ نقصان بھی ہوا۔ تھامس نے ۹۹۸ ڈالر کا کلیم داخل کر دیا لیکن انشورنس کمپنی نے حالات کی تحقیقات کے بعد صرف ۳۵۰ ڈالر دینے منظور کیے جس کو تھامس نے کچھ پس و پیش کے بعد لینا منظور کر لیا۔ دراصل اس آگ سے اس کا نقصان صرف ۲۰ ڈالر کا ہوا تھا لیکن اپنی اسکیم کے مطابق اس نے ادھر ادھر سے سامان رکھا کر یہ کلیم وصول کر لیا۔ اس کے دماغ میں یہ بات واضح طور پر گھر کر گئی کہ اس طرح سے اور روپیہ اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔

۱۸۷۶ء میں تھامس گریجویٹ ہو کر کالج سے نکلا اور اسی سال اس کی آشنائی وہاں کے ایک مال دار آدمی بروک کی لڑکی فلورا بروک سے ہو گئی۔ بروک کا ہوٹل کا کاروبار تھا۔ یہ دوستی کافی حد تک بڑھ گئی۔ اسی سال ستمبر کی چھ تاریخ کو فلورا کی طبیعت بہت خراب ہو گئی۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا اور اس نے جب لڑکی کی حالت دیکھی تو اس نے بروک کو الگ لے جا کر صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ فلورا حاملہ ہو چکی تھی۔ اس کا زبردستی حمل گرایا گیا ہے جس کی وجہ سے اندر زہر پیدا ہو چکا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ وہ بچ جائے۔ یہ سن کر بروک کے سر پر آسمان گر پڑا۔ اس نے لڑکی کو ڈرایا دھمکایا اور آخر سب حالات معلوم کرنے کے بعد وہ ایک پستول لے کر اٹاوہ ہوٹل میں جا کر تھامس سے ملا۔ اس کو صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ یا تو وہ فلورا سے شادی کر لے یا پھر مرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ تھامس موت کو سر پر منڈلاتے دیکھ کر فلورا سے شادی کرنے پر تیار ہو گیا اور ایک ایگریمنٹ کے تحت اس نے گیارہ ستمبر کو فلورا سے شادی کر لی لیکن ساتھ ہی اس نے اعلان کر دیا کہ وہ کل یعنی بارہ ستمبر کو ڈبل گریجوایشن

pdfstuff.blogspot.com

کے لیے جا رہا ہے اس طرح وہ انگلینڈ چلا گیا۔ وہ قسمت کی ماری لڑکی چند ماہ
اسی زہر کے دوبارہ اثر کرنے سے فوت ہو گئی۔ اس کی موت کی اطلاع ملتے
تھامس نے مگرمچھ کے آنسو بہائے اور اپنے سسر کو ایک دردناک چٹھی لکھی ا
ساتھ ہی ایگریمنٹ کے تحت ایک ہزار ڈالر کا کلیم کیا جو کہ صرف دو صد ڈا
لے کر فیصلہ کر دیا گیا۔

انگلینڈ میں اس نے ایڈنبرگ کے کالج سے سرجری اور میڈیسن میں ڈگر
حاصل کرنے کے بعد کینیڈا کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر اونٹاروس میں اپنی پریکٹ
شروع کر دی۔ یہاں ہی اس پر اس کے پہلے قتل کا شبہ ہوا تھا۔ ہوا ایسے کہ ج
ہوٹل میں تھامس کا قیام تھا اس کی ایک گھریلو نوکرانی غسل خانے میں مردہ پا
گئی۔ یہ غسل خانہ تھامس کے رہائشی کمروں کی بغل میں تھا۔ اس کی لاش
پاس ایک بوتل کلوروفارم کی پائی گئی۔ اس کے چہرے پر جلنے کے نشان تھے ج
سے معلوم ہوتا تھا کہ اس لڑکی کو کلوروفارم زبردستی کافی مقدار میں سنگھایا
ہے۔ پولیس نے تحقیقات کی تو اس کو صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ یہ ملازمہ
تھامس کے کمرے میں کافی عرصے تک جاتی رہی ہے اور پوسٹ مارٹم سے معلو
ہوا کہ اس کا حمل گرایا گیا ہے لیکن پولیس ثابت نہ کر سکی کہ تھامس کا اس
ہاتھ ہے بلکہ تھامس نے اس مقدمے میں شہادت دی کہ اس ملازمہ نے اسے
تھا کہ اس کے فلاں سوداگر سے ناجائز تعلقات کی وجہ سے حمل ٹھہرا ہے لیکن
اب وہ اس الزام سے کنارہ کشی کر رہا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس مال
نے چھٹکارا پانے کے لیے لڑکی کو قتل کر دیا ہے۔ اس سوداگر کو بلایا گیا اس
اس الزام سے قطعی انکار کیا بلکہ چٹھیاں بھی پیش کیں جن میں اس کو بلیک
کیا گیا تھا۔ اس کے بعد تھامس وہاں نہ رہ سکا کیونکہ لوگ اس کے خلاف ہو
تھے۔ وہ وہاں سے امریکہ چلا گیا۔

شکاگو میں اس نے نئے سرے سے پریکٹس شروع کی اور جلد ہی کچھ حلقہ

میں وہ ناجائز حمل گرانے کا ماہر جانا جانے لگا۔ ایک بار پھر وہ وہاں مصیبت میں
پھنس گیا۔ اس کو ایک کینیڈین لڑکی جولیا کے قتل میں الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔
اس کا حمل گرا دیا گیا تھا۔ اس دوران وہ چل بسی۔ لیکن کافی ٹھوس ثبوت نہ
ملنے کی وجہ سے وہ چھوڑ دیا گیا۔ اس کے ٹھیک تین ماہ بعد ایک اور لڑکی مس
شاک چل بسی۔ وہ بھی تھامس کے ایک نسخہ کی دوا استعمال کرنے کی وجہ سے
فوت ہو گئی تھی۔ یہاں بھی اس نے بلیک میل کا پرانا نسخہ آزمانا چاہا۔ اس نے
ایک کیمسٹ فرینک کو ایک چٹھی لکھی کہ چونکہ تم نے اس نسخہ کی دوا تیار کی
تھی جس کے استعمال سے مس شاک چل بسی ہے اور مجھے شبہ ہے کہ تم نے کسی
خاص وجہ سے اس دوا میں زہر ملا دیا تھا۔ اگر تم مجھے بیس ہزار ڈالر نہ دو گے تو
میں مع ثبوت کے پوری اطلاع پولیس کو دے دوں گا۔ فرینک قسمت کا دھنی
نکلا' ابھی اس نے کچھ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اس دوران تھامس ایک شخص ڈیتیل
کے قتل کے الزام میں گرفتار ہو گیا۔

امریکہ میں اس نے اپنی ناجائز پریکٹس کے ساتھ اخباروں میں بڑے
زوروشور کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ اس نے مرگی کے مریضوں کے
لیے ایک نہایت بہترین مکسچر ایجاد کیا ہے جس کے استعمال سے مرض ہمیشہ کے
لیے دور ہو جاتا ہے۔ اس اشتہار کو پڑھ کر ڈیتیل جو کہ ایک مالدار آدمی تھا اور
ساتھ ہی عرصہ سے مرگی کا مریض بھی تھا' اس نے بجائے خط و کتابت کرنے کے
اپنی نوجوان خوبصورت بیوی کو ڈاکٹر تھامس کے پاس دوا لینے کے لیے بھیجا۔ بس
یوں سمجھ لیجئے کہ اس وقت سے اس کی موت کا پیغام آ چکا تھا کیونکہ ڈیتیل کی عمر
۶۱ سال تھی اور اس کی خوبصورت بیوی کی عمر صرف ۳۵ سال تھی۔ صرف پیسے
کے لالچ میں یہ بے جوڑ شادی ہوئی تھی۔ ادھر ڈاکٹر تھامس بھی ۳۱ سال کا تھا
لہٰذا محبت کی پینگیں بڑھنی شروع ہو گئیں۔ چنانچہ کو جولیا شاب کو ڈاکٹر تھامس
نے ایک نسخہ لکھ کر دیا کہ پڑوس کے کیمسٹ سے تیار کرا کے لے آئے۔ وہ دوا

PdfStuff.blogspot.com

بنوا کر تھامس کے کمرے میں واپس آئی۔ ڈاکٹر نے اس کمپچر میں ایک پوڈر ملا کر دیا جس کے پینے سے بیس منٹ بعد ڈینیل شاب فوت ہو گیا لیکن کسی کو شبہ نہ ہوا بلکہ شاب کے فیملی ڈاکٹر نے یہ سمجھ کر موت مرگی کا زبردست دورہ پڑنے کی وجہ سے ہوئی ہے' موت کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ سب معاملہ رفع دفع ہو گیا اور شاب دفنا دیا گیا۔

لیکن تھامس کے اندر ایک غرور تھا کہ وہ جرم کرتا تھا اور ڈنکے کی چوٹ سے کرتا تھا اور آج تک کوئی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا لہٰذا اس نے کاؤنٹی کے کارونر کو لکھا کہ شاب کی موت کیمسٹ کی غلطی سے ہوئی ہے اور مجھے شبہ ہے کہ اس نے میرے نسخے کے مطابق دوا تیار نہیں کی بلکہ اس کمپچر میں اندازے سے زیادہ سٹرکینار ایک خطرناک زہر ملایا ہے لہٰذا شاب کا جسم قبر سے باہر نکالا جائے اور اس کا پوسٹ مارٹم کیا جائے۔ دوسری طرف اس نے جولیا شاب سے منظوری لے کر اس کیمسٹ کے خلاف زہرخوانی کے الزام میں ایک بڑی رقم کے معاوضہ کی نالش کر دی۔

ادھر کارونر نے اس کی چٹھی پر کوئی توجہ نہ دی جس پر تھامس نے ڈسٹرکٹ اٹارنی کو لکھا اور اس نے فوراً" پولیس کی مدد سے لاش کو قبر سے نکلوایا اور اس کا پوسٹ مارٹم کیا گیا جس پر معلوم ہوا کہ اس کے معدے میں چار گرین سٹرکینا ہے۔ اس پر کارونر نے اس کو قتل کا کیس ظاہر کیا۔

کچھ نامعلوم وجوہ کی بنا پر ڈاکٹر تھامس نے نہ تو کارونر کے فیصلہ کا انتظار کیا اور نہ ہی کیمسٹ کے خلاف چلائے گئے مقدمے کے نتیجے کا انتظار کیا۔ وہ پوسٹ مارٹم ہونے سے پہلے ہی کینیڈا بھاگ گیا لیکن وہاں ونڈسر کے نزدیک کچھ دنوں کے بعد شکاگو پولیس کے ایما پر گرفتار کر لیا اور شکاگو واپس لایا گیا اور اس پر قتل کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ جولیا بھی گرفتار ہو گئی لیکن بعد میں اس کو چھوڑ دیا گیا اور تھامس کو الزام ثابت ہونے پر عمر قید کی سزا دے دی گئی۔ جیل میں

اچھی کارگزاری کی وجہ سے وہ جلد ہی رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد وہ کینیڈا پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس کی غیرحاضری میں اس کا باپ فوت ہو چکا ہے۔ ماں پہلے ہی مر چکی تھی لہٰذا وہ پوری جائداد کا مالک بن گیا۔ اس نے کچھ عرصہ بعد سیر کی ٹھانی لہٰذا وہ انگلینڈ کے لیے روانہ ہو گیا۔

تھامس لور پول پہنچا اور اس کو ایک فلیٹ تھامس ہسپتال کے پاس کرائے پر مل گیا اور اس نے مکس وامیکا ایک زہر خریدا اور اس کے رجسٹر پر ڈاکٹر تھامس نیل ایم ڈی کے دستخط کیے اور اپنا پتہ نئے فلیٹ کا دے دیا۔ دو دن کے بعد اس نے کیمسٹ سے خالی کیپسول لیے جو دوا بھرنے کے کام آتے ہیں۔

جس شام کو تھامس لندن پہنچا اس کی ملاقات الزبتھ نام کی لڑکی سے ہوئی۔ اس کے ساتھ اس نے ایک ہوٹل میں شراب پی اور بعد اس کے ساتھ اس لڑکی کے کمرے میں جو ہرکولیس روڈ پر واقع تھا' گیا۔ وہاں اس نے بتایا کہ وہ انگلینڈ اپنی صحت بحال کرنے آیا ہے۔ اس کے بعد وہ ایک بار میں گئے۔ وہاں ایک اور لڑکی کیتھ ان کے ساتھ شامل ہو گئی جو الزبتھ کی جان پہچان کی تھی۔ وہاں سب نے اکٹھی شراب پی اور تھامس الزبتھ ماسٹر سے وعدہ کرنے کے بعد کہ وہ اس سے پھر ملے گا' چلا گیا۔

دو دن کے بعد الزبتھ کو تھامس کی چٹھی ملی کہ وہ شام تین بجے اس کی ملاقات کے لیے اس کے کمرے میں آ رہا ہے۔ اس نے وہ خط اپنی سہیلی کیتھ کو دکھایا اور دونوں اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھ کر تھامس کا انتظار کرنے لگیں۔ وہ کھڑکی سڑک کی طرف کھلتی تھی لیکن وہ اپنے وعدے کے مطابق نہیں آیا اور وہ دونوں وہاں بیٹھی اس کا انتظار کرتی رہیں۔ کوئی پانچ بجے کے قریب انہوں نے دیکھا کہ تھامس ایک اور لڑکی کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ وہ لڑکی میلڈا مکان آگے سامنے والی لائن میں رہتی تھی۔ دونوں اس مکان میں داخل ہو گئے اور باہر کا دروازہ بند ہو گیا۔ وہ دونوں دیکھتی رہیں۔ کوئی بیس منٹ بعد ڈاکٹر

Pdfstuff.blogspot.com

تھامس اس مکان سے اکیلا باہر نکلا اور صبح کو معلوم ہوا کہ میلڈا بے ہوشی میں فوت ہو گئی ہے۔ اسی رات اس کو دفنا دیا گیا اور اس طرح تھامس ایک اور قتل سے صاف بچ گیا لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر کو چین نہ آیا اور اس نے اس زمانے کے مشہور ڈاکٹر ولیم ہنری کو ایک چٹھی لکھی کہ اس کے پاس ثبوت ہیں کہ اس نے ایک تجربے کے سلسلے میں مس کوور کو قتل کیا ہے لہٰذا اس نے اگر اس کو پچیس ہزار پونڈ ادا نہ کیے تو وہ اس کی اطلاع مع ثبوت کے پولیس کو مہیا کر دے گا اور ساتھ ہی اس نے یہ تجویز پیش کی کہ اگر ڈاکٹر روپیہ ادا کرنا چاہے تو ڈیانا کرانیکل میں ایک اشتہار کے ذریعے اطلاع دے۔ اس چٹھی کے نیچے میلون کے دستخط تھے لیکن نامعلوم تھامس نے دوبارہ اس معاملے میں ڈاکٹر ولیم سے کسی قسم کی خط و کتابت کیوں نہیں کی' حالانکہ ڈاکٹر ہنری نے وہ چٹھی پولیس کو دے دی تھی لیکن پولیس نے اس سلسلہ میں کوئی ایکشن نہ لیا۔

اب ڈاکٹر تھامس کے دماغ میں صرف عورت' قتل اور پیسہ گھوم رہے تھے۔ اس نے مکان بدل کر نومیا روڈ پر اپنا پہلا مکان کرائے پر لیا۔ اس مکان میں ایک معزز خاتون اور اس کی لڑکی صوفیہ رہتی تھی جو اس کی پہلے سے واقف تھیں۔

دو جوان لڑکیاں انیس مارشل اور ایملی شرول جو کہ کال گرل تھیں' کی لاشیں پولیس کو سٹریٹ فورڈ روڈ کے ایک مکان کے دو کمروں میں ملیں۔ رات کو دو بجے کے قریب اسی تاریخ کو ایک پولیس کانسٹیبل نے جو کہ گشت پر تھا' دیکھا کہ مکان ہذا کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر نکلا۔ دروازے میں ایک لڑکی کھڑی اس کو الوداع کہہ رہی تھی۔ اس آدمی کا حلیہ کانسٹیبل کے دماغ میں بیٹھ گیا۔ وہ ایک لمبا آدمی تھا۔ کالا کوٹ اور سفید سلک کا ہیٹ پہنے تھا اور آنکھوں پر چشمہ لگائے ہوئے تھے۔ قریباً" پون گھنٹے بعد وہی کانسٹیبل دوبارہ اسی مکان کے آگے سے گزرا تو ایک پولیس گاڑی وہاں دروازے پر کھڑی تھی اور ایک پولیس

سارجنٹ اس سے اتر کر مکان میں گیا۔ وہ کانسٹیبل بھی وہاں رک گیا۔

معلوم ہوا کہ انیس مارشل اور ایملی شرول بے ہوشی کی حالت میں ہیں۔ دونوں کو پولیس کی گاڑی میں ڈال کر ہسپتال روانہ کر دیا گیا۔ انیس مارشل تو رستے میں ہی دم توڑ گئی۔ اس نے اپنے نزعی بیان میں لکھوایا کہ میں اور میری سہیلی ایلس ایک آدمی کی واقف کار تھیں۔ وہ اپنے آپ کو ڈاکٹر کہتا تھا اور اپنا نام فریڈرک بتاتا تھا۔ لمبا اوور کوٹ اور سلک کا ہیٹ پہنے ہوئے تھا۔ یہ حلیہ اس آدمی سے ملتا تھا جسے کانسٹیبل نے اس مکان سے نکلتے دیکھا تھا۔ ایملی نے بتایا کہ ہم سب نے مکان میں آ کر کھانا کھایا اور شراب پی۔ ڈاکٹر نے ہم کو تین چھوٹی گولیاں یہ کہہ کر دیں کہ یہ طاقت کی گولیاں ہیں۔ اس کے کوئی پون گھنٹہ بعد ہمارے جسم میں چھریاں چلنے لگیں اور ہم زمین پر گر کر تڑپنے لگیں۔ ان کا پوسٹ مارٹم کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کو سٹرکینا زہر دیا گیا ہے۔

اب پولیس بڑے زوروں سے مصروف تفتیش ہو گئی۔ پچھلے سب قتل کے ریکارڈ مرتب کیے گئے اور انسپکٹر ہارولے نے میلڈا کی لاش قبر سے نکلوائی۔ پوسٹ مارٹم کرنے سے اس کے معدے سے بھی سٹرکینا زہر برآمد ہوا۔ سکاٹ لینڈ کے انسپکٹر میک ٹائر کو یہ کیس سونپا گیا اور آپ یہ جان کر حیران ہو جائیں گے کہ اس کیس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں انسپکٹر میک ٹائر کو بہت سی اطلاعات ڈاکٹر تھامس سے موصول ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر تھامس کتنے دل گردے کا آدمی تھا۔

انسپکٹر ڈاکٹر تھامس سے ملا اور اس سے معلوم ہوا کہ میری خط و کتابت ان مرحوم لڑکیوں سے ہوئی ہے اور ان لڑکیوں کو میں نے صاف لفظوں میں انتباہ کیا تھا کہ وہ ڈاکٹر ہارپر سے بچ کر رہیں کیونکہ اس کے دماغ کا پیچ ڈھیلا ہے۔ اس نے وہ خط و کتابت بھی انسپکٹر کو دکھا دی۔ جب انسپکٹر نے دریافت کیا کہ اس کا ان لڑکیوں سے کیا تعلق تھا تو ڈاکٹر تھامس نے جواب دیا کہ چونکہ ڈاکٹر ہارپر اس

pakistanipoint.com

کے ساتھ رہتا تھا اور وہ لڑکیاں اس کے پاس آتی جاتی تھیں اس لیے ان کی واقفیت ہو گئی تھی۔

اس کے بعد کانسٹیبل نے ڈاکٹر تھامس کی ایک میوزک ہال کے باہر شناخت کی اور کہا۔

"یہ وہی آدمی ہے جو ایلس مارشل اور ایملی شرول کے مکان سے نکلا تھا۔"

سکاٹ لینڈ یارڈ کے انسپکٹر ٹائر نے ڈاکٹر تھامس کے گرد پھندا کسنا شروع کیا۔ اسی دوران میں ڈاکٹر تھامس اپنے مکان کی مالکہ کی لڑکی صوفیہ سے ایک چٹھی کارونر کو لکھوائی کہ دونوں لڑکیوں کا قاتل ڈاکٹر ہارپر ہے۔ انسپکٹر میک ٹائر نے ڈاکٹر تھامس سے دوبارہ ملاقات کی۔ ڈاکٹر نے اس کو اپنا میڈیسن بکس دکھایا اور بتایا کہ پولیس کا پیچھا کرنے سے وہ آرڈر بک نہیں کر سکتا۔ میرے پاس سٹرکینا پلز کی نیویارک کی ایجنسی ہے۔ اسے وہ کیمسٹوں اور رجسٹرڈ میڈیکل پریکٹشنروں کے پاس فروخت کرتا ہے۔

اسی دوران ڈاکٹر ہارپر جو ڈاکٹر تھامس کے پاس رہتا تھا' لندن سے باہر اپنے باپ ڈاکٹر جوزف ہارپر کے پاس چلا گیا۔ وہاں ڈاکٹر ہارپر کو ایک چٹھی ڈبلیو ایم مورلے کی طرف سے موصول ہوئی کہ اس کے پاس اس بات کے ثبوت ہیں کہ تم نے ایلس اور ایملی کو قتل کیا ہے۔ اگر تم نے مجھے ایک ہفتہ میں فلاں پتے پر پندرہ سو پونڈ نہ دیے تو مع ثبوت کے کیس پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ یہ چٹھی ڈاکٹر ہارپر نے انسپکٹر میک ٹائر کو دکھائی۔ آخر طے یہ ہوا کہ اس بلیک میلر مسٹر مورے کو رنگے ہاتھوں پکڑا جائے اس طرح سے یہ روپے لیتے ہی ڈاکٹر تھامس پکڑا گیا۔

جب ایک بار پنچھی دام میں آ گیا تو پر کترنے میں کیا دیر تھی۔ گواہوں کا طوفان پیدا ہو گیا۔ کانسٹیبل کملے اور دونوں لڑکیاں الزبتھ اور کیتھ نے اسے

شناخت کر لیا اور ان کے بیان ہوئے۔ میلڈا کلوور کی پوسٹ مارٹم رپورٹ پیش کی گئی۔ ایملی اور ایلس کے قتل کی ذمہ داری بھی ڈاکٹر تھامس پر ڈال دی گئی۔ اس پر قتل کا الزام ثابت ہو گیا اور اسے موت کی سزا سنا دی گئی۔

☆

PdfStuff.blogspot.com

ممی کا راز

اس حنوط شدہ ممی کے مالک کا دعویٰ تھا کہ اس ممی کی روح اس کے لئے دولت کی کان ہے۔ اس کا دعویٰ غلط بھی نہ تھا۔ پھر ایک رقیب نے اس ممی کو چرا لیا اور ----

---

ڈیمور نے اپنی بہترین کوششوں کو بروئے کار لا کر آخر کار اس نئے آ۔ والے جوڑے سے راہ رسم پیدا کر ہی لیا تھا جو پچھلے دنوں اس کے ساتھ وا۔ فلیٹ میں آئے تھے اور ان کوششوں کے نتیجے میں انہوں نے اسے آج رات ڈ پر مدعو کر لیا تھا۔

جب وہ ان کے ہاں پہنچا تو سنجیدہ مزاج پڑوسی مسٹر مارش نے اسے خوش آمدید کہا تو ڈیمور کو سخت مایوسی ہوئی۔ کمرے میں برقی قمقموں کی جگہ موم بتیاں روشن تھیں۔ آتش دان میں آگ روشن نہ ہونے کی وجہ سے کمرے میں سردی کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا لیکن جب مسز مارش نے اپنی خوبصورت مسکراہٹ کا نذرانہ اسے پیش کیا تو اس نے قدرے تسکین محسوس کی اور اطمینان سے بیٹھ گیا۔

"آپ نے مل بیٹھنے کا جو موقع فراہم کیا ہے اس سے میری عزت افزائی ہوئی ہے۔ میں شاید آپ کے نئے مکان میں داخل ہونے والا پہلا مہمان ہوں۔"

س نے آہستہ سے کہا۔

"یہ درست ہے کہ آپ واقعی ہمارے اولین مہمان ہیں۔" مارش نے راگرمجوشی دکھائی۔

ڈیمور کو اپنے پڑوسیوں کو قریب سے جائزہ لینے کا پہلا موقعہ ملا تھا۔ انہوں نے صرف ایک ماہ پہلے یہ مکان خریدا تھا اور اس میں صرف دونوں میاں بیوی تنہائی کی زندگی گزار رہے تھے۔ انہوں نے نہ تو کسی گھریلو ملازم کی خدمات حاصل کی تھیں اور نہ ہی ان کے دوست احباب ان سے ملاقات کے لیے آئے تھے۔ وہ گھر سے باہر شاذ ہی نکلتے تھے۔ اور انہیں جب کبھی گھر سے باہر نکلنا ہوتا وہ صرف اندھیرے میں نکلتے اور اپنی لمبی چوڑی انتہائی آرام دہ بیوک میں بیٹھ کر چپ چاپ باہر نکل جاتے۔ ڈیمور نے ان سے مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے گفتگو کی ابتدا کی اور کہا۔

"مجھے اس کمرے میں ایک بیش قیمت خوشنما مصری گلدان دیکھنے کا موقع ملا ہے' کیا میں یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ نے مشرق وسطیٰ کی سیر کی ہے۔"

"میں نے کچھ عرصہ قبل بعض کاروباری مصروفیات کے تحت قاہرہ کی سیر کی تھی۔" مارش نے جواب دیا۔

ڈیمور نے مارش کے چہرے پر نظریں گاڑ کر سوال کیا۔ "کیا میں یہ جاننے کی سعادت حاصل کر سکتا ہوں کہ آپ کا کاروبار کیا ہے؟"

مارش کے چہرے پر ایک لمحہ کے لیے ناگواری کے تاثرات ابھرے۔ اس نے پہلو بدلا تو کرسی بھی چرچرائی اور وہ بولا۔

"آپ شاید حیران ہوں مگر میں یہ تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ میں ایک ایسا کھلاڑی ہوں جو گھوڑوں کی دوڑ پر شرط لگایا کرتا ہے اور ریس کورس میں اپنی قسمت آزمانے کا شائق ہے۔" مارش نے صاف گوئی کے انداز میں کہا۔

Pdfstuff.blogspot.com

ڈیمور کے جھریوں بھرے چہرے پر واقعی حیرت رقص کرنے لگی۔ ما
نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں' میں قمار باز نہیں ہوں۔ میں ر
کورس میں روپیہ ضائع کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تو کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن
مستقبل کی باتوں سے واقف ہونے کی پراسرار طاقت ہوتی ہے۔" ڈیمور نے
ساختہ کہا۔

ڈرائنگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ ملحقہ کمرے سے گھڑی کی ٹک ٹک
دینے لگی۔ مارش نے محسوس کیا کہ میری نے اپنی سرد بھوری آنکھیں اس
چہرے پر گاڑ رکھی ہیں۔ اس نے پراسرار آواز میں بولنا شروع کیا۔

"میری خوش نصیبی کی ابتدا تین ہزار سال پہلے مصر میں ہوئی تھی۔ یہ
زمانے کا ذکر ہے جب فرعون اتابوس نے شمالی قبائل پر حملے کیے اور فتوحا
حاصل کیں۔ وہ ایک بیٹی کا باپ تھا اور اپنی بیٹی کو اپنے بیٹوں کی نسبت
زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ وہ شیر کے شکار کے لیے روانہ ہوتا تو اس کی بیٹی شہزا
کیسہ اس کے ساتھ ہوتی۔ جب فرعون میدان جنگ میں فوجوں کی کمان
فرائض انجام دیتا تو اس کی بیٹی نوجوانوں سے چار قدم آگے بڑھ کر دشمن پر
آور ہوتی۔ لوگوں کی رائے تھی کی فرعون کی بیٹی کو دیوتاؤں نے بھیجا ہے اور
مصر کے لیے مسرتوں کے پیغام لائی ہے۔ اب تک فرعون کو ایک بھی ایسی جنگ
میں شکست نہ ہوئی تھی جس میں شہزادی موجود تھی۔ لوگ اسے فرعون کی خو
بختی کی علامت قرار دیتے تھے۔ اتفاقاً" شہزادی رتھ سے گری اور مر گئی۔
مارش نے قدرے توقف کے بعد اپنی گفتگو جاری رکھی۔

"شہزادی کی موت فرعون کے زوال کا پیش خیمہ بن گئی۔ فتوحات شکست
میں بدل گئیں اور فرعون کے جاہ و جلال میں کمی واقع ہوتی گئی اور آخر کار ج

فرعون کی بدبختی بڑھ گئی تو اس نے شہزادی کی حنوط شدہ ممی کو اپنے رتھ کے
ساتھ باندھ لیا اور ایک بار پھر فرعون کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ روایتوں
میں کہا گیا ہے کہ شہزادی کیسہ نے فراعنہ مصر کی امداد کا جو سلسلہ جاری کیا تھا
وہ طویل عرصہ تک قائم رہا حتیٰ کہ ساتویں صدی میں شہزادی کی ممی نہایت
پراسرار طریقے سے غائب ہو گئی اور جب میں گمشدہ شہزادی کا کھوج لگانے کے
لیے قاہرہ گیا تو کامیابی میرے ہمرکاب تھی۔"

"کیا آپ اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے؟"

"یقیناً" وہ اس وقت بھی میرے مطالعہ کے کمرے میں محو خواب ہے۔"

"اور --- کیا وہ اب بھی انہی خصوصیات کی حامل ہے؟"

میزبان نے مسکرا کر اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے قیمتی مال و اسباب کی
طرف اشارہ کیا اور کہا۔

"میں نے قاہرہ سے روانہ ہو کر پیرس میں قدم رکھا تو میری جیب میں
پوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔"

"کیا آپ مہربانی فرما کر مجھے اسے ایک نظر دیکھنے کا موقع دیں گے۔" ڈیمور
نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا۔

مارش نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں شرمندہ ہوں کیونکہ شہزادی
کو جب بھی کسی اجنبی نے دیکھا ہے اسے سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور
میں آپ کو مشکلات میں گھرا ہوا دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

اس رات ڈیمور کی نیند تو حرام ہی ہو گئی اور وہ بعد کے کئی ہفتے شہزادی
کیسہ کے خیال میں غرق رہا۔ حسد اور طمع سے وہ انگاروں پر لوٹتا رہا۔ اسے یہ
خیال بار بار آ کر بے چین کر دیتا تھا کہ وہ جس وقت اپنی بنک کی ملازمت کے
دوران جمع تفریق میں سر کھپاتا رہا اس وقت مارش بڑے مزے سے اپنے قیمتی
آرام دہ گرم بستر میں گھس کر لطف اندوز ہو رہا ہوتا تھا۔ پھر وہ پیدل ہی گھر

Pdfstuff.blogspot.com

لوٹنے پر مجبور تھا لیکن مارش اپنی بالکل نئی بیوک کار میں سیر کر رہا ہو
ڈیمور نے کافی غور و فکر کے بعد مارش کی خوشیوں میں حصہ دار بننے کا ار
لیا۔

"میں مصری شہزادی کا قرب حاصل کر کے رہوں گا۔" ڈیمور نے خ
کہا۔

وہ جس موقع کا منتظر تھا وہ جلدی میسر آ گیا۔ اس کے پڑوسی سیاح
ارادے سے چند روز کے لیے باہر چلے گئے۔ چاند بادلوں کی اوٹ میں ت
ڈیمور نے مقفل دروازہ کھولنے میں کامیابی حاصل کر لی اور مکان میں دا
گیا۔ اس نے بیٹری کی زرد روشنی میں مطالعہ کے کمرے کا جائزہ لیا تو د
الماریوں میں کتابیں سجی ہوئی تھیں۔ دیواروں پر مارشوروں کی کھالیں او
سر آویزاں تھے۔ جلد ہی س نے ایک چھوٹے سے چوبی کیس میں مصری
کا چہرہ دیکھا۔ ایک لمحہ کے لیے اسے محسوس ہوا جیسے موت کی اس پرانی
کے پیچھے سے دو آنکھیں اسے نفرت سے گھور رہی ہیں۔ دوسرے دن ڈیم
کچھ روپیہ جولی گھوڑی پر لگا دیا۔ جولی نے دوڑ جیت لی۔ زندہ باد میری
شہزادی۔ اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

"یہ تمہارے قرب کا اعجاز ہے' اب کس پر داؤ لگاؤں۔" اس نے
بک میکر کے بورڈ پر نظر ڈالی۔

"ولیم' یہ گھوڑا جیتا' کوئین' یہ گھوڑی بھی جیت گئی۔"

اور جب اس نے جیت کی کثیر رقم وصول کر لی تو اس نے ایک بار
بھر کر شہزادی کیسہ کی تعریف کی مگر جلد ہی پانسہ پلٹ گیا۔ اگلی دوڑ میں
گھوڑا پٹ گیا اور اس سے اگلی دوڑ بھی وہ ہار گیا اور پھر اس سے اگلی
وہ جیتنے سے قاصر رہا۔

ہفتے کی سہ پہر ڈیمور پھر ریس کورس پہنچا تو اس کی جیب میں بنک

ہزار روپے تھے جو اس نے بڑا خطرہ مول لے کر چوری چھپے بنک کے کیش سے
حاصل کیے تھے۔ مارش اور مسز مارش اس روز اپنے گھر واپس آ رہے تھے اور
ن کی آمد سے قبل ضروری تھا کہ ممی کو اس کی سابقہ جگہ پر پہنچا دیا جائے۔
یور نے اس آخری موقعہ پر اپنے نقصانات پورے کرنے کے لیے بڑا خطرہ
ول لیا تھا۔ گو وہ متفکر تھا لیکن وہ ایک بکی سے دوسرے بکی تک بھاگ رہا تھا۔
بھی رقم لگانے کے لیے اور کبھی جیت کی رقم وصول کرنے کے لیے۔ اس نے
یک نامی گھوڑے کو منتخب کیا اور دو ہزار روپے داؤ پر لگا دیے۔

جیک نے دوڑ جیت لی اور پھر وہ سہراب پر کھیلا اور جیت گیا۔ تیسری دوڑ
ں اس نے اپنی قسمت جارج سے وابستہ کی اور جارج بھی کامیاب رہا۔

"میں تمہارا شکرگزار ہوں میری پیاری شہزادی کیسہ۔ تم نے مجھے از سر نو
ندہ کر دیا ہے۔" وہ گھر کی طرف لوٹتے ہوئے بڑبڑایا۔ اس کی جیب میں اب
ب کے دو ہزار روپے کے ساتھ اس کی اپنی جیتی ہوئی خاصی بڑی رقم بھی
ں۔ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جب وہ اپنے فلیٹ کے قریب آ گیا تو وہ بنک سے
سکائے ہوئے روپوں کے سلسلہ میں فکر مند اور سہما ہوا سا دروازے کی طرف
نا رہا۔ وہ چوراہے پر پہنچا تو دیکھا کہ پولیس کی گاڑی اس کے گھر کی طرف گھوم
ی ہے۔

"نہیں نہیں' ناممکن' بنک والے اس قدر جلد غبن سے واقف نہیں ہو
سکتے۔" وہ خوفزدہ ہو گیا۔

وہ مڑا اور گھوم کر پچھلی گلی میں آ گیا اور اپنے مکان کے عقبی دروازے
سے داخل ہو گیا۔

"بنت فرعون۔" اس نے روہانسی آواز میں شہزادی کیسہ کو پاؤں کی ٹھوکر
لگاتے ہوئے کہا۔ "تم ایک فراڈ ہو' نری فراڈ۔"

وہ کھڑکی میں کھڑا ہو کر باہر جھانکنے لگا۔ بازار کے دھندلے میں کسی کے

PdfStuff.blogspot.com

سگریٹ سلگانے سے شعلہ سا چمکا۔ ایک آدمی نے برساتی کوٹ کی آڑ میں اپنا
چھپا رکھا تھا۔ پھر اس نے پولیس کے سپاہیوں کی آہنی ٹوپیوں کی چمک دیکھی۔

اس نے سوچا میں مکمل طور پر بازی ہار چکا ہوں۔ میں اپنی برسوں کی
دیانت اور ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوں۔ میں مجرم ہوں۔ اب جیل میں
منتظر ہے۔ اس نے دوبارہ بازار کا جائزہ لیا تو اسے محسوس ہوا کہ پولیس
سپاہی چوک پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں کیونکہ وہ چوک کی طرف سے اس کی
کے منتظر تھے۔ یہ بہترین موقع تھا جب وہ سپاہیوں کی نظروں سے بچ کر ممی کا
کیس پڑوس کے مکان میں سابقہ جگہ پر رکھ سکتا تھا۔

تاریکی میں مزید کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد مسٹر مارش کی بیش قی
نئی بیوک نے ایونیو کے موڑ کو کاٹا۔ مارش کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تو بر
میں اپنے چہرے کو چھپائے ہوئے انسپکٹر نے اسے گھیر لیا۔

"شام بخیر۔" انسپکٹر نے خوش اخلاقی سے کہا۔ "میں امید کرتا ہوں کہ
گزشتہ دسمبر کی ایک ڈکیتی کی واردات میں ہماری مدد فرمائیں گے۔ اجازت
ہم آپ کے مکان میں چلیں۔"

مسز مارش اپنے خاوند سے علیحدہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ مارش نے کانپتے ہ
دروازہ کھولا تو اس کے چہرے پر زردی رقصاں تھی۔ کمرے میں داخل ہ
جیسے ہی اس نے سوئچ دبایا اور کمرہ روشن ہوا تو سب نے ایک عجیب منظر د
کمرے کے عین درمیان خوفزدہ ڈیمور کھڑا تھا اور ممی کا چوبی کیس اس کے
میں تھا۔ وہ زور زور سے چلانے لگا۔

"میں بنک کا سارا روپیہ لوٹا دوں گا۔ خدارا مجھے ایک موقع عنا
فرمائیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس واقعے سے قبل میں نے کبھی غبن
کیا۔ دراصل قصور وار یہ آدمی ہے۔" ڈیمور نے مارش کی طرف ہاتھ اٹ
ہوئے کہا۔ ""اس کا قصور اور اس کے قصور میں اس کی یہ شہزادی بھی ش

لو سنبھالو اپنی شہزادی کو --- فریبی شہزادی کو۔"

اور ڈیمور نے اپنے پاگل پن میں حنوط شدہ ممی کے چوبی کیس کو پوری
ت سے فرش پر پٹخ دیا۔ بکس فرش سے ٹکرایا اور وہ ٹوٹ پھوٹ گیا اور اس
ٹوٹتے ہی حاضرین پر کاغذ کے ٹکڑوں کا مینہ برسنے لگا۔

ڈیمور نے اپنے پاگل پن میں کاغذوں سے مٹھی بھر لی اور ایک سرد آہ
تے ہوئے دیکھا تو یہ نوٹ تھے --- ان گنت ہزار ہزار کے نوٹ۔ اس رقم
ہزارہا گنا زائد جو اس نے گھوڑوں پر لگائی تھی' ہاری تھی اور پھر جیت گیا
مصری ممی کے ٹوٹے ہوئے بکس سے برآمد ہو کر ہزار کے نوٹ سارے
ے میں پھیل گئے تھے۔

انسپکٹر کو اور کیا چاہئے تھا۔ اسے ڈکیتی کی ساری رقم مل چکی تھی۔ اتنی
کامیابی اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی۔ مجرم بھی پاس ہی کھڑا تھا۔
نے ڈیمور کی الٹ پلٹ باتوں پر کوئی توجہ نہ دی اور آگے بڑھ کر مارش اور
مارش کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔ پھر وہ ڈیمور کا شکریہ ادا کر رہا تھا
کی وجہ سے اسے لوٹی ہوئی رقم مل گئی تھی۔

☆

PdfStuff.blogspot.com

سانپ کا تحفہ

ایک سانپ نے اسے اپنی سلطنت واپس لینے کے لئے استعمال کیا اور عوض میں اسے ایک تحفہ دیا۔ جب وہ اپنی دنیا واپس میں آیا تو اسے پتہ چلا کہ وہ صدیوں بعد لوٹا ہے۔ ہر شے بدل چکی تھی سوائے اس کے۔

لڑکیاں بری طرح سہمی ہوئی تھیں۔ کئی منٹ تک تو ان کے حواس بحال ہوئے پھر اس بدبخت ٹرک والے کو کوسنے دیے جانے لگے جس نے ان زندگیاں لینے کی کوشش کی تھی۔ اچھی خاصی اپنے راستے پر آ رہی تھیں کہ ذلیل پیچھے سے شور مچاتا ہوا آیا اور اگر خانزادی اسٹیرنگ کاٹ کر گاڑی سے نیچے نہ اتار دیتی تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔ ٹرک والے نے تو رک کر دیکھنے زحمت بھی نہیں کی تھی کہ ان لوگوں کا کیا حشر ہوا۔

"اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شہر سے باہر نکلتے وقت ڈرائیور کو ضرور رکھنا چاہئے' خواہ اسے ڈکی میں ہی کیوں نہ رکھ لو۔" شمع نے بڑی بوڑھیوں انداز میں کہا۔

"اچھا بکواس بند کرو۔ یہ بتاؤ اب کیا کرنا چاہئے۔ ایک طرف کے دو پہیے گڑھے میں بری طرح پھنس گئے ہیں۔ کار نکالی کیسے جائے؟" خانزادی

ب عادت تنک مزاجی سے کہا۔

"ہم لوگ تو خالص لڑکیاں ہیں تم ہی پتلون پہن کر مرد بننے کی کوشش کرتی اب اس پتلون کی لاج رکھو۔ ہم لڑکیوں سے کیا پوچھ رہی ہو؟" شمع نے پھر زکی۔

"اگر تو خاموش نہ رہی تو میں تیرا سر اس درخت سے ٹکرا کر پھاڑ دوں ا۔" خانزادی نے غراتے ہوئے کہا۔

"میرا سر پھاڑنے کی بجائے اگر گاڑی نکالنے کی کوشش کرو تو بہتر ہے۔" ع نے کہا اور خانزادی تلملا کر رہ گئی۔ کار لے کر لمبے سفر پر نکلنا خانزادی کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ تقریباً" ہر اتوار کو وہ تمام سہیلیوں کو جمع کر کے کسی طرف نکل جاتی۔ دن بھر دھاچوکڑی رہتی اور شام کو واپسی ہو جاتی۔ ڈرائیونگ کے معاملے میں خانزادی اناڑی نہ تھی اور یہ اس کے اناڑی نہ ہونے کی دلیل تھی کہ اس وقت وہ سڑک کے ڈھلان کے اختتام پر کار کے نیچے دبی پڑی چیخ اور کراہ نہیں رہی تھی ورنہ اچھے اچھے ڈرائیور ایسی صورت میں گاڑی کو کنٹرول میں رکھ سکتے تھے جبکہ ٹرک کی لپیٹ سے بچنے کے امکانات ہی نہ رہے ہوں۔

خانزادی ایک بڑے آدمی کی بیٹی تھی۔ جدید اور ترقی پسند ماحول کی پروردہ' گھر سے پوری پوری آزادی تھی۔ اکلوتی ہونے کی وجہ سے لاڈ پیار میں پرورش پائی تھی۔ ہر ضد پوری ہوتی تھی اس لیے خودسر تھی۔ چنانچہ جب اس نے لڑکا بننے کی کوشش کی تو کس کی مجال تھی کہ اسے روکتا۔ جدید فیشن کے بال کٹوائے گئے۔ زنانہ جوڑے ملازموں میں تقسیم کر دیے گئے اور پتلونیں شرٹیں اور ایسی ی دوسری چیزیں سلیں۔ سوئمنگ کا شوق ہوا' غرض وہ لڑکا بن گئی۔

لباس سے کوئی اسے لڑکی نہیں کہہ سکتا تھا البتہ بڑی بڑی شربتی آنکھیں' ستواں ناک' انتہائی جاذبیت رکھنے والے خوبصورت ہونٹ' دودھ جیسا رنگ' اور قیامت خیز نسوانی خطوط پکار پکار کر اس کی حقیقت بیان کر رہے تھے۔ اس کا

Pdfstuff.blogspot.com

بس چلتا تو ان نسوانی خطوط کو بھی مٹا دیتی لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ تاہم عادات ا
اطوار اس نے لڑکوں سے اپنا لیے تھے اور اکثر سہیلیاں شرارت سے اس
پردہ کرنے لگی تھیں۔

جب حواس مکمل طور پر بحال ہوئے تو خانزادی نے کار کے چاروں طر
گھوم کر دیکھا۔ پہیے اس بری طرح پھنس گئے تھے کہ کار کو اسٹارٹ کر
نکالنے کی کوشش اسے الٹ بھی سکتی تھی۔ خانزادی کو یقین ہو گیا کہ کار ا
طرح نہیں نکل سکتی۔ اسے صرف کرین سے ہی اٹھایا جا سکتا ہے۔ اچھی طر
جائزہ لینے کے بعد اس نے اس بات کا اعلان کر دیا۔

"اے ہے تو پھر تمہارا لڑکا ہونا کس کام آیا؟" شمع نے ناک پر انگلی رکھ
کہا اور خانزادی جھلاہٹ میں اسے مارنے دوڑ پڑی۔ شمع جان بچانے کے ل
بھاگی۔

"کیوں زچ کر رہی ہو اس بے چاری کو شمع' یہاں سے چلنے کی کوئی ترکیب
سوچو۔ شام ہو رہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد رات ہو جائے گی۔" شمیم نے
پریشان لہجے میں کہا۔

"رات کے بعد صبح ہو جائے گی اور پھر دوپہر۔ اس طرف کون آئے گا
سوائے ہماری بی شمیم۔ ہاں اگر پیدل چلنے کی مشق ہو تو بسم اللہ' لیکن تم تین
انسانوں کے اس وزن کو لے کر زیادہ دور تک چل بھی تو نہ سکو گی۔" شمع نے
شرارت سے کہا۔ شاید وہ ان چاروں مین سے بھاری جسم کی لڑکی تھی۔

خانزادی بے ساختہ ہنس پڑی اور شمیم جھینپ گئی۔

"گھر پہنچ جاؤں شمع کی بچی' تجھ سے تو اچھی طرح نمٹ لوں گی۔" خانزادی
بے بسی سے بولی اور پھر پریشان نظروں سے کار کو دیکھنے لگی۔ جس سڑک پر
آئی تھیں اس پر ٹریفک بہت کم رہتا تھا۔ پہلے یہ سڑک کافی مصروف تھی لیکن
اس کی متبادل ایک اور سڑک بن گئی تھی جو عمدہ بھی تھی اور اس سے شہر

ہر جانے کا فاصلہ بھی بہت کم ہو گیا تھا۔ چنانچہ اب تمام ٹریفک ادھر سے ہی
زرتا تھا۔ اس پرانی سڑک سے اکا دکا ہی گاڑیاں اور ٹرک وغیرہ گزرتے تھے۔
ں لیے انہیں لفٹ ملنے کی امید بھی نہیں تھی۔

کار کی طرف سے بالکل مایوس ہو کر وہ چاروں سڑک پر آ گئیں۔ سورج
روب ہو رہا تھا اور گھونسلوں میں واپس جانے والے پرندے شور مچاتے ہوئے
ن کے سروں سے گزر رہے تھے۔ دور تک ویران اور بے آب و گیاہ پہاڑیاں
کھری ہوئی تھیں۔ دونوں طرف سڑک سنسان تھی۔ اور ان کا خوف بڑھتا جا رہا
ا۔ شہر تقریباً" ستر میل دور تھا اور دوسری طرف کی بستی بھی کم و بیش اتنے ہی
صلے پر تھی۔ رات میں یہ علاقہ قطعی غیر محفوظ تھا۔

جوں جوں وقت گزرتا رہا لڑکیوں کے چہرے سے بشاشت رخصت ہونے لگی
ور اب تو شمع بھی' جو ان میں سب سے چنچل اور شوخ تھی' خاموش تھی۔

"اب کیا ہو گا خانزادی؟" کوثر نے پر تشویش لہجہ میں کہا۔

"جو ہو گا دیکھا جائے گا' ممکن ہے ہمیں یہیں رات گزارنی پڑے۔"
انزادی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"خدا کے لیے ایسی بات مت کرو۔" شمیم نے روتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے' اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ شمیم ہم پیدل شہر نہیں جا
سکتے' جب تک کوئی گاڑی کوئی ٹرک نہ آ جائے۔ ہمیں یہیں رہنا ہو گا۔"

"لیکن یہاں --- اس ویرانے میں --- کیا ہم صبح تک زندہ رہ سکیں
گے؟" شمیم نے کہا۔

"یہ تو صبح ہی کو معلوم ہو سکے گا کہ ہم زندہ ہیں یا مر چکے۔" خانزادی جھلا
کر بولی اور شمیم لرزتے ہوئے خاموش ہو گئی۔

"ہم سب کار میں بیٹھ جائیں گے' شیشے بند کر لیں گے اور رات بھر جاگتے
رہیں گے۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ حواس کھونے سے کام بگڑ جاتے ہیں۔"

PdfStuff.blogspot.com

خانزادی نے تھوڑی دیر بعد نرم لہجے میں کہا۔

لیکن اسی وقت کوثر چیخ پڑی۔ "خانزادی' وہ دیکھو روشنی ابھی اس چ
پڑی تھی۔ میرا خیال ہے موڑ سے کوئی گاڑی گزری ہے۔"

"گزری ہے تو سامنے آ جائے گی۔" خانزادی نے کہا اور سب لڑکیاں
و بیم کی کیفیت میں سڑک کے اس سرے کو دیکھنے لگیں جو دوسری طرف
تھا اور اب روشنی صاف نظر آنے لگی تھی۔ وہ یقیناً" کسی کار کی ہیڈ لائٹ

"خدا کا شکر ہے۔" شمیم نے خلوص دل سے کہا۔ وہ اپنے موٹے
جسم کے ساتھ سب سے بزدل تھی۔ روشنیاں قریب آتی جا رہی تھیں چا
لڑکیوں نے پوری سڑک گھیر لی ممکن تھا کار والا لفٹ نہ دیتا۔ وہ اس آ
سہارے کو کسی قیمت پر ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتی تھیں۔ کار کی رفتار
ہونے لگی اور پھر وہ ان کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ خانزادی دوڑتی
ڈرائیونگ سیٹ کے قریب پہنچی۔ خاصی قیمتی کار تھی اور اس کی ڈرائیونگ
پر صرف ایک آدمی تھا۔

"کیا بات ہے خاتون؟" اس شخص کی پاٹ دار آواز ابھری۔

"ہم --- ہم معذرت خواہ ہیں جناب لیکن ہم ایک مصیبت میں گرفتار
گئے ہیں۔"

کار والے نے دروازہ کھولا اور نیچے اتر آیا۔ یہ ایک دراز قامت ا
خوش رو نوجوان تھا جس کا جسم ورزشی اور خدوخال پرکشش تھے۔

"فرمایئے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ تمام لڑکیاں اس کے گرد جمع ہو
تھیں۔

"وہ ہماری کار ہے۔ ایک ٹرک والے نے ٹکر مارنے کی کوشش کی تھ
ہم نے اسے سڑک سے اتار دیا اور اب وہ ایک گڑھے میں پھنس گئی ہے۔ اُ
نکالنے کی کوشش کریں تو الٹ جائے گی۔ آپ براہ کرم ہمیں شہر تک چھو

ں۔ ہم ڈرائیور بھیج کر کار منگوا لیں گے۔"

طویل القامت نوجوان نے گھوم کر گڑھے میں پھنسی ہوئی کار کی طرف دیکھا
ر پھر اس کے ہونٹوں پر ایک سنجیدہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"مردنما ہے۔" شمع کی زبان بند نہ رہ سکی اور خانزادی نے کھا جانے والی
روں سے اسے گھورا۔ نوجوان کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ پھر وہ آہستہ
موں سے کار کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے بھی گڑھے میں پھنسی ہوئی کار کو
روں طرف سے دیکھا پھر اس نے اشارے سے خانزادی کو قریب بلایا۔ تمام
کیاں ایک ساتھ اس کے قریب پہنچ گئیں۔ نوجوان نے اپنا کوٹ اتار کر
انزادی کی طرف بڑھایا اور پھر قمیض کے کف کھولنے لگا۔

لڑکیاں سمجھ نہ سکیں کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ نوجوان کار کی پشت پر پہنچ گیا
ور پھر اس نے جھک کر کار کا پچھلا حصہ پکڑ لیا اور دوسرے ہی لمحے اچھی خاصی
ی کار اوپر اٹھ گئی اور نوجوان نے اسے آگے دھکیل دیا۔

لڑکیاں حیرت سے چیخ پڑیں۔ یہ کسی انسان کا کام تو نہیں تھا۔ آج تک ایسا
اقعہ نہ دیکھنے میں آیا اور نہ سننے میں۔ ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور وہ
سب ہی خوفزدہ نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھ رہی تھیں جو اب ہاتھ جھاڑتا
ہوا اور کف سیدھے کرتا ہوا ان کی طرف آ رہا تھا۔

"شکریہ۔" اس نے بدستور سنجیدہ آواز میں کہا اور خانزادی کے ہاتھ سے
کوٹ لے کر پہننے لگا۔ "اسٹارٹ کر کے دیکھ لیں' کوئی اور گڑبڑ تو نہیں ہوئی
ہے؟" اس نے کہا اور خانزادی چونک پڑی۔ پھر وہ آگے بڑھ کر اسٹیرنگ پر بیٹھ
گئی اور اس نے کار اسٹارٹ کر کے دیکھی۔ کار اسٹارٹ ہو گئی تو نوجوان اپنی کار
کی طرف بڑھا اور اس کے اسٹیرنگ پر بیٹھ کر اس نے کار آگے بڑھا دی۔

کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ خانزادی اسی طرح اسٹیرنگ پر

Pdfstuff.blogspot.com

بیٹھی نوجوان کی کاری کی سرخ روشنیاں دیکھ رہی تھی جو آن کی آن میں نظ
سے اوجھل ہو گئی تھیں۔

"اب چلو خانزادی' خدا کے واسطے جلدی چلو۔ وہ پلٹ کر نہ آ جائے
شمیم نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"آں۔" خانزادی نے چونک کر کہا اور کار آگے بڑھا دی۔

"وہ پلٹ کر کیوں آئے گا۔" شمع نے شمیم کو شرارت سے گھورتے ہو
کہا۔ "کیا تم سے وعدہ کر کے گیا ہے؟"

"بکواس مت کرو شمع' اس وقت نہ جانے کس کی دعا نے ہمیں بچا لیا جو
اس طرف چلا گیا ورنہ ---"

"ورنہ کیا؟" شمع نے پوچھا۔

"کیا تم اسے انسان سمجھتی ہو؟" شمیم نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شمع چونک کر بولی۔

"بعض اوقات تم بالکل گدھے پن کی گفتگو کرتی ہو' کیا تم نے کسی انسان
اس طرح کار اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"پھر تمہارے خیال میں کون تھا وہ؟" شمع نے بھی کچھ الجھ کر پوچھا۔

"کوئی بھٹکی ہوئی روح' شاید کسی شریف انسان کی۔ اگر کوئی خطرناک انسا
ہوتا تو ہمیں اس طرح نہ چھوڑ دیتا۔"

"ارے غضب خدا کا' تم نے ایک جیتے جاگتے انسان کو روح بنا دیا۔ ا
نے اپنا کوٹ اتار کر خانزادی کے بائیں ہاتھ میں دیا تھا' روحیں سوٹ نہیں
پہنتیں۔ اور پھر اس کے کس انداز سے تم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ زندہ انسا
نہیں تھا۔" کوثر نے پوچھا۔

"اس کی بے پناہ طاقت سے' ورنہ منوں وزنی کار کو اس طرح اٹھا لینا انسا
کارنامہ نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں' اس دور میں بھی بڑی بڑے طاقتور انسان موجود ہیں۔ کیا تم نے
بھی سرکس نہیں دیکھا۔"

"بڑی وکالت کر رہی ہو' کیا بات ہے۔" شمع نے کوثر کو گھورتے ہوئے
کہا۔

"لو' جہالت کی ایک بات پر اعتراض تو کیا معنی تلاش کیے جانے لگے۔ تم
کیوں خاموش ہو خانزادی' یہ دونوں بکواس کیے جا رہی ہیں۔" کوثر نے خانزادی
کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا جو نہ جانے کس خیال میں گم' ان کی بکواس
سے لاپرواہ خاموشی سے کار چلا رہی تھی۔

"اوہ۔" وہ چونک پڑی اور کار سڑک پر لہرا گئی۔

"سو گئی تھیں کیا؟" شمع نے کہا۔

"نہیں۔" خانزادی کی آواز سے تھکن مترشح تھی۔

"یہ بھینس شمیم اسے روح ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے۔" کوثر نے شمیم پر
چوٹ کی۔

"کسے؟" خانزادی نے پوچھا۔

"لیجئے' یہ نئی سنئے' یہ محترمہ سوتے سوتے کار ڈرائیو کر رہی تھیں۔ انہوں
نے ہماری اب تک کی گفتگو ہی نہیں سنی۔ آپ کہاں تھیں محترمہ؟" شمع نے
کڑے انداز میں خانزادی کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بڑی فضول لڑکی ہو تم' کبھی کوئی کام کی بات جو کی ہو۔" خانزادی نے
مضمحل سے لہجے میں کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ سچ مچ زندہ انسان نہیں تھا جس نے ہماری کار
اٹھائی تھی۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"اپنی رائے تو دے سکتی ہو۔"

PdfStuff.blogspot.com

"میں کچھ نہیں جانتی۔" خانزادی نے اکتائے ہوئے سے انداز سے کہا
پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ شہر میں داخل ہو گئیں۔ خانزادی نے تمام لڑکیوں کو
کے گھروں پر اتارا۔ کوثر نے اسے تھوڑی دیر رکنے کے لیے کہا لیکن نصرت
اس سے دیر ہو جانے کا بہانہ کر دیا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔ اس
حالت عجیب ہو رہی تھی۔ وہ ایک لاابالی سی لڑکی تھی۔ تفریح پسند' لاڈپیار
پلنے کے باوجود نسوانی حیثیت میں اس کے کردار میں جھول نہیں تھا۔ بہت
نوجوانوں نے اس کی زندگی میں آنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بھنوروں
حقیقت پہچانتی تھی' اس لیے ان سے دور ہی رہی۔ گویا ابھی تک اس کا دل
کی لذت سے ناآشنا تھا لیکن آج --- آج وہ اپنا سینہ خالی محسوس کر رہی تھ
اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کھو آئی ہے۔ ایک سنجیدہ سا باوقار چہرہ' ق
ہیکل اور بے پناہ طاقت کا مالک' دراز قد جسم' اس کی نگاہوں میں گھوم رہا
ایک گھمبیر سی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ وہ وزنی سا کوٹ جو
کے بازو پر بار رہا تھا' اس سے اٹھنے والی بھینی بھینی خوشبو یہ سب کچھ ا
خواب کی باتیں محسوس ہو رہی تھیں۔ بڑا لذت آمیز خواب تھا اور وہ ا
خواب میں ڈوبی رہنا چاہتی تھی۔ کیوں؟ وہ کون تھا؟ کون تھا وہ؟--- افوہ۔ ا
لمحہ بھی تو نہ رکا جو اس سے کچھ بات کی جاتی لیکن اگر بات کرنے کی کوشش
جاتی تو یہ لڑکیاں اس کا جینا حرام کر دیتیں۔ کاش میں اس کی کار کا نمبر ہی
لیتی۔ رجسٹریشن آفس سے اس کے بارے میں معلوم ہو سکتا تھا۔ ویسے تھا کو
باحیثیت انسان' کار بھی جس کی قیمتی تھی' سوٹ بھی قیمتی اور شخصیت --- لیکن
اب اس کے بارے میں کیسے معلوم ہو؟

وہ دیوانوں کی طرح سوچتی رہی اور پھر اس کے ذہن میں ایک اور خیال
رینگ آیا۔

وہ اس کے بارے میں اس انداز سے سوچ رہی ہے۔ کیا وہ بھی ---

لیکن اگر وہ بھی اس سے متاثر ہوتا تو کچھ دیر رکنے کی کوشش کرتا۔ اس کی کار
نکالنے کی بجائے اپنی کار میں شہر تک انہیں لفٹ دیتا اور اس طرح تعارف ہو جانا
مشکل کام نہیں تھا۔ اوہ' اس کی چاہت یک طرفہ ہے۔ اسے احساس بھی نہ ہو گا
کہ کوئی اس کے لیے کتنا بے چین ہے۔ کیسا بے کل ہے اور اس کے دل کے
چراغ بجھ گئے۔ سیاہ دھواں آنکھوں کے راستے بہہ نکلا اور گالوں پر نمی محسوس
کر کے وہ چونک پڑی۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش شروع کر دی۔ ابھی
گھر جا کر دوسروں کا سامنا بھی کرنا تھا۔

خانزادی کی دنیا ہی بدل گئی۔ ایسی بے کلی' ایسی ویرانی اس نے کبھی محسوس
نہ کی تھی۔ تین دن گزر چکے تھے لیکن اس کی ذہنی کیفیت روز اول سے مختلف
نہ تھی۔ وہ کار لے کر سڑکوں پر نکل جاتی۔ اس کی نظریں اسی کار کو تلاش
کرتیں۔ اس کی آنکھیں اسی حسین چہرے والے دراز قامت کو تلاش کرتیں جو
آنکھوں کے راستے اس کے دل میں اتر گیا تھا۔ اس دوران وہ کسی سہیلی سے
ملنے بھی نہ گئی۔ ان کے فون ملتے تو وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر دیتی۔ کسی چیز
میں دل ہی نہیں لگتا تھا۔ بس ایک بے چینی سی حواس پر طاری تھی۔

اس شام بے چینی زیادہ ہی بڑھ گئی۔ شہر کی گنجان سڑکوں پر کار دوڑاتے
ہوئے طبیعت الجھ گئی تو اس نے ساحل سمندر کا رخ کیا۔ سمندر کی بے قرار
موجیں اس کے دل کی کیفیت سے ہم آہنگ تھیں۔ وہ ان موجوں کی بیقراری کا
تجزیہ کرنے لگی۔ دل کو چوٹ لگی ہو تو انسان بے حد حساس ہو جاتا ہے۔ نہ
جانے یہ موجیں کس کے لیے بے قرار ہیں۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ اس
کی سہیلیوں کو اس کی کیفیت کا علم ہو جائے تو پریشان کر کے زندگی اجیرن کر
دیں۔ اسے اپنی حالت سنبھالنی چاہئے۔ وہ تو ہوا کا ایک جھونکا تھا جو رات کی
تاریکی میں اس کے دل کے قریب سے سرسراتا ہوا گزر گیا۔ اس کی تلاش فضول
تھی۔ اس نے سوچا لیکن اس سوچ نے اس کے ذہن کو اور مضمحل کر دیا اور

PdfStuff.blogspot.com

ہونٹوں سے ایک گہری سرد آہ نکل گئی۔ اس نے موجوں سے نظریں ہٹا کر چاروں طرف دوڑائیں۔

اور اچانک اس کا دل زور سے دھڑکا۔ یہ نظر کا دھوکہ تو نہیں تھا۔ اس کا تصور تو نہیں تھا جس نے انسانی پیکر اختیار کر لیا تھا۔ کیا درحقیقت وہ جیتا جاگتا انسان تھا۔ وہ دل پکڑے ہوئے اسے دیکھتی رہی۔

"یقیناً" وہی تھا۔" اسے سے تھوڑے فاصلے پر زیادہ سے زیادہ پچاس قدم اس کے ہاتھوں میں دوربین تھی اور وہ اسے آنکھوں سے لگائے سمندر کا نظارہ کر رہا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ اس کا وہم نہیں ہے۔ وہ اپنی تلاش میں کامیاب ہو گئی ہے اور اس کے قدم بے اختیار اس کی طرف بڑھنے لگے۔

وہ اس کے قریب اتنا پہنچ گئی کہ اسے اس کے وجود کو محسوس کرنا پڑا۔ ورنہ ساحل پر دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ اس نے دوربین آنکھوں سے ہٹائی اور اچٹتی ہوئی نگاہ خانزادی پر ڈالی۔ خانزادی اس وقت تمام آداب فراموش کر چکی تھی۔ وہ اپنی شخصیت بھول گئی اور اسے صرف وہ یاد تھا۔ وہ خانزادی کی اس بے خودی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے خاتون؟" اس نے پوچھا۔

خانزادی چونک پڑی۔ اسے اپنی محویت اور گردوپیش کے ماحول کا احساس ہوا اور وہ پریشان سی ہو گئی لیکن کوئی اور ان کی طرف متوجہ نہ تھا جس سے اسے قدرے سکون سا ہوا اور اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ' آپ شائد مجھے پہچانے نہیں۔"

"جی؟" وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔ پھر شرمندہ لہجے میں کہنے لگا۔ "جی ہاں' یہ میری بدقسمتی ہے کہ مجھے یاد نہیں آ رہا کہ آپ سے کہاں ملاقات ہوئی تھی۔"

"ابھی چند روز قبل' غالباً" تین روز پہلے۔ شام کے سائے میں آپ نے

ہماری مدد کی تھی۔ ہماری کار ایک گڑھے میں پھنس گئی تھی اور آپ نے اسے حیرت انگیز طور پر نکال دیا تھا۔"

"اوہ ہاں آرام روڈ سے آتے ہوئے۔"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے مجھے یاد آ گیا۔ پھر تو آپ کی گاڑی نے کوئی گڑبڑ نہیں کی۔" اس نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"جی نہیں۔" خانزادی نے کہا۔ وہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے کوئی خاص بات تلاش کر رہی تھی لیکن نوجوان کے چہرے پر صرف خوش اخلاقی تھی اور نہ جانے کیوں خانزادی کا دل بجھ سا گیا۔ وہ اسے کیسے بتائے کہ یہ وقت اس نے کیسے گزارا۔ یہ بتانا مناسب رہے گا یا نہیں؟

"آیئے کہیں بیٹھ کر چائے پئیں۔" اس نے خانزادی کی مشکل حل کر دی اور خانزادی تیار ہو گئی۔ وہ ساحل سے دور ایک خوبصورت ریستوران میں آ بیٹھے۔ خانزادی کے چہرے پر عجیب رنگ لہرا رہے تھے۔ وہ مل گیا تھا لیکن اس کے انداز میں کوئی گرمجوشی نہیں تھی۔ وہ عام انداز میں اس سے ملا تھا اور صرف خوش اخلاقی سے پیش آ رہا تھا۔ اسے تو اس کی شکل بھی یاد نہیں تھی۔

"کیا پئیں گی آپ؟" اس نے کرسی پر بیٹھ کر خانزادی سے پوچھا۔

"جی؟" وہ خیالات سے چونک پڑی۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں' کچھ نہیں۔"

"میں نے پوچھا تھا' آپ کیا پئیں گی؟"

"چائے۔" خانزادی نے کہا اور اس نے ویٹر کو بلا کر چائے لانے کے لیے کہا اور پھر بولا۔

"جب ہم نے ملاقات کی ہے تو تعارف بھی ایک ضروری رسم ہے۔"

PdfStuff.blogspot.com

"میرا نام خانزادی ہے۔"

"خوب' میں الیاس ہوں۔"

"بڑا خوبصورت نام ہے آپ کا۔" خانزادی نے بے اختیار کہا اور وہ ہنس پڑا۔

"معاف کیجئے گا' میں یہ جملہ ادا کرنے میں ہچکچا گیا تھا۔ اس تصور سے کہ آپ برا نہ مان جائیں۔" اس نے کہا اور خانزادی شرما گئی۔ رفتہ رفتہ اس کے دل سے جھجک اور ذہن سے اداسی دور ہوتی جا رہی تھی۔ ابتدا میں کچھ جھجک رہی۔ چائے کے دوران ایک دوسرے کے بارے میں مزید گفتگو ہوئی اور پھر قدرے بے تکلفی کی فضا پیدا ہو گئی۔

"میں کچھ نہیں کرتی' پڑھنا چھوڑ چکی ہوں۔ دل نہیں لگتا۔" الیاس کے ایک سوال کے جواب میں اس نے کہا۔ پھر چلتے چلتے اس نے ایک سوال کیا۔ "میں آپ سے دوبارہ مل سکتی ہوں؟"

"کیوں نہیں مس خان۔ جب اور جہاں حکم دیں' میں حاضر ہو جاؤں گا یا پھر اگر غریب خانے کو اس قابل سمجھیں تو ---"

"لیکن مجھے تو آپ کے گھر کا پتہ بھی نہیں معلوم۔"

"یہ میرا کارڈ ہے' اس پر فون نمبر اور پتہ درج ہے۔" الیاس نے اسے کارڈ دے اور پھر وہ رخصت ہو گئے۔

دوسرے دن صبح ضروری کاموں سے فارغ ہو کر خانزادی نے الیاس کو ٹیلی فون کیا۔ یہ وقت بھی اس نے "تکلفاً" گزارا تھا۔ ورنہ وہ رات بھر خوشی کے مارے سو نہیں سکی تھی۔ گو ابھی تک الیاس نے اس سے کوئی خاص گفتگو نہیں کی تھی لیکن یہ کیا کم تھا کہ وہ شام کو دو گھنٹے ساتھ گزار چکے تھے۔ ان کا آپس میں تعارف ہو گیا تھا اور الیاس نے اس سے دوبارہ ملاقات کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے وہ الیاس کی آواز صاف پہچان گئی۔

"خانزادی بول رہی ہوں۔"

"اوہ مس خان۔ خیریت۔"

"نہیں۔" خانزادی نے ایک ادا سے کہا۔

"کیوں' کیا بات ہے؟" الیاس نے تشویش سے پوچھا۔

"بس آپ نے نیندیں حرام کر دی ہیں۔" خانزادی نے بے اختیار کہہ دیا اور الیاس خاموش ہو گیا۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔ خانزادی کا دل دھڑکنے لگا۔

"مسٹر الیاس۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"جی۔"

"کیا سوچنے لگے آپ؟"

"سوچ رہا ہوں مس خان' کہ میں نے تو ایسی کوئی گستاخی نہیں کی۔"

"آپ نے میرے ساتھ چند اور لڑکیوں کو دیکھا تھا اس رات؟"

"جی ہاں۔"

"ان میں سے ایک شمیم ہے' جب آپ ہماری گاڑی نکال کر چلے گئے تو معلوم ہے اس نے کیا کہا؟"

"مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟" الیاس نے شائستگی سے کہا۔

"کہنے لگی' ہم بال بال بچ گئے۔ ورنہ وہ روح نہ جانے ہمارا کیا حال کرتی۔ اس کے خیال میں کار اٹھا لینا انسانی کارنامہ نہیں تھا۔ وہ آپ کو کوئی بھٹکتی ہوئی روح سمجھتی تھی۔"

"اوہ۔" الیاس ہنس پڑا۔

"واقعی آپ کی طاقت قابل داد ہے۔"

"شکریہ۔"

PdfStuff.blogspot.com

"شام کو کہاں مل رہے ہیں؟"

"جہاں حکم ہو۔"

"ساحل عمدہ جگہ ہے۔ مجھے موجوں کی بیقراری بہت پسند ہے۔"

"حاضر ہو جاؤں گا۔"

"کس وقت۔"

"چھ بجے۔"

"میں انتظار کروں گی۔" خانزادی نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اور درحقیقت وہ ساحل پر الیاس کو انتظار کرتے ہوئے ملی۔ حالانکہ وہ ٹھیک چھ بجے پہنچا تھا۔

"آپ کچھ جلدی پہنچ گئیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ زیادہ انتظار نہ کر سکی۔" وہ بولی اور الیاس کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔

پھر ان کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ روزانہ کسی نہ کسی جگہ' کبھی کسی ہوٹل میں' کبھی ساحل پر اور کبھی کہیں اور۔ خانزادی کی چاہت بڑھتی گئی۔ اس نے بارہا احمر سے اظہار عشق کیا لیکن الیاس کی طرف سے اس کا کوئی جواب نہ مل سکا۔ وہ خانزادی سے خوش اخلاقی سے تو پیش آتا لیکن نصرت کے ذومعنی جملوں کے جواب مین اس نے کبھی کچھ نہ کہا۔

پھر نہ جانے کیوں خانزادی اس کی خاموشی پر جھلانے لگی۔ وہ اسے ٹال کیوں رہا ہے۔ کیا وہ اس کی محبت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ کیا وہ کسی اور کو چاہتا ہے اور اس شام اس نے فیصلہ کر لیا کہ الیاس سے کھل کر بات کرے گی۔ اس شام جب الیاس اس سے ملا تو حسب معمول اس نے پوچھا۔

"آج کیا پروگرام ہے مس خان۔"

"آج آپ کے گھر چلیں گے۔"

"اوہ' جو حکم لیکن ---"

"آج فیصلہ کن بات چیت ہو گی۔ مجھے اپنے گھر کے لوگوں سے ملوایئے۔"

"میرے گھر کے لوگ۔ میرے گھر میں تو ملازموں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔" اس نے افسردگی سے کہا۔

"اوہ' آج تک اس موضوع پر گفتگو ہی نہیں ہوئی' کیا دنیا میں آپ کا کوئی بھی نہیں ہے۔"

"ہاں' کوئی نہیں۔"

"تنہائی سے آپ کا دل نہیں گھبراتا الیاس صاحب۔"

"کبھی کبھی بہت گھبراتا ہے۔"

"تب' تب آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔" خانزادی نے جھجکتے ہوئے کہا ر الیاس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔ وہ خاموشی سے نزادی کی شکل دیکھنے لگا اور پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"آیئے مس خان' مجھے حق نہیں ہے کہ آپ کو غلط فہمی میں رکھ کر آپ کا ت ضائع کروں' آیئے آپ میرے گھر چلئے۔"

اس نے اپنی کار سٹارٹ کر دی۔ خانزادی نے بھی اس کے پیچھے اپنی کار لگا ا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ الیاس کی عالیشان کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ زادی راستے بھر الیاس کے الفاظ میں کھوئی رہی تھی۔ کیا مطلب تھا ان الفاظ --- "مجھے حق نہیں کہ آپ کو غلط فہمی میں رکھ کر آپ کا وقت ضائع ں۔"

الیاس اسے لیے ہوئے اپنی شاندار کوٹھی کے شاندار ڈرائنگ روم میں پہنچ ۔ پھر اس نے ایک نرم صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میں بارہا محسوس کر چکا ہوں مس خان کہ آپ مجھ میں دلچسپی لے رہی ۔ میری درخواست ہے کہ آج آپ نہ تو میرے کسی لفظ کا برا مانیں اور نہ

PdfStuff.blogspot.com

میرے کسی سوال کے جواب میں جھجک اور تکلف کا اظہار کریں۔ آج کی گفتگو پر ہماری دوستی کا انحصار ہے۔"

خانزادی خاموشی اور حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کیا کہنے والا تھا۔

"براہ کرم میرے ایک سوال کا جواب دیں۔ کیا آپ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہیں؟"

خانزادی کے کانوں کی لویں سرخ ہو گئیں۔ اس کی گردن جھک گئی۔ وہ شکل دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"میں درخواست کر چکا ہوں مس خان' خدارا میری درخواست پر غور کریں اور کسی سوال کے جواب میں تکلف کا اظہار نہ کریں۔" اس کے لہجے میں عاجزی تھی

"اگر --- اگر آپ مجھے قبول کریں تو یہ میری خوش نصیبی ہو گی۔"

"میں دل و جان سے آپ کو قبول کر لیتا مس خان' آپ بے حد پیاری دوست ہیں لیکن کاش ایسا ہو سکتا۔ میں آپ سے شادی نہیں کر سکتا۔ مس خان' آپ کا دوست رہ سکتا ہوں۔ جب تک آپ چاہیں لیکن شادی۔ وہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔"

خانزادی دھک سے رہ گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس کی لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میری عمر آپ کے دادا سے بھی زیادہ ہو گی۔ کہیں زیادہ' میری عمر تین سو سال ہے مس خان بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔"

خانزادی کا ذہن تاریک ہو گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے الیاس کو دیکھ رہی تھی۔ یہ کیسا مذاق تھا۔ کیا الیاس اتنی سنجیدگی سے مذاق کر سکتا ہے؟

"آپ مذاق کر رہے ہیں مسٹر الیاس۔" وہ پھنسی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں چاہتا تو آپ کو آسانی سے دھوکہ دے سکتا تھا مس خان' لیکن آپ ہی نیک اور پیاری لڑکی کو میں دوستی دے سکتا ہوں' دھوکہ نہیں۔ میں نے ی حقیقت بیان کر دی ہے۔"

"براہ کرم مسٹر الیاس' صاف کہئے۔" وہ پریشان لہجے میں بولی۔

"میری بات پر یقین کر لیں مس خان' میری عمر تین سو سال سے زیادہ ہے۔ میں کسی طرح آپ کے قابل نہیں ہوں۔ کیا آپ میری اصلی شکل دیکھنا ند کریں گی؟"

"اصلی شکل۔" وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"ہاں' جس کے بعد مجھے یقین ہے کہ آپ میری دوست رہنا بھی پسند نہیں ریں گی۔ آپ کیا کوئی بھی پسند نہیں کرے گا۔ آپ کو دھوکہ میں رکھ کر میں ی زندگی کا سب سے بڑا گناہ کرتا' میں یہ گناہ نہیں کرنا چاہتا مس خان۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر الیاس' میں کیسے یقین کر لوں' آپ کی بات ' کیوں آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ کیا یہ حقیقت ہو سکتی ہے۔" وہ تلملاتے ئے بولی۔

"بہتر ہے آپ حقیقت دیکھ لیں۔" الیاس نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ لیا۔ اس کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی اور خانزادی اس سنجیدگی ے ہول رہی تھی۔ یوں بھی الیاس شستہ مذاق کر لیتا تھا۔ اس نے کبھی کوئی گہرا اق نہیں کیا تھا۔ اسی لیے خانزادی یہ فیصلہ نہیں کر رہی تھی کہ کیا اس وقت وہ زاق کر رہا تھا اور اگر اس بات کو مذاق نہ سمجھا جاتا تو پھر کیا سمجھا جاتا۔ کیا اس ی بات تسلیم کر لی جاتی کہ اس کی عمر تین سو سال ہے۔

کسی مضحکہ خیز بات تھی۔ ایک خوبصورت' تندرست نوجوان کی عمر تین سو سال ہے۔ ناممکن' بکواس' بالکل بکواس۔ آج تو الیاس نے کمال کر دیا تھا۔ رحقیقت وہ بے وقوف بن گئی۔ اس نے دلچسپ نظروں سے الیاس کی جانب

Pdfstuff.blogspot.com

دیکھا جو ایک کھڑکی کی طرف منہ کیے ہوئے نہ جانے کیا اداکاری کر رہا تھا۔ اس نے جھک کر جیسے کوئی چیز منہ سے نکالی اور مٹھی میں دبا کر جیب میں ڈال لیا۔ پھر وہ واپس پلٹا اور اس کی طرف دیکھ کر پھیکے انداز میں مسکرانے لگا۔

"بھئی اب آ جایئے' درحقیقت میں بے وقوف بن چکی ہوں۔"

"نہیں بے بی' میری پیاری بچی' میری دوست' میں تمہیں بے وقوف نہیں بنا رہا۔" وہ لرزتے قدموں سے آگے بڑھا اور تھکے تھکے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

ایک بار پھر اس کے الفاظ خانزادی کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر گئے۔ "بے بی' میری میری بچی' میری دوست۔" الیاس ان الفاظ میں مذاق تو نہیں کر سکتا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر الیاس کو دیکھا۔ اس کا سرخ و سفید رنگ زرد ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہی دوڑتی جا رہی تھی اور وہ نڈھال سا نظر آ رہا تھا۔

"یہ آپ کو کیا ہو رہا ہے الیاس' آپ کی طبیعت کچھ خراب ہو رہی ہے کیا؟" خانزادی بے چینی سے اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گئی۔

"میری حقیقت سامنے آ رہی ہے میری بچی۔ میں ٹھیک ہوں۔ تم بیٹھ جاؤ۔" الیاس کا سانس اچانک پھولنے لگا۔ خانزادی کا سر چکرانے لگا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے الیاس کے چہرے پر دراز ہونے والی جھریوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹے بھاری ہوتے جا رہے تھے۔ گال لٹکتے جا رہے تھے۔ ٹھوڑی کے نیچے کا گوشت لٹک چکا تھا۔ بالوں میں سفیدی دوڑتی چلی جا رہی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے الیاس بالکل بدل گیا۔ اس کے بال چاندی کی طرح سفید ہو گئے۔ بھنویں تک سفید ہو گئیں۔ آنکھیں دھندلائی ہوئی اور پتلیاں سکڑی ہوئی تھی۔ پورے چہرے پر جھریاں ہی جھریاں نظر آ رہی تھیں۔ بلاشبہ اس کی عمر تین سو سال سے کم نہ تھی۔ بڑھاپے کا جو انتہائی تصور ہو سکتا تھا احمر اس کی تصویر

تھا۔

خانزادی کے حلق سے چیخ سی نکل گئی اور الیاس پھولے سانس کے ساتھ بولا۔

"میں تمہیں دھوکہ نہیں دینا چاہتا خانزادی' ورنہ میری حقیقت تم پر کبھی منکشف نہ ہوتی۔ جب میں تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتا تو کوئی تکلیف بھی نہیں دے سکتا۔ اس لیے مجھے دیکھ کر خوفزدہ نہ ہو۔"

"تم درحقیقت کوئی روح ہو الیاس۔ شمع ٹھیک کہتی تھی۔" خانزادی کے منہ سے خوفزدہ انداز میں نکلا۔

"روح تو ہر انسان میں ہوتی ہے خانزادی۔ لیکن جس روح کا تم تصور کر رہی ہو' میں وہ نہیں ہوں۔ میں جیتا جاگتا جسم رکھتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔"

"لیکن تمہاری پہلی کیفیت۔"

"وہ ایک فریب تھا' یہ حقیقت ہے۔"

"مگر یہ کیسے ممکن ہے بتا دو' الیاس مجھے بتا دو۔ آہ' یہ کیا ہوا' میرے خواب بکھر گئے۔ کیسی عجیب کہانی ہے میری۔ زندگی کی پہلی ہی منزل پر میں نے کیسی ٹھوکر کھائی ہے۔" خانزادی کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

"تم نے مجھے ایک مرد کی حیثیت سے قبول کیا تھا خانزادی۔ اس میں تھوڑی سی ترمیم کر لو۔ تم مجھے ایک دوست' ایک بزرگ دوست کی حیثیت سے تو قبول کر سکتی ہو۔ اس میں کیا حرج ہے۔ میں کچھ روز اور زندگی سے پیار کر لوں گا۔ ورنہ اب میں اس زندگی سے اکتا گیا ہوں۔ غور تو کرو' میں نے زندگی کے پورے تین سو سال اس دنیا میں گزارے ہیں۔ اب اس دنیا میں میرے لیے کوئی دلکشی نہیں رہ گئی ہے۔ اپنے دل میں میری چاہت کا رنگ بدل دو خانزادی' مجھے مسرت ہو گی' تمہاری محبت میں چند سانس اور لے لوں گا ورنہ

Pdfstuff.blogspot.com

اب میں خود اس زندگی سے اکتا گیا ہوں۔"

خانزادی اسے دیکھتی رہی۔ اس کا ذہن خالی خالی ہو رہا تھا۔ وہ ابھی تک اس حقیقت کو قبول نہیں کر رہی تھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے' یہ کیسے ہو گیا ہے۔ کافی دیر بعد وہ خود پر قابو پا سکی اور رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کیا مجھے اپنے بارے میں اب بھی نہیں بتاؤ گے الیاس۔ کیا میں اپنی بدقسمتی کی اس حقیقت کو کبھی نہ جان سکوں گی؟"

"تمہیں یہ حقیقت جاننے سے دلچسپی ہے خانزادی۔" الیاس بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہاں۔"

"تب تمہیں ایک طویل کہانی سننا پڑے گی۔ ایک عجیب اور پراسرار کہانی جس پر شاید تمہیں یقین نہ آئے لیکن میری اصل شکل دیکھ کر کوئی اور فیصلہ نہ کر سکو تو میری کہانی پر یقین کر لینا۔ آرام سے بیٹھو۔ میں تمہارے لیے کافی تیار کرواتا ہوں لیکن ٹھہرو' میں اپنی مصنوعی شکل میں آ جاؤں ورنہ میرے ملازم حیران رہ جائیں گے۔ غالباً" اسی سال کے بعد میں اپنی اصل شکل میں آیا ہوں۔" الیاس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک عجیب و غریب چمکدار سی شے نکالی اور اسے منہ میں ڈال لیا اور وہ اسے نگلنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس میں کامیاب ہونے کے بعد وہ اس طرح گہری سانسیں لینے لگا جیسے ایک سخت اور تھکا دینے والی مشقت سے فارغ ہوا ہو۔ پھر اس نے صوفے کی پشت سے ٹک کر آنکھیں بند کر لیں۔ خانزادی بدستور اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئی تھی۔ نہ جانے یہ اس کی نظر کا دھوکہ تھا یا حقیقت کہ اس نے الیاس کے خدوخال درست ہوتے ہوئے محسوس کیے۔ اس کے چہرے کی جھریاں سمٹتی جا رہی تھیں اور اڑا ہوا رنگ واپس آ گیا تھا۔ اس کے بالوں کی سفیدی سیاہی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ پھر صرف چند منٹ کے بعد --- وہی حسین خدوخال والا الیاس اس

کے سامنے تھا اور خانزادی --- وہ خود کو الف لیلیٰ کا کوئی کردار سمجھ رہی تھی جو پراسرار واقعات سے دوچار ہو گیا ہو۔ اس وقت نظر آنے والے الیاس کو دیکھ کر کوئی پاگل بھی نہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کوئی بوڑھا آدمی ہو گا۔ وہی سنجیدہ باوقار چہرہ' وہی پاکیزہ خدوخال۔

چند منٹ کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور محبت آمیز نظروں سے خانزادی کو دیکھنے لگا۔ "مجھے احساس ہے خانزادی کہ میں نے تمہارے ذہن پر کتنا بوجھ ڈالا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم کن پریشان کن کیفیات سے دوچار ہو گئی ہو لیکن میرے دل نے یہ گوارہ نہ کیا کہ میں تمہیں دھوکہ میں رکھوں۔ میری کریہہ شکل دیکھ کر بلاشبہ تمہارے ذہن سے میری محبت کے نقوش مٹ گئے ہوں گے لیکن تمہاری دوستی اب بھی میرے لیے ایک نعمت ہو گی۔ اگر تم نے وہ بھی گوارہ نہ کی تو میں صبر کرنے کی کوشش کروں گا۔"

وہ نوجوانوں کے کے انداز سے اپنی جگہ سے اٹھا اور دیوار میں لگا گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ چند منٹ کے بعد ایک ملازم اندر آیا اور اس نے اسے عمدہ سی کافی تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے دروازہ بند کر لیا اور خانزادی کے سامنے بیٹھ گیا۔

اب سے پورے تین سو سال پہلے کی بات ہے کہ میری عمر اتنی ہی تھی جتنی کہ اس وقت نظر آ رہی ہے۔ میری اصل شکل ایسی ہی تھی جیسی اس وقت ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس وقت میں ایک جدید لباس میں ہوں اور اس وقت میں اس زمانے کا لباس استعمال کرتا تھا۔ شہنشاہوں کا دور تھا۔ میں بھی ایک چھوٹی سی حیثیت رکھتا تھا اور اس وقت کی فوج میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ دشمن میرے نام سے کانپتے تھے۔ میں نے شہنشاہ کے لیے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے جن سے شہنشاہ میری بہت عزت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شہنشاہ نے جشن فتح منایا۔ اس فتح کا سرا بھی میرے سر ہی تھا اس لیے شہنشاہ نے مجھے خصوصی

Pdfstuff.blogspot.com

حیثیت سے اس میں شریک کیا اور خلعت عنایت کیا۔ پھر رقص و سرور کی محفل ہوئی جس میں شہزادی مائرہ بھی شریک ہوئی۔ خواتین پردے میں تھیں اس لیے میں تو شہزادی کو نہ دیکھ سکا لیکن شہزادی مائرہ نے مجھے دیکھا اور پسند کر لیا۔ میں سادہ الفاظ میں اس چاہت کی داستان سنا رہا ہوں کیونکہ میری عمر اب چاہت کی چاشنی سے لطف اندوز ہونے کی نہیں ہے اور نہ میرے الفاظ میں وہ رومانیت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس دور کی بات دوسری ہے۔ شہزادی میرے عشق کی آگ میں سلگتی رہی اور جب اس سے برداشت نہ ہو سکا تو اس نے میرے نام ایک پیغام بھجوا دیا۔ پیغام میں ایک خوبصورت شام کو مجھ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔ اس پیغام میں مجھے کچھ شبہ ہوا لیکن میں ایک وفا شعار اور نمک حلال انسان تھا۔ شہزادی میرے لیے محترم تھی۔ وہ میری آقا زادی تھی' میں اس کے لیے ایسا تصور کس طرح کر سکتا تھا۔ بہرحال شہزادی کے حکم سے انکار کی بھی میری مجال نہ تھی۔ چنانچہ مجھے جو وقت دیا گیا تھا اس وقت میں مطلوبہ جگہ پر پہنچ گیا۔ ایک انتہائی حسین شام تھی۔ چاروں طرف برف پوش پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑ کے دامن میں شہزادی کے خوبصورت خیمے لگے ہوئے تھے۔ آسمان سے نکلے ہوئے چاند نے برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں کو چاندی کے ڈھیر میں بدل دیا تھا۔ ہلکی سنہری چاندنی نے ماحول میں آگ سی لگا دی تھی۔ خنک فضا میں اس حسین منظر نے مجھے بے خود کر دیا اور میں اس سے لطف اندوز ہوتا رہا اور اس چشمے کی طرف بڑھنے لگا جہاں مجھے پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا۔ چشمہ نہ جانے کہاں سے نکلا تھا اور کہاں تک گیا تھا' مجھے معلوم نہیں۔ میں تو چاند کی اس حسین تصویر کو دیکھ رہا تھا جو چشمے کے کنارے ایک اونچے پتھر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ چاندنی نے سمٹ کر انسانی شکل اختیار کر لی تھی۔ بلاشبہ وہ پیکر نور دنیا کا منتخب حسن تھا۔ لمبے لمبے سیاہ بال' دودھ جیسے چہرے پر پیچ و خم بناتے ہوئے پشت پر سے گزر کر پتھر پر بکھرے ہوئے تھے۔ سانچے میں ڈھلا

ہوا جسم ایک عجیب انداز بے خودی سے پتھر پر نصب تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں نیچے جھکی ہوئی' یاقوت سے تراشے ہوئے ہونٹ ایک دوسرے سے چپکے ہوئے تھے۔ چند قدم تو میں بے خود سا آگے بڑھتا رہا اور پھر ایک دم ٹھٹھک گیا۔

"یہ ارضی حور کون ہے۔ مجھے شہزادی کے حضور میں طلب کیا گیا تھا لیکن وہ شہزادی تو نہیں ہے۔ اگر وہ شہزادی ہے تو میری گستاخ نگاہی میرے اوپر عتاب لا سکتی ہے۔" اس تصور سے ہی میں سنبھل گیا اور میں نے اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے زور زور سے چند قدم زمین پر مارے جس سے وہ چونک پڑی اور سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہوں میں شوق تھا' استقبال تھا لیکن میں ان نگاہوں سے نگاہیں نہ ملا سکا۔ میری نظریں فرط رعب سے جھک گئیں۔

"مجھے شہزادی کے حضور طلب کیا گیا تھا۔" میں نے دبی زبان سے کہا۔ "آپ براہ کرم انہیں میرے آنے کی اطلاع کر دیں۔"

اور اس کے لب لعلیں مسکراہٹ کے انداز میں پھیل گئے۔ سچے موتی جیسے دانتوں کی چمک سے میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

"ہمارا نام ہی مائرہ ہے۔" نقرئی گھنٹیاں بج اٹھیں۔

میں شہزادی کے نام سے واقف تھا۔ حقیقت معلوم ہونے پر اور بھی مودب ہو گیا۔ "شہزادی کے حکم کے مطابق حاضر خدمت ہوں۔" میں نے بڑے ادب سے کہا۔

"آپ کی دلیری کے بڑے چرچے سنے تھے۔ ابا حضور تو آپ کی قصیدہ گوئی کرتے نہیں تھکتے۔ ہمیں بھی بڑی خواہش تھی۔ دوران جشن ہم نے آپ کو دیکھا اور بہت متاثر ہوئے لیکن ہم پردے میں تھے' آپ کے مقابل نہ ہو سکتے تھے۔ ہم نے آپ سے ملاقات کی آرزو کو دبانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور مجبوراً" ہمیں آپ کو یہاں بلانا پڑا۔ آپ کو ناگوار تو نہیں ہوا۔"

"میں شہزادی کا خادم ہوں۔ اشارے پر جاں نثار کرنے کو تیار ہوں۔ بھلا

pdfstuff.blogspot.com

شہزادی کی طلبی پر ناگواری کیسے محسوس کرتا۔" میں نے کہا۔

"اس وقت ہم ایک انسان کی حیثیت سے آپ سے ملے ہیں۔ براہ ک
ہمیں شہزادی کہہ کر مخاطب نہ کریں' ہمارا نام مائرہ ہے۔"

"میں شہزادی کے نام کو اپنے ہونٹوں سے لینے کی جسارت کیسے کر
ہوں۔"

"الیاس۔" شہزادی نے بے قراری سے کہا۔ "ہمیں بار بار اس طرح آ
کی اجازت نہیں مل سکتی۔ ہم اس مختصر وقت کو غنیمت جانتے ہوئے شرم و حیا
نظر انداز کرتے ہوئے آپ سے گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ ہماری بات کو سمجھنے
کوشش کریں۔ دوسروں کے لیے ہم کچھ بھی ہوں' آپ کے لیے صرف فیر
ہیں۔ کیا آپ ہمیں مائرہ کہہ کر نہیں پکار سکتے۔"

"میں اس جسارت سے خود کو معذور پاتا ہوں۔"

"الیاس' آخر آپ نہیں سمجھتے الیاس' ہم آپ کے لیے شہزادی نہیں ہ
م کیسے کہیں' للہ' آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہم --- ہم آپ سے مح
کرتے ہیں۔ ہم آپ کو چاہتے ہیں۔" شہزادی نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے چ
چھپا لیا۔

میرے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ شہزادی کی گفتگو سے میرے اس خیا
کی تصدیق ہو چکی تھی اور اب تو کوئی شبہ بھی نہیں رہا۔ شہزادی حسن میں
تھی لیکن میں اس کے باپ کا نمک خوار تھا۔ میں نمک حرامی نہیں کر سکتا تھا
میں شہزادی سے محبت کرنے کے باوجود اسے حاصل کرنے کی خواہش نہیں کر
تھا۔ وفاداری میرے جسم میں خون بن کر دوڑ رہی تھی۔ شہزادی نوجوان تھ
ناتجربہ کار تھی۔ وہ ناسمجھ دل کے ہاتھوں بے اختیار ہو کر اپنا وقار قربان کر بیٹ
تھی۔ لیکن میں ہوش و حواس میں تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں شہزادی کی محبت
جواب محبت سے دے بھی دوں تو میری تباہی کے علاوہ کچھ نہ ہو گا۔ بھلا مخ

میں ٹاٹ کا پیوند لگ سکتا ہے۔ میں شہزادی کے جھکے ہوئے سر اور ڈھکے ہوئے
چہرہ کو دیکھتا ہوں۔ اس نادان لڑکی کو سمجھانا ضروری ہے۔ چنانچہ میں نے آواز
سنبھال کر کہا۔

"شہزادی۔"

"مائرہ نہیں کہو گے۔" اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"میں اپنی حیثیت سے واقف ہوں شہزادی اور حیثیت کے دائرے سے نکل
کر کسی المیے کو جنم نہیں دینا چاہتا۔ آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ آپ
شہزادی ہیں' اگر وقتی طور پر آپ کسی ایسے جذبے سے متاثر ہو گئی ہیں تو اسے
بھلانے میں آپ کو دقت نہ ہو گی لیکن میری زندگی برباد ہو جائے گی۔ میں کہیں
کا نہ رہوں گا شہزادی' شہنشاہ کی نظروں میں الگ ذلیل ہوں گا اور اپنی زندگی
سے الگ ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ آپ میری گردن کاٹ سکتی ہیں شہزادی' مجھے
آپ پر زندگی نچھاور کر کے مسرت ہو گی لیکن میں آپ کی محبت قبول کر کے برباد
نہیں ہونا چاہتا۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کی محبت کو ٹھکرا
نہیں سکتا کہ میں آپ کے قدموں کی خاک ہوں۔ میں آپ سے محبت کر کے بھی
آپ کو پا نہیں سکتا۔"

"آپ یہ باتیں ہم پر چھوڑیں الیاس۔ ہم اباحضور سے خود بات کر لیں
گے۔ وہ ہمیں بہت چاہتے ہیں۔ اور پھر آپ بھی تو کوئی معمولی انسان نہیں ہیں۔
آپ اباحضور کی شان و شوکت کے ستون ہیں۔"

"شہزادی خدا کے لیے میری بات مان لیں۔ مجھے برباد نہ کریں۔" میں
گڑگڑایا اور شہزادی مائرہ نے اٹھ کر میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

"ہم آپ کے بغیر زندہ نہیں رہیں گے الیاس۔ اگر آپ نے ہمیں ٹھکرا دیا
تو ہم ضرور مر جائیں گے۔ ہم خود کو پرانے محل کے سانپ سے ڈسوا لیں گے۔
یہ ہمارا قول ہے۔"

PakistaniPoint.blogspot.com

"آپ جذباتی ہو رہی ہیں شہزادی۔ اگر آپ مجھے برباد کرنے پر تلی ہو ہیں تو ٹھیک ہے میں آپ پر اپنی زندگی وارنے کو تیار ہوں لیکن میری صرف ایک درخواست ہے کہ اگر شہنشاہ نے اس جرم کی پاداش میں میری گردن کٹ دی تو میری موت کے بعد آپ انہیں بتا دیں کہ میں نے نمک حرامی نہیں کی میں آپ سے محبت کرنے کے باوجود آپ کے حصول کی جرات نہیں رکھتا تھا۔ وعدہ کر لیں۔"

"الیاس۔" شہزادی نے اپنا سر میرے سینے سے لگا لیا۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ابا حضور ہم سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ و ہماری خواہش کو رد نہیں کریں گے۔"

اور میرے بازو خودبخود شہزادی کے مخمل کی طرح ملائم جسم کے گرد حمائل ہو گئے اور شہزادی بے خود ہو گئی۔ کئی منٹ تک ہم ایک دوسرے میں سمائے رہے اور پھر شہزادی نے مجھ سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا۔ اس نے کہا کہ دوسری ملاقات کے لیے وہ میرے پاس پیغام بھجوا دے گی اور دوسری ملاقات پر وہ مجھے یہ مژدہ بھی سنائے گی کہ اس نے شہنشاہ کو تیار کر لیا ہے۔ پھر میں اس سے رخصت ہو گیا۔ میں نے اپنے دل کو ٹٹولا کہ کیا درحقیقت میں بھی شہزادی سے عشق کرنے لگا ہوں؟ میں نے اپنے دل میں ایک ایسا تاثر ضرور پایا لیکن اس جذبے میں وہ شدت نہ تھی جو ہونی چاہئے۔ مجھے وہ حسین شہزادی بے حد پسند تھی لیکن میں اسے ناقابل حصول سمجھتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میری فطرت مجھے اس کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ میں اپنی آقازادی کی محبت میں گرفتار ہوں۔

○

دن گزرتے رہے اور پھر وہی ہوا جس کا شبہ تھا۔ ایک شام شہنشاہ کی خلوت میں میری طلبی ہو گئی۔ شہنشاہ کئی بار براہ راست مجھے ملاقات کا شرف بخش چکے تھے لیکن یہ ملاقاتیں دیوان عام میں ہوتی تھیں۔ میں آج تک ان کی خلوت میں نہیں گیا تھا لیکن اس شام مجھے خلوت میں بلایا گیا تھا۔ میں دل میں لاکھوں وسوسے لیے شہنشاہ کے حضور پہنچ گیا اور میں نے دیکھا کہ شہنشاہ کے چہرے پر جلال ہے۔ ان کی آنکھوں کے غصے کی چمک سے میں لرز گیا اور مجھے اپنی موت نظر آنے لگی۔ شہنشاہ کی خلوت میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ آج ان کے چہرے پر مجھے دیکھ کر وہ گرمجوشی پیدا نہیں ہوئی جو ہو جاتی تھی۔ میں ادب سے کھڑا رہا۔

"ہم جاننا چاہتے ہیں الیاس کہ ہمارے وقار کی موت کب' کیوں اور کیسے واقع ہوئی۔ ہمیں بالکل سچے جواب کی ضرورت ہے' جھوٹ کے ہم قطعی متحمل نہیں ہوں گے۔"

"میں وضاحت چاہتا ہوں عالم پناہ۔" میں پاٹ دار آواز میں بولا۔ نہ جانے میرے اندر وہ بے مثال جرات کہاں سے آ گئی تھی کہ میں نے شہنشاہ سے سوال کر ڈالا۔

شہنشاہ نے گہری نظروں سے میرا جائزہ لیا اور پھر اسی پرجلال لہجے میں بولے۔ "تم جانتے ہو الیاس کہ مائرہ نے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے اور تم اس بات سے ناواقف نہیں ہو۔"

پہلی بار میرے جسم میں ہلکی سی کپکپاہٹ پیدا ہوئی اور میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "عالم پناہ کو علم ہے کہ خادم حضور کے وقار پر اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کے لیے تیار ہے' پھر جہاں پناہ اس خادم سے اپنے وقار کی موت کا سوال کیوں کرتے ہیں۔"

"ہمیں بتاؤ الیاس' یہ سب کب اور کیسے ہوا؟"

PdfStuff.blogspot.com

"جشن کے روز شہزادی صاحبہ نے مجھے دیکھا اور پھر مجھے ان کا پیغام آقازادی کی حکم عدولی میرے لیے ممکن نہ تھی۔ میں حاضر خدمت ہوا آقازادی مجھے ایسا اعزاز بخشنے لگیں جس کا تصور بھی میرے لیے گناہ تھا۔ میں کہہ دیا کہ غلام اس کا اہل نہیں ہے لیکن معصوم اور ناتجربہ کار شہزادی میرا قبول کرنے کو تیار نہ تھیں۔ خادم کے لیے شہزادی بھی قابل احترام تھیں، کے اصرار پر خادم نے عرض کر دیا کہ خادم ان کی معصومیت پر اپنی جان کرنے کو تیار ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور خطا نہیں ہوئی ۔ عالم پناہ تاہم شہزادی نے اس غلام کے بارے میں کچھ اور کہا ہے تو غلام اپنے ہاتھ سے گردن پیش کرنے کو تیار ہے۔"

"ہمیں تمہاری وفا پر شک نہیں ہے الیاس لیکن شہزادی کی یہ خواہش ہے؟"

"وہ معصوم ہیں عالم پناہ' میری گزارش ہے کہ میری گردن قلم کرا کے کے حضور پیش کر دی جائے۔ میری آنکھیں نکال کر ان کے قدموں میں ڈال جائیں۔ شہزادی کو بتا دیا جائے کہ غلام اسی قابل ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی منہ دینا شہزادی کے شایان شان نہیں۔"

"ہمیں اور شرمندہ نہ کرو الیاس' ہم تم پر فخر کرتے ہیں۔ ہمیں تمہاری پر اعتماد ہے لیکن شہزادی ضدی ہے۔ اس نے ہمیں دھمکی دی ہے کہ اگر اس خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ جان دے دے گی۔ ہمیں مائرہ سے بے حد پیار لیکن اس کے ساتھ ہمیں اپنا وقار بھی عزیز ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ الیاس ملک چھوڑ دو' تمہاری تمام زندگی کی عیش و عشرت کی ذمہ داری ہم لیتے ہیں۔

"غلام کے لیے آقا کا اعتماد کافی ہے۔ غلام ابھی' اسی وقت یہ شہر' یہ چھوڑ دے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"ابھی نہیں' تم ایک ہفتے تک ہمارے دوسرے حکم کا انتظار کرو گے۔

شہزادی کے جنون کو پرکھیں گے اور اس کے بعد تمہیں اجازت دیں گے۔ تم سوچو گے الیاس کہ ہم کتنے خود غرض ہیں لیکن ہماری مجبوریاں بھی ذہن میں رکھو۔"

"مجھے احساس ہے عالم پناہ' میرے لیے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ حضور کو میرے اوپر اعتماد ہے۔" میں نے شہنشاہ کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور ان کی اجازت سے وہاں سے چلا آیا۔

تیسرے دن میرے پاس ایک خادم پہنچا اور اس نے مجھے شہنشاہ کا پیغام دیا۔ شہنشاہ نے مجھے فوراً" طلب کیا تھا۔ میں بادل نخواستہ چل پڑا۔ محل میں داخل ہوتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا۔ کوئی خاص بات ضرور تھی۔ آخرکار مجھے معلوم ہو گیا کہ شہزادی مائرہ چہل قدمی کرتے ہوئے پرانے محل میں جا نکلی تھیں اور پرانے محل کے سانپ نے انہیں ڈس لیا ہے۔

میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ضدی شہزادی نے اپنا قول پورا کر دیا تھا اور اس کی موت کا ذمہ دار میں تھا۔ میں شرمسار سا شہنشاہ کے حضور پہنچ گیا۔ شہنشاہ غم سے نڈھال بیٹھے تھے۔

"کچھ کرو الیاس' کچھ کرو۔ اس نے اپنی ضد پر قائم رہتے ہوئے وہ کر دکھایا ہے جو اس نے کہا تھا۔"

"خادم کی جان حاضر ہے۔ عالم پناہ حکم دیں۔ کیا شاہی طبیب ..."

"سب اپنی کوشش کر چکے ہیں۔ پرانے محل کا سانپ جس قدر زہریلا ہے اس کا تمہیں شاید اندازہ نہ ہو۔ وہاں اگی ہوئی گھاس کھا کر جانور مر جاتے ہیں۔ ہم کیا کریں الیاس بتاؤ ہم کیا کریں؟"

میں خود بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا' میں بھی شہنشاہ کی طرح مجبور تھا۔ میں تو شہزادی کو دیکھنے کی خواہش بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن شہنشاہ نے خود ہی اس کی پیش کش کر دی اور میں انکار نہ کر سکا۔ محل میں کہرام مچا ہوا تھا۔ شہزادی کا جسم

Pdfstuff.blogspot.com

نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ شاہی طبیب رو رہا تھا۔ اس کی تجربہ کاری کام نہ آ سکی۔ ا
نے کہا۔

"اگر سانپ اس زہر کو چوس لے تو شہزادی بچ سکتی ہے۔"

"جاؤ الیاس، کسی ایسے سپیرے کو تلاش کرو جو اس سانپ کو شہزادی کا زہ
چوسنے پر آمادہ کر سکے۔"

میں باہر نکل آیا۔ میں نے دوسرے لوگوں کو یہ کام کرنے کو کہا اور میر
قدم خود بخود پرانے محل کی جانب اٹھ گئے۔ نہ جانے کیوں میں ذہنی طور پر سخ
پریشان تھا۔ اگر شہزادی کو کچھ ہو گیا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہو گی۔ شہنشا
مجھے معاف کر دیتے تب بھی میں خود کو مجرم گردانتا۔

پورے شہر میں سپیروں کی تلاش جاری تھی۔ ابھی شہزادی کے ڈسے جا
کی اطلاع عام نہیں ہوئی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ وہ سانپ مجھے مل جا
اور کسی طرح میں اسے شہزادی کا زہر چوسنے پر آمادہ کر لوں۔ لیکن میں جانتا
کہ یہ خواہش حماقت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ تاہم غیرارادی طور پر می
پرانے محل کی جانب بڑھتا رہا جو اس نئے محل سے صرف ایک فرلانگ کے فاصلے
پر تھا۔ یہ محل آثار قدیمہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ نئے محل کو بنے ہوئے بھی سو سال
گزر چکے تھے لیکن پرانے محل کے کھنڈرات بھی باقی رکھے گئے تھے۔ کیونکہ
خاندان کی نشانی تھا۔ پرانا محل بالکل ویران تھا۔ اس میں جگہ جگہ گھاس اگی ہو
تھی اور اسی محل کے ایک حصے میں وہ سانپ رہتا تھا جو خود بھی اب اس محل ک
نشانی تھا۔

میں اس محل میں داخل ہو گیا۔ میرا ذہن سخت پریشان تھا۔ میری سمجھ می
کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ میں کھنڈرات میں اس سانپ کو تلاش کر ر
تھا۔ نہ جانے میں کتنی دور نکل آیا تھا۔ میں کھنڈر کے ایک ٹوٹے ہوئے ستون
کے قریب سے گزر رہا تھا کہ میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ ایک چٹان پر ایک

نص بیٹھا ہوا تھا۔ فقیروں کے سے کپڑے پہنے، لمبے لمبے بال اور عجیب سا چہرہ،
جانے مجھے اس کا چہرہ اتنا عجیب کیوں لگا تھا حالانکہ وہ درمیانی عمر کا ایک قبول
ورت انسان تھا۔

شاید کوئی فقیر ہے جو بھٹکتا ہوا ادھر آ نکلا ہے۔ میں نے سوچا۔ سانپ کی
وجودگی سے لاعلم ہے ورنہ اس طرح نہ بیٹھتا۔ میں نے سوچا اسے اس خطرناک
کھنڈر سے باخبر کر دوں جو اس سانپ کا مسکن ہے اور میں اس کی طرف بڑھ
لیا۔ وہ مجھے دیکھ کر عجیب سے انداز مین مسکرانے لگا۔

"شاید تم فقیر ہو؟" میں نے کہا۔

"ہاں تمہارا خیال درست ہے۔" اس نے صاف آواز میں کہا۔

"یہ کھنڈرات خطرناک ہیں۔ یہاں ایک زہریلا سانپ رہتا ہے۔"

"فقیروں کو کون نقصان پہنچا سکتا ہے۔" اس نے شان بے نیازی سے کہا۔

"کل ہی اس سانپ نے شہزادی کو ڈس لیا ہے اور اس وقت وہ زندگی اور
وت کی کشمکش میں گرفتار ہے۔"

"اور تم شاید اس سانپ کی تلاش میں آئے ہو۔" اس نے بدستور
سکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں تمہارا خیال درست ہے۔ لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے
یرت سے کہا۔

"فقیروں سے کون سی بات چھپی ہے۔" اس نے اسی انداز سے کہا۔

"تب تو ... تب تو تم اس سلسلہ میں ہماری مدد کر سکتے ہو۔" میں نے بے
ختیار کہا۔

"کیوں نہیں، شہزادی کا زہر آسانی سے اتر سکتا ہے خواہ کتنے ہی خطرناک
سانپ کا ہو۔" اس نے بڑے اعتماد سے کہا اور میں بے چین ہو گیا۔ میں نے بے
اختیار ہو کر اس کے پاؤں پکڑ لیے۔

PdfStuff.blogspot.com

"اگر تم اس سلسلے میں کچھ مدد کر سکتے ہو تو خدا کے لیے میری مدد کرو۔ میں تمہاری جھولی جواہرت سے بھر دوں گا۔ آج تم فقیر ہو کل غنی کہلاؤ گے۔ خدا کے لیے میری مدد کرو۔"

"فقیروں سے دولت کی بات کر کے ان کی توہین مت کرو نوجوان۔ دولت تو ہمارے لیے حقیر سی شے ہے۔ ہاں کچھ اور چیزیں ہوتی ہیں جن کے ہم بھی محتاج ہوتے ہیں۔ اگر تم مجھ سے ایک معاہدہ کرو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

"میں تیار ہوں، تم جلدی بتاؤ، شہزادی کی زندگی کا ایک ایک پل قیمتی ہے۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو بہت سی زندگیاں تباہ ہو جائیں گی۔"

"اسے کچھ نہیں ہو گا۔ یہ میرا وعدہ ہے مگر معاہدہ پہلے۔"

"جلدی بتاؤ، کیا معاہدہ ہے۔" میں نے بے صبری سے کہا۔

"ایسے نہیں دوست۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس معاہدے سے پھرنے کی کوشش کرو گے۔ میں ایسی ضمانت چاہتا ہوں کہ جس سے پھر انکار نہ ہو سکے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں قول کا سچا ہوں اور زبان کا دھنی۔ ہم لوگ اپنے قول سے نہیں پھرتے۔" میں نے غصے سے کہا۔

"ٹھہرو، یہیں رکو۔" اس نے کہا اور ستون کے عقبی حصے سے گزر کر نہ جانے کس طرف چلا گیا۔ میں بے چینی سے اس کا منتظر تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا پتھر تھا جسے اس نے بڑے احترام سے دونوں ہاتھوں سے تھاما ہوا تھا۔ وہ پتھر سامنے کیے آگے بڑھا اور میرے قریب پہنچ گیا۔

"یہ مقدس پتھر ہے۔ جو کوئی اس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہے وہ اپنے عہد کی تکمیل کے لیے مجبور ہوتا ہے ورنہ ہزاروں سانپ اس کے جسم سے لپٹ کر

ں کے خون کا ایک ایک قطرہ چوس جاتے ہیں۔ تم اس پتھر پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ ہ سے جو وعدہ کرو گے اسے پورا کرو گے۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تمہارا کام کروں گا۔ مائرہ کی زندگی تمہارے ے بہت قیمتی ہے۔ جب اسے بچانے کے لیے تم اپنی جان دینے کے لیے تیار ہو پھر ہر شرط معمولی ہے۔ تم ہچکچا کیوں رہے ہو؟"

"ٹھیک کہتا ہے یہ۔" میں نے سوچا۔ زیادہ سے زیادہ یہ میری زندگی مانگ تا ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو گا۔ چنانچہ میں نے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھا کر ا۔

"میں عہد کرتا ہوں کہ اگر فیروزہ کی زندگی بچ گئی تو تمہاری پیش کی گئی ہر رط قبول کر لوں گا۔"

"شکریہ۔" اس نے کہا اور دوبارہ اندر چلا گیا۔ پتھر رکھ کر واپس آیا اور بولا۔ "میں تیار ہوں۔"

میں اسے لے کر نئے محل کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اندر گیا۔ شہنشاہ نے ہم دونوں کی پذیرائی کی۔

"شہزادی کون سے کمرے میں ہے۔" اس نے پوچھا اور شہنشاہ ہمیں لے کر ں کمرے کی طرف چل پڑے۔

"دوسرے لوگوں کو کمرے سے ہٹا دیا جائے۔ پچاس گز سے قریب رہنے کسی کو بھی اجازت نہیں ہے۔" اس نے کہا اور پھر جب دوسرے لوگوں کے ھ میں بھی نکلنے لگا تو اس نے آواز دے کر مجھے روک لیا۔

"تمہیں میری مدد کے لیے یہاں رکنا ہو گا۔" اس نے کہا۔

شہنشاہ کو مجھ پر اعتماد تھا اس لیے وہ بھی باہر نکل گئے اور اس نے اندر سے ہ بند کر لیا۔ پھر وہ آگے بڑھ کر شہزادی کی مسہری کے قریب پہنچ گیا۔ شہزادی

pdfstuff.blogspot.com

کا جسم شیشے کی طرح چمکدار اور نیلا ہو چکا تھا۔ بڑا خوفناک زہر تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ نہ جانے یہ خبطی فقیر کیا کرتا ہے۔ یہ زہر اتار بھی سکے گا کہ نہیں۔

فقیر نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ "اب جب کہ تم مقدس پتھر پر ہاتھ رکھ کر میرے ساتھ عہد وفا کرنے کی قسم کھا چکے ہو تو یہ سمجھو کہ میرے تمام راز تمہارے ہو گئے۔ میری حقیقت اگر تمہیں معلوم ہو جائے تو کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ آج نہیں تو کل مجھے اپنی اصلیت تم پر ظاہر کرنی ہے اور اب یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ تم اپنا عہد نبھا کر میرے دوست بنو گے یا عہد شکنی کر کے نہ صرف مقدس پتھر کا عذاب مول لو گے بلکہ میری دشمنی بھی تمہارے ساتھ رہے گی۔ بہرحال میری سب سے پہلی شرط یہی ہے کہ تمہیں میرا راز فی الحال راز رکھنا ہو گا۔"

"کون سا راز۔" میں نے پوچھا۔

تب اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے۔ اس کا منہ چھت کی طرف ہو گیا اور پھر میں نے اس کے جسم سے ایک عجیب سا دھواں خارج ہوتے دیکھا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھتا جا رہا تھا اور دھواں تیزی سے بلند ہو رہا تھا۔ پھر اس کے جسم پر سیاہی دوڑنے لگی۔ اس کا چہرہ تاریک ہونے لگا اور صرف چند ساعت کے بعد میرے حلق سے دہشت کی ایک چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

فقیر کی جگہ اب وہاں ایک سیاہ رنگ کا بہت بڑا سانپ جھوم رہا تھا۔ کوڑیالا سانپ، جس کی جلد عام سانپوں سے کہیں زیادہ چمکدار اور خوبصورت تھی۔ اس کی جسامت بھی عام سانپوں سے بڑی تھی اور ایک عجیب سا بانکپن تھا اس میں۔ میں نے بمشکل خود کو سنبھالا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ماجرا ہے۔ پھر مجھے زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ لہراتا ہوا شہزادی کی مسہری کی طرف بڑھا اور اس کا آدھا جسم اوپر پہنچ گیا۔ وہ اب شہزادی کے لباس میں داخل ہو رہا تھا پھر اس نے شہزادی کے زخم

کو عریاں کیا اور چند لمحے اس پر جھومتے رہنے کے بعد اپنا منہ اس زخم پر چپکا دیا۔ شاید وہ شہزادی کے زخم سے زہر چوس رہا تھا۔

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی اسے اور کبھی شہزادی کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر سے اور جسم سے نیلاہٹ یوں غائب ہو رہی تھی جیسے نیلے رنگ پر گلابی رنگ کیا جا رہا ہو۔ پورے ایک منٹ تک وہ زہر چوستا رہا۔ پھر اس نے زخم سے منہ ہٹا لیا اور شرابی کی طرح جھومنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے نشہ ہو گیا ہو۔ اس کے بعد وہ مسہری سے ہٹ گیا اور سیدھا زمین پر لیٹ گیا۔ میں نے کسی سانپ کو اس طرح سیدھا لیٹتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس طرح وہ لیٹا ہوا اور بھی خوفناک لگ رہا تھا۔

پھر میں نے اس کا حجم بڑھتے ہوئے دیکھا۔ اب وہ انسانی شکل میں آ رہا تھا اور چند لمحات کے بعد میرے سامنے وہی بوڑھا فقیر لیٹا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں نشے کی سی کیفیت تھی۔

"مجھے سہارا دو۔" اس نے کمزور سی آواز میں کہا اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے ہاتھ کے سہارے سے اسے اٹھایا اور وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "چلو باہر چلو۔"

میں سہارا دے کر اسے باہر لے آیا۔ باہر سب لوگ ہمارے منتظر تھے۔ خود شہنشاہ بھی ان میں موجود تھے۔ انہوں نے بے چینی سے شہزادی کا حال پوچھا۔

"اندر تشریف لے جائیے جہاں پناہ۔ شہزادی صاحبہ ٹھیک ہو گئی ہیں۔" میں نے کہا اور شہنشاہ رعب شاہی بھول کر تیزی سے اندر لپکے اور میں فقیر کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"تم اگر چاہو تو ابھی یہاں رک سکتے ہو۔ کل صبح اسی جگہ میں تمہارا انتظار کروں گا جہاں ہماری ابھی ملاقات ہوئی تھی۔" اس نے کہا۔

میں نے اس کی شکل دیکھی وہ پراسرار انداز میں مسکرا رہا تھا۔ بہرحال میں

PdfStuff.blogspot.com

محل میں واپس آ گیا۔ میری عقل خبط ہو رہی تھی۔ میں غور کر رہا تھا کہ انسان
سانپ کیسے بن گیا۔ اس سلسلے میں میں نے روایات تو سنی ہوئی تھیں لیکن میں
انہیں صرف کہانیاں اور روایات ہی سمجھتا رہا تھا۔ لیکن آج میری ذہنی کیفیت
عجیب ہو رہی تھی۔ مجھے اس عہد کا بھی احساس تھا جو میں نے ایک سانپ سے کیا
تھا۔ نہ جانے وہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتا تھا۔

اندر آ کر مجھے اطلاع ملی کہ شہزادی ہوش میں آ گئی ہے اور اسے شدید
پیاس ہے اور شاہی طبیب اس کے لیے شربت خاص تیار کر رہے ہیں۔ پھر شہنشاہ
نے مجھے ایک بار اور اپنی خلوت خاص میں بلا کر میری عزت افزائی کی۔ انہوں
نے شہزادی کی زندگی بچانے پر میرا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اب میں ان کی عزت
بچا لوں اور فوراً یہ ملک چھوڑ دوں۔ جس پر میں نے کہا۔

"میں جہاں پناہ کے حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہوں لیکن تھوڑی سی مہلت
مجھے درکار ہے۔ بہرحال میں اپنے مکان میں نہیں رہوں گا اور جتنے دن بھی یہاں
گزاروں گا گمنامی کی حالت میں گزاروں گا۔"

مجھے اس بات کی اجازت مل گئی اور میں وہاں سے چلا آیا۔ میں تمہیں
چکا ہوں کہ شہزادی سے مجھے انسیت ضرور ہو گئی تھی لیکن اسے عشق نہیں کہا
سکتا تھا۔ اس نے میرے لیے جان دینے کی کوشش کی تھی۔ اس بات سے میں
بہت متاثر ہوا تھا لیکن شہنشاہ کا وقار بھی مجھے عزیز تھا اور میں خود وہاں سے
جانا چاہتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے اپنے عہد کا بھی احساس تھا۔ میں سانپ
کی خواہش کو بھی پورا کرنا چاہتا تھا۔

دوسرے دن صبح کو میں پرانے محل کی طرف چل پڑا۔ میرے جسم پر سا
لباس تھا تاکہ لوگ میری طرف متوجہ نہ ہو سکیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ا
کھنڈر نما محل میں داخل ہو کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں پہلی بار میں نے اس فقیر
دیکھا تھا۔ میرے پہنچنے کے چند منٹ بعد وہ اسی ستون کے پیچھے سے برآمد ہوا

اور مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"بیٹھو دوست۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے لیے پرتکلف کرسی مہیا
نہیں کر سکتا۔ نہ ہی تمہیں اپنی رہائش گاہ میں لے جا سکتا ہوں کیونکہ وہاں تم
داخل بھی نہ ہو سکو گے۔" اس نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہا اور میں
اس پتھر پر بیٹھ گیا۔

"شہزادی تو ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں' وہ ہوش میں آ گئی تھی۔ اس کے بعد مجھے اس کی کیفیت کے بارے
میں علم نہیں۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ نہ جانے وہ کیوں یہاں نکل آئی تھی۔
پورے محل میں چکراتی پھر رہی تھی۔ پھر وہ میرے بل کے نزدیک آ گئی۔ میں تو
اپنی عادت سے مجبور ہوں لیکن خیر اس کے ذکر کو چھوڑو۔ ہاں کیا تم اپنے عہد پر
قائم ہو؟"

"کیا تم مجھے عہد شکن سمجھتے ہو؟"

"کیا تم میری اس شرط سے ناراض ہو؟"

"نہیں' ابھی تو مجھے تمہاری شرط ہی معلوم نہیں۔" میں نے کہا۔

"تب سب سے پہلے تم میری دوستی کو قبول کرو۔ دوستوں کی حیثیت سے
ہم ایک دوسرے کے زیادہ قریب آ سکتے ہیں۔"

"میں پہلے تمہاری وہ شرط معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے تمہاری شرط
ایسی ہو کہ ہماری دوستی برقرار نہ رہ سکے۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔

"دوست بن کر میں تم سے کوئی ایسا کام نہ لوں گا جس سے تمہاری دل
شکنی ہو تاہم تمہیں دوست بنانے سے پہلے میں تمہارے دل میں کوئی بھی شک
نہیں رہنے دینا چاہتا۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تم دیکھ چکے ہو کہ میری
اصلیت کیا ہے۔ میں سانپ ہوں اور کچھ ایسی قوتیں رکھتا ہوں جو تمہارے پاس

pdfstuff.blogspot.com

نہیں ہیں لیکن تم انسان ہو۔ اشرف المخلوقات' بلاشبہ تم ایسی بہت قوتیں رکھتے ہو جو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ مجھے تمہاری وہی قوتیں درکار ہیں۔ میں تمہاری ان قوتوں سے کام لے کر اپنے ایک دشمن کو ہلاک کرنا چاہتا ہوں جو انسان نہیں سانپ ہے۔" اس نے پراسرار لہجے میں کہا اور میں ششدر رہ گیا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولا۔

"میں تم سے کیے گئے عہد کا یہی صلہ چاہتا ہوں۔ اس کے بعد بھی تم میری دوستی قبول کرو گے یا نہیں؟"

"کیا تمہارے دشمن کو ہلاک کرنا میرے اختیار میں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں' ورنہ میں تمہیں تکلیف نہ دیتا۔ میں تمہاری پوری مدد کروں گا۔ میں خود بھی اسے ہلاک کر سکتا ہوں لیکن ایک عہد کے تحت ایک دوسرے پر ہم وار نہیں کر سکتے۔ ہم نے مقدس پتھر کی قسم کھائی ہے اور اس سے انحراف ہمیں جلا کر کوئلہ کر دے گا۔"

"تمہارا دشمن کہاں ہے؟"

"ہماری سلطنت میں۔ میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا۔"

"وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"ہماری دنیا تمہاری دنیا سے بہت دور ہے۔ سب سے الگ تھلگ لیکن وہ ہے اسی زمین پر اور تمہیں بغیر کسی تکلیف کے وہاں تک لے جانا میرا کام ہے۔"

میں گردن جھکا کر سوچنے لگا کہ مجھے یہاں سے جانا تو ہے ہی اور پھر میں اس سے وعدہ بھی کر چکا ہوں۔ اس لیے اگر اس کا ساتھ رہے تو کیا حرج ہے۔ اس طرح کم از کم کوئی مصروفیت تو ہو گی اور میں اپنی چھن جانے والی چیزوں کے غم سے بھی محفوظ رہوں گا۔ چنانچہ میں نے حامی بھر لی۔

"کیا اب بھی میں تمہاری دوستی کے قابل نہیں ہوں۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں اب ہم دوست ہیں۔" میں نے کہا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

س نے محبت سے میرا ہاتھ اپنے لجلجے ہاتھ میں تھام لیا۔ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے اور پھر وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"اب میں دیکھوں گا بوڑھا شگاش کس قدر چالاک ہے۔ اس کی تمام سازشیں ناکام ہو جائیں گی اور میری کھوئی ہوئی سلطنت واپس مل جائے گی۔ حکومت کی ہوس اور اس کے حصول کیلئے سازشیں تم انسانوں تک ہی محدود ہیں ہیں دوست۔ بلکہ جس ذی روح کو حکومت کی چاٹ پڑ جائے وہ اس کے حصول کے لیے دوسروں کو نیچا دکھانا چاہتا ہے۔"ہماری بھی ایک بستی ہے جہاں ہمارے تمام ساتھی آباد ہیں۔ ہم بھی حکمران ہوتے ہیں اور یہ منصب ہمیں قدرت کی طرف سے ہی بخشے جاتے ہیں۔ ناگوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں جن میں حکمران ناگ بھی ہوتے ہیں۔ یہ حکومت نسل در نسل چلتی ہے اور اس بستی میں حکمرانی پشت ہا پشت سے میری نسل کے پاس تھی۔ میرا باپ بھی حکمران تھا اور دادا بھی اور دوسرے لوگ بھی۔ اصول کے مطابق نیا حکمران میں تھا لیکن بوڑھا شگاش ہزارہا سال سے اس آگ میں سلگ رہا تھا کہ بے شمار قوتیں رکھنے کے باوجود وہ حکومت کیوں نہیں کر سکتا۔ ہمارے بزرگوں کے دور میں اس کی چل نہ چلی لیکن میرے باپ کے انتقال سے پہلے اس نے اپنی بیٹی کی مدد سے ایک سازش کی۔ اس کی بیٹی سانپوں کے قبیلے کی سب سے حسین ناگن تھی اور شبہ میں اس ناگن سے اپنا دل ہار گیا۔ حکمران کے لیے پاکباز ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس میں کچھ صفات ہوتی ہیں جن سے وہ دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے لیکن یہ میری کمزوری تھی۔ تاہم عشق کرنا کوئی بری بات نہیں تھی۔ میں رکابہ کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔ وہ بھی اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ میرے پاس پر بجلیاں گراتی رہی۔ میں اس سے شادی کر سکتا تھا لیکن حکمران بننے کے بعد۔ پھر میرے باپ کا انتقال ہو گیا اور مجھے حکمران بنانے کی تیاریاں ہونے لگیں اور جس دن مجھے حکمران بنایا جانے والا تھا مرتام اچانک دربار عام میں پہنچ گئی۔

Pdfstuff.blogspot.com

اس نے رو رو کر سب کو بتایا کہ ایسا حکمران نہ بنایا جائے جس کے دور میں کر
ناگن کی عزت محفوظ نہ رہے۔ اس نے میرے اوپر الزام لگایا کہ میں
زبردستی اس کی عزت لوٹی ہے اور میں اس قابل نہیں کہ حکمران بنایا جاؤں
مرتام سے میری چاہت کے اور بہت سے گواہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے ا
بات کی تصدیق کر دی کہ میں مرتام کو پسند کرتا ہوں۔ میں ایسا بدحواس ہوا
اپنی صفائی میں کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ مجھے مرتام کی بے وفائی کا بہت صدمہ ہوا تھ
اگر وہ چاہتی تو میں اس کے کہنے سے حکومت اسے دے سکتا تھا۔ وہ اپنے باپ
حکمران بنا سکتی تھی لیکن اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی تھی اور میرا دل ٹو
گیا۔ میں نے اس کی بات کی تردید بھی نہ کی۔ اگر کوئی عام سانپ ایسی حرکت
کرتا تو اسے موت کی سزا دی جاتی اور اسے شنزار کی آگ میں کودنا پڑتا جو دیو
کا غار کہلاتا ہے لیکن میں حکمران نسل سے تھا اور ہونے والا حکمران تھا اس
میرے ساتھ یہ رعایت کی گئی کہ مجھے اس بستی سے نکال دیا گیا اور پھر میر
نکلنے کے بعد کون تھا جو حکومت کا طلب گار ہوتا سوائے شکاش کے۔ لوگوں
اسے حکمران بنایا اور میں دل شکستہ ہو کر دربدر پھرنے لگا۔ مجھے مرتام کی
وفائی کا صدمہ تھا۔ میں نے وہ بستی چھوڑ دی اور نہ جانے کہاں کہاں مارا پھ
رہا۔ میرے دل میں آتش انتقام سلگ رہی تھی لیکن میں بذات خود شکاش
انتقام نہیں لے سکتا تھا اور اب میں تمہاری مدد سے اپنی کھوئی ہوئی سلطن
دوبارہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

میں حیرت اور دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ کیسی عجیب کہانی تھ
ایک انوکھی دنیا کی کہانی جہاں سانپ رہتے تھے' جہاں سانپوں کی سیاست تھی لیک
ان سانپوں کی سلطنت میں ایک انسان کا گزر کیسے ہو سکتا تھا۔ میں خوفزدہ بھی
لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرے دل کے انتہائی گوشوں میں ایک خواہش پ
رہی تھی۔ اس انوکھی دنیا کو دیکھنے کی خواہش اور خوف و دلچسپی کی کشمکش میں

نے اس کے کام کرنے کے لیے حامی بھر لی۔ اس نے نہایت گرمجوشی سے میرا
شکریہ ادا کیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ مجھے اپنی دنیا تک کیسے لے جائے گا
جس کے جواب میں اس نے کہا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ بعض قوتیں ہمارے اندر تم سے بڑھ کر ہیں اور
بعض معاملات میں تم ہم سے آگے ہو۔ میں انہیں قوتوں سے کام لوں گا۔ تم فکر
نہ کرو اور سفر کے لیے کب تک تیار ہو سکتے ہو' یہ بتاؤ۔"

"جلد از جلد' جب تم کہو۔" میں نے کہا۔

"تب پھر ہم کل روانہ ہوں گے۔" اس نے کہا۔

دوسرے دن کچھ ضروری سامان لے کر میں خاموشی سے پرانے محل میں
پہنچ گیا۔ میں نے شہنشاہ کو اپنی روانگی کی اطلاع دینے کی ضرورت بھی نہ محسوس
کی۔ اب میں اس ملک کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ رہا تھا۔ اگر اس کام کو کر کے میں
زندہ بچ بھی گیا تو بھی میں یہاں آنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ میرا منتظر تھا۔
مجھے دیکھ کر اس نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور پھر اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر
کے پرانے محل سے نکل آیا۔ آج اس نے لباس بھی عمدہ پہن رکھا تھا اور چہرے
کی بشاشت سے خاصا اچھا لگ رہا تھا۔

راستہ چلتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔ "مجھے تمہاری بستی وغیرہ کے
بارے میں تو معلوم ہو گیا لیکن ابھی تک تمہارے نام سے ناواقف ہوں۔"

"ارے ہاں' اتفاق سے میں تمہیں اپنا نام بتانا بھول گیا ہوں۔ میرا نام
روناس ہے۔"

"اب کیا پروگرام ہے روناس' ہم کہاں چل رہے ہیں؟"

"بندرگاہ۔ ایک جہاز اس بندرگاہ سے لنگر اٹھانے والا ہے۔ ہم اس سے
سفر کریں گے جہاز تو ایک دوسرے ملک جاتا ہے لیکن پہلے وہ میری سرزمین پر
جائے گا پھر اور کہیں۔" اس نے بڑے اعتماد سے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

pdfstuff.blogspot.com

میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیا کرے گا اور ہم بندرگاہ پہنچ گئے تھے۔ جہاز پر سامان بار ہو چکا تھا۔ جہاز سے سفر کرنے والے مسافر اس پر پہنچ گئے تھے اور اب کی اس کی آخری چیکنگ ہو رہی تھی۔ جب سارا کام مکمل ہو گیا تو روناس نے میرا ہاتھ پکڑا اور ڈیک سے گزر کر جہاز پر جانے والے تختے پر چڑھنے لگا۔ جہاز کا کپتان اپنے آدمیوں کو ہدایات دے رہا تھا اور تختہ اٹھایا جانے والا تھا۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

"ضرور کوئی اعتراض کرے گا۔" میں نے سوچا۔ حالانکہ ابھی میری حیثیت اتنی تھی کہ اگر میں چاہتا تو پورا جہاز خالی کرا سکتا تھا لیکن اس وقت میں عام حیثیت سے تھا اور لوگ مجھے پہچانے بھی نہیں تھے۔ جہاز کا کپتان ہمارے سامنے پہنچ گیا اور بولا۔

"آپ کون ہیں اور جہاز پر کیوں آئے ہیں؟"

"مسافر ہیں' آپ کے جہاز سے سفر کریں گے۔" اس نے کپتان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے ایک عجیب سی پراسرار روشنی اس کی آنکھوں سے خارج ہوتی ہوئی محسوس کی۔ کپتان پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو گیا۔ وہ روناس کی آنکھوں سے نظریں نہ ہٹا سکا۔

"آپ ہمارے لیے فوری انتظام کریں گے۔ آیئے۔" روناس نے کہا اور کپتان اس کے ساتھ چل پڑا۔ پھر اس نے خصوصی کیبن کا بندوبست ہمارے لیے کر دیا اور ہم اس میں مقیم ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جہاز نے لنگر اٹھا دیے۔ میں حیرت زدہ تھا لیکن اس وقت وطن سے جدا ہونے کا غم بھی تھا جس نے مجھے افسردہ کر دیا تھا۔ روناس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں جس دنیا میں لیے جا رہا ہوں وہ تمہاری دنیا سے زیادہ دلکش ہے۔ ناگن حسینائیں حسن میں بے مثال ہیں۔ وہ بڑی چاہت سے تمہارا استقبال کریں گی۔ اس کے علاوہ وہاں تمہیں ہر وہ نعمت میسر ہو گی جس کو تم پسند کرو

گے پھر بھی اگر تمہارا دل اس دنیا سے اکتا جائے تو تم اپنی دنیا میں واپس آ سکتے ہو۔ میں تمہاری پوری مدد کروں گا۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جہاز سفر کرتا رہا۔ کپتان تو ہمارے حکم کا غلام تھا اور دوسرے لوگوں کو بھی روناس نے مطیع کر لیا تھا اور سب اس کے حکم پر دوڑے دوڑے پھر رہے تھے۔ سفر کا چھٹا دن تھا۔ جب جہاز کے مسافروں نے ایک جگہ جمع ہو کر چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ ان کا خیال تھا کہ جہاز صحیح راستے پر نہیں جا رہا ہے۔ اور پھر وہ کپتان کے کیبن کی طرف چل دیے۔ انہوں نے کپتان سے یہی سوال کیا۔

"ہاں ٹھیک ہے' جہاز اس راستے سے نہیں جا رہا جس سے اسے جانا تھا۔ ادھر سمندر کا تلاطم ہے اور وہاں خطرات پیش آ سکتے ہیں۔ اس طرح جہاز کا سفر کچھ طویل ضرور ہو گیا ہے مگر بہرحال خطرات سے مبرا ہے۔" کپتان نے جواب دیا اور لوگ کسی قدر مطمئن ہو گئے لیکن روناس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"کپتان کو معلوم ہے کہ اسے کس راستے سے جانا ہے۔ وہ ہمیں ہماری سرزمین پر چھوڑے بغیر کیسے جا سکتا ہے۔" اس نے لوگوں سے ہٹ کر مجھے کہا اور میں چونک پڑا۔

"اوہ تو راستہ اس لیے بدلا گیا ہے۔"

"ظاہر ہے میرے دوست۔" اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

جہاز کا سفر مزید سات دن تک جاری رہا اور پھر ایک سیاہ لکیر سمندر میں نمودار ہوئی۔ روناس بولا۔

"آہ میرے دوست الیاس۔ میں تقریباً" سات سو سال کے بعد دوبارہ اپنی سرزمین دیکھ رہا ہوں۔"

PdfStuff.blogspot.com

"سات سو سال۔" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں میرے دوست، تمہیں حیرت کیوں ہوئی۔"

"میری عمر سترہ سو سال ہے۔ تمہیں شائد اس بات کا علم ہو گا کہ ہماری عمریں بے حد طویل ہوتی ہیں۔ بوڑھے شگاش کی عمر اس وقت تین ہزار سال ہے۔ جب اس نے مجھے وہاں سے نکالا تھا۔ ہمارے ہاں ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے اس دنیا کے ہزاروں دور دیکھے ہیں۔ نبیوں اور پیغمبروں کے دور کے بزرگ بھی موجود ہیں اور جب وہ ان ادوار کی داستانیں سناتے ہیں تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

میں حیرت زدہ اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔

لکیر نمایاں ہوتی رہی پھر یہ زمین صاف نظر آنے لگی۔ جہاز اسی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ سمندر میں لنگر انداز ہو گیا۔ کپتان نے لوگوں کو بتایا کہ جہاز کی کچھ مرمت کرنا ہے اس لیے آج رات جہاز یہاں رکے گا۔ رات کی تاریکی میں اس نے ہمارے لیے ایک کشتی کا انتظام کر دیا اور ہماری کشتی وہاں سے خاموشی سے جزیرے کی طرف روانہ ہو گئی۔

یہ بڑا خوفناک جزیرہ تھا۔ رات کی تاریکی نے اسے حد سے زیادہ بھیانک بنا دیا تھا۔ مجھے تاریکی میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ چلتے ہوئے کئی بار ٹھوکر لگی تو روناس نے مجھے کہا۔

"میرا خیال ہے تمہیں تاریکی میں چلنے سے دقت ہو رہی ہے۔ اس لیے رات آرام کرنے کے بعد صبح آگے بڑھیں گے۔"

ہم وہیں ایک چٹان پر سو گئے۔ صبح میری آنکھ کھلی تو مجھے کچھ سرسراہٹیں سنائی دیں۔ میں چونک پڑا۔ میں نے اردگرد نظر دوڑائی تو میرا جسم پسینے سے تربتر ہو گیا۔ ہم سے کچھ فاصلے پر بے شمار سانپ اپنے چوڑے پھن پھیلائے گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ میں نے ہمت کر کے سوئے ہوئے روناس کو جگایا۔ وہ اٹھ کر

بیٹھا تو میں نے ان سانپوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے ان سانپوں کو دیکھا تو اچھل کر رہ گیا۔ چند لمحے غصے سے وہ انہیں دیکھتا رہا پھر بولا۔

"یہ سب نمک حرام شگاش کے سپاہی ہیں اور ہمیں گرفتار کرنے آئے ہیں۔ ٹھیک ہے ان لوگوں سے جنگ کرنا مناسب نہیں۔ ہم ان کے ساتھ چلتے ہیں۔ بعد میں کوئی ترکیب کریں گے۔ میں دیکھوں گا یہ ہمارا کیا بگاڑتے ہیں مگر سنو۔" یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اور کوئی چیز اگل دی۔ یہ اس کا منکا تھا۔ اسے کپڑے سے صاف کر کے اس نے وہ میری طرف بڑھا دیا اور بولا۔ "تم اسے نگل لو، اس طرح یہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔"

میں نے وہ منکہ نگل لیا۔ "خانزادی۔ یقین کرو منکہ نگلتے ہی میری شخصیت ہی بدل گئی۔ میں اپنے اندر بے پناہ قوت محسوس کرنے لگا۔"

اس کے ساتھ ہی ہم دونوں کھڑے ہو گئے اور سانپوں کے دائرے میں آگے بڑھنے لگے۔ ہمارا رخ اس بڑے پہاڑ کی طرف تھا جس کا رنگ دوسرے پہاڑوں کی طرح سیاہ نہ تھا۔ پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر ہم ایک بہت بڑے غار کے دہانے میں داخل ہو گئے جس سے ڈھلوان شروع ہوتی تھی۔ تمام سانپ بدستور ہمارے گرد حلقہ بنائے چل رہے تھے۔ جانے کتنی گہرائی میں جانے کے بعد ہم یکدم کھلی فضا میں پہنچ گئے اور یہاں کا منظر دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔

"بلاشبہ خانزادی۔ روناس نے غلط نہیں کہا تھا، ایسی حسین وادی میں نے اس سے قبل نہیں دیکھی تھی ایسا دلکش سبزہ زار روئے زمین پر کہیں نہیں ہو گا۔ چاروں طرف بہار رقصاں تھی۔ چشمے ابل رہے تھے، آبشار گر رہے تھے۔ پھول کھلے ہوئے تھے۔ یہاں کوئی گھر نہیں تھا، ظاہر ہے وہ چٹانوں کے باسی تھے، انہیں مکانوں کی کیا ضرورت تھی۔ ہمارے پہرے دار سانپ ہمیں لیے ہوئے ایک بہت بڑی چٹان کے پاس پہنچ گئے۔ چٹان میں ایک سوراخ تھا وہ سب وہاں رک کر پھنکارنے لگے۔ روناس دانت پیستا ہوا چٹانی دروازے سے اندر داخل

pdfstuff.blogspot.com

ہو گیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ چٹان اندر سے کھوکھلی تھی اور اندرونی حصہ بالکل صاف ستھرا تھا۔ اس کی عقبی سمت میں باریک سوراخ تھے جن سے ہوا اندر آ رہی تھی۔ پھر نہ جانے کس چیز سے چٹان کا دروازہ بند کر دیا گیا اور ہم وہاں قید ہو گئے۔

"مقدس پتھر کی قسم مجھ پر لاگو ہے الیاس تم پر نہیں۔ تم ان میں سے کسی بھی سانپ کو ہلاک کر سکتے ہو۔ اگر ایک لاکھ سانپ بھی تمہارے جسم پر لپٹ کر تمہیں کاٹنا شروع کر دیں تو تمہارا کچھ نہ بگڑے گا کیونکہ میرا آبائی منکا تمہارے جسم میں موجود ہے۔ تم بالکل بے فکر ہو رہو۔ ہم حالات کا انتظار کریں گے پھر تمہارا کام شروع ہو گا۔ سنو الیاس' جس وقت بھی تمہارا سامنا شگاش سے ہو' تم اس پر جھپٹ پڑنا اور اسے قتل کر دینا۔ اس کے بعد حالات میرے تابع ہوں گے۔ پھر کس کی مجال ہے جو مجھ سے انحراف کرے۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے کہنے پر عمل کروں گا۔" میں نے کہا۔

رات ہو گئی جس کا اندازہ سوراخوں کی تاریکی سے ہوا۔ اچانک میرے ذہن میں آیا کہ کیوں نہ میں اپنی قوت آزماؤں۔ شاید میں اس چٹان کو ہٹا سکوں جس نے راستہ بند کیا تھا۔ میں چٹان کی طرف بڑھا۔ بلاشبہ بے حد وزنی چٹان تھی لیکن میں نے منکا نگلنے کے بعد اپنے جسم میں جو قوت محسوس کی تھی وہ بھی کم نہ تھی۔ میں نے چٹان پر قوت آزمائی کی اور روناس اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ حیرت سے چٹان کو کھسکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ شاید اسے بھی اندازہ نہیں تھا کہ منکے نے میرے جسم میں یہ بے پناہ قوت پیدا کر دی ہے۔ چٹان دوسری طرف لڑھک گئی اور دروازہ کھل گیا۔

"بہت خوب' میرے دوست' میں نہ کہتا تھا کہ کچھ قوتیں تمہاری ہیں' کچھ ہماری' ہم جیسے دس سانپ مل کر بھی اس جادوئی دروازے کو نہیں کھول سکتے تھے۔ آؤ ہماری مشکل وقت سے پہلے حل ہو گئی ہے۔ اب میں سب سے پہلے

اس ذلیل ناگن سے ملوں گا جس نے اپنے باپ کے ساتھ مل کر میرے خلاف سازش کی تھی۔ آؤ۔"

ہم چٹانیں پھلانگتے چلے گئے' پھر ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے کیوڑے کی بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی۔ یہاں جگہ جگہ چمک دار منکے رکھے ہوئے تھے جن کی روشنی سے یہ حصہ منور تھا۔ روناس نے میرا شانہ دبایا اور میرے کان کے قریب منہ کر کے بولا۔

"دیکھ رہے ہو اس قتالہ عالم کو۔ وہ مرتام ہے۔ اس علاقے کی سب سے حسین ناگن۔ حسن میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا اور میری نگاہ اس طرف اٹھ گئی۔ بلاشبہ اتنا خوبصورت سانپ میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"میں اس سے ملنے جا رہا ہوں۔ میں اس سے بات کروں گا اور پوچھوں گا کہ اب میں اس کے باپ کے ساتھ کیا سلوک کروں۔ تم یہاں بے فکر ہو کر کھڑے رہو۔"

روناس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف کر دیے اور اس کے جسم سے دھواں خارج ہونے لگا۔ چند لمحوں بعد وہاں وہی کوڑیالہ سانپ موجود تھا۔ وہ مرتام کی طرف رینگنے لگا۔ جونہی وہ وہاں پہنچا وہاں موجود ناگنوں میں کھلبلی مچ گئی۔ وہ سب وہاں سے بھاگ گئیں اور سارا میدان وہاں سے خالی ہو گیا صرف وہاں روناس کی محبوبہ مرتام رہ گئی۔

روناس آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ اب ناگن کا پھن پوری طرح پھیل گیا تھا۔ پھر میں نے ناگن کو روناس کی طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ روناس سے لپٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن روناس پیچھے ہٹ گیا۔ وہ دونوں آمنے سامنے آدھ گھنٹے تک موجود رہے اور پھر میں نے ناگن کو روناس سے لپٹتے ہوئے دیکھا۔ وہ دونوں میری طرف بڑھنے لگے۔ میں سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحات

PdfStuff.blogspot.com

کے بعد وہ دونوں قریب آ گئے۔ روناس پھر انسانی شکل اختیار کرنے لگا اور جب وہ انسان بنا تو میں بری طرح اچھل پڑا۔ یہ وہ روناس نہیں تھا جو اب تک میرے ساتھ رہا تھا۔ خانزادی میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا کہ وہ کس قدر حسین نوجوان تھا۔ میرے وطن کی لڑکیاں اسے اگر دیکھ لیں تو خودکشی کر لیں۔ وہ ایسا ہی حسین نوجوان تھا۔ پھر اس نے مرتام کی طرف رخ کر کے کہا۔

"ان سے کوئی پردہ نہیں' انسانی شکل میں آؤ۔" اور وہ بھی انسانی شکل میں آ گئی۔

وہ بے انتہا خوبصورت تھی۔ پریاں اس کے قدموں کی خاک کے برابر تھیں۔ روناس نے مجھے کہا۔

"اس نے مجھے ایک اور ہی کہانی سنائی ہے میرے دوست۔ اس نے کہا ہے کہ اس کے باپ نے اسے بھی دھوکہ دیا ہے۔ اس نے اپنے باپ کے کہنے پر میرے خلاف سازش کی تھی کیونکہ اس کے باپ نے اسے کہا تھا کہ حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد وہ اس کی میرے ساتھ شادی کر دے گا تاکہ ان دونوں سے جو اولاد پیدا ہو وہ اس علاقے کی حکمران بنے جب کہ دوسری شکل میں روناس کے قبیلے کے ناگن کے جسم سے پیدا ہونے والی اولاد ہی اس قبیلے کی حکمران بن سکتی تھی۔ اس نے مرتام کو یہی سمجھایا تھا اور رکابہ اس کی باتوں میں آ گئی۔ لیکن شکاش نے وعدہ خلافی کی اور اپنی بیٹی کو بھی دھوکہ دیا۔ یہ آج تک میرا انتظار کر رہی ہے۔ مرتام نے مجھے بتایا ہے کہ کل ہمیں شکاش کے سامنے پیش کیا جائے گا تو قبیلے بھر کے سانپ وہاں موجود ہوں گے۔ تب وہ اپنے باپ کی سازش کا انکشاف کرے گی۔ وہ میری وکالت کرے گی۔ جب اصلیت سامنے آئے گی تو اس کا کوئی بھی حامی نہیں رہے گا پھر تم اسے ہلاک کر دینا اور اس کے بعد ..."

"لیکن کیا دوسری فرار ہونے والی ناگنیں اسے ہوشیار نہ کر دیں گی۔" میں

نے کہا۔

"نہیں وہ سب اس کی سہیلیاں ہیں۔"

اس کے بعد ہم دوبارہ اپنے قید خانے میں واپس آ گئے۔ دوسرے دن ہمیں دربار میں پیش کیا گیا۔

یہ ایک بہت بڑا پہاڑ تھا جس کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ سے کھوکھلا کیا گیا ہے یا قدرتی طور پر یہ ایسا ہی ہے۔ بہرحال ایسا عظیم الشان دربار انسانی آنکھ نے کہاں دیکھا ہو گا۔ چاروں طرف جواہرات چمک رہے تھے۔ رنگار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ آج تمام سانپ انسانی شکل میں تھے۔ ایک جم غفیر وہاں جمع تھا۔ ایک شاندار کرسی پر خبیث شکل والا شکاش بیٹھا تھا۔ ہمیں اس چبوترے پر پہنچا دیا گیا جو انصاف کے لیے بنایا گیا تھا۔ روناس کے کہنے کے مطابق میرے اندر موجود منکے کی وجہ سے میرے اندر وہی خوشبو پیدا ہو گئی تھی جو دوسرے سانپوں سے آ رہی تھی اس لیے سب مجھے ایک سانپ ہی سمجھ رہے تھے۔

شکاش نے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا اور بولا۔ "معزز بزرگو' ایک طویل عرصے کے بعد گناہ گار روناس پھر ہمارے علاقے میں چلا آیا ہے۔ کیا یہ بات ہماری قدیم روایات کا مذاق اڑنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ کیا روناس نے دیوتاؤں کی توہین نہیں کی۔ کیا اسے اب بھی آگ کے غار میں نہیں ڈالا جائے گا۔ میں نے آپ لوگوں کو اس لیے بلایا ہے کہ قدیم رویات کا مذاق اڑانے والے روناس کو آگ میں ڈالنے کے سلسلے میں آپ لوگوں کا کیا مشورہ ہے۔"

"معزز بزرگو' --- میں --- روناس --- جس کا خاندان پشتوں سے اس علاقے پر حکمران رہا ہے' اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"ایک طویل عرصے کے بعد روناس کو اپنی صفائی پیش کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے۔" شکاش اچھل پڑا۔

Pdfstuff.blogspot.com

"اس لیے کہ اس وقت مجھے اس کا موقعہ ہی نہیں دیا گیا تھا۔ تم صرف حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے جس کے لیے تم نے یہ سازش کی اور وقتی طور پر تم کامیاب ہو گئے لیکن اب میں تمہاری سازش بے نقاب کر کے رہوں گا۔ معزز بزرگو' مجھے اجازت ہے۔"

"اجازت ہے۔" بوڑھے سانپوں کی آواز آئی۔

"میں مجرم نہیں ہوں۔ شگاش صرف حکومت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ میں شگاش کی بیٹی سے محبت کرتا تھا لیکن میں نے گناہ نہیں کیا۔ شگاش نے اسے ورغلا کر میرے خلاف بیان دلوایا تھا۔ شگاش نے اسے بھی دھوکہ دیا تھا اور میرے ساتھ شادی کرنے کا وعدہ کر کے وہ بات اس کے منہ سے کہلوائی تھی۔"

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" شگاش غضب ناک ہو کر گرجا۔

"اس کی بیٹی موجود ہے۔ اس سے مقدس پتھر پر قسم دے کر دریافت کر لیا جائے۔" روناس نے کہا۔

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اسے موت کی سزا دی جائے۔" شگاش گرجا۔

"بیٹھ جاؤ شگاش' اس نے مقدس پتھر کا نام لیا ہے تو اسے صفائی کا موقع ضرور ملے گا۔" بوڑھے سانپوں نے کہا اور شگاش بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔

"روناس کا بیان درست ہے معزز بزرگو' میرے باپ نے مجھے دھوکہ دے کہ یہ الفاظ کہلوائے تھے۔ مقدس پتھر کی قسم روناس پاک ہے' میں پاک ہوں۔" مرتام نے کہا اور ایک کہرام مچ گیا۔ تمام سانپ شور مچانے لگے۔

"میں حکمران ہوں' مجھے کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ کون ہے جو مجھے نقصان پہنچا کر آگ سے بچ سکتا ہے۔"

"اسے گرفتار کر لو' اسے آگ کے غار میں ڈال دیا جائے۔"

"خبردار کسی نے مجھے ہاتھ لگایا تو فنا کر دوں گا۔ کوئی آگے نہ آئے۔"

شگاش نے تلوار نکالی اور تمام سانپ پیچھے ہٹ گئے۔ اسی وقت روناس

نے میرے قریب کھڑے سانپ کے نیام سے تلوار نکالی اور میری طرف بڑھا کر بولا۔

"اپنا فرض ادا کرو میرے دوست۔"

میں تلوار لے کر آگے بڑھا۔ میرے جسم میں چنگاریاں دوڑ رہی تھیں اور میں بھوکے شیر کی طرح شگاش کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ گناہ ہو گا۔ کوئی سانپ' سانپ کو ہلاک نہیں کر سکتا۔ اس سے تباہی نازل ہو گی اور سانپوں کی بستی تباہ ہو جائے گی۔" بوڑھے سانپوں نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

"میرا دوست سانپ نہیں ہے۔" روناس کی بات سن کر شگاش پھر اچھل پڑا۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر میں ابھی اس سے نبٹ لوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ میرے مقابلے پر آ گیا۔ تلوار میرا کھلونا تھی۔ میں آسانی سے اس سے کھیلتا رہا۔ پھر میں نے فیصلہ کن وار کر کے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ دوسرے لمحے وہ سانپ کی شکل میں بدل گیا۔ اس کا پھن ایک طرف پڑا تھا اور باقی جسم دوسری طرف۔ روناس دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا اور پھر نوجوان سانپوں نے مجھے اور روناس کو کندھوں پر اٹھا لیا۔

حکومت بدل گئی۔ روناس نے مرتام سے شادی کر لی۔ اس نے میری خاطر مدارت کی انتہا کر دی۔ حسین ناگنیں دن رات میری خدمت کرتیں۔ مجھے ان میں سے ایک ناگن پسند آ گئی اور میں نے اس سے شادی کر لی۔ مجھے علم نہیں خانزادی کہ میں نے وہاں کتنا وقت گزارا۔ عجیب ہی دنیا تھی وہ۔ پھر میری بیوی مر گئی۔ نہ جانے کیوں میرا دل وہاں سے اچاٹ ہو گیا۔ حالانکہ ایک سے بڑھ کر ایک حسین ناگن میری خدمت کے لیے موجود تھی لیکن اب میں اپنی دنیا دیکھنا چاہتا تھا۔

Pdfstuff.blogspot.com

بڑے غم کے ساتھ روناس نے مجھے رخصت کیا۔ میں نے اسے اس کا منکا واپس دینا چاہا لیکن وہ اس نے مجھے تحفہ دے دیا۔ بے شمار ہیرے جواہرات لے کر میں وہاں سے چلا آیا۔

جب میں اپنی دنیا میں واپس آیا تو یہ دنیا بدل چکی تھی۔ نہ جانے کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ ان حکومتوں کا نام و نشان بھی مٹ چکا تھا جنہیں میں چھوڑ کر گیا تھا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ ان حکومتوں کو تو دو سو سال ہو چکے ہیں۔ اب تو نیا دور ہے۔ یقین کرو خانزادی میں بمشکل خود کو اس نئے دور میں ضم کر سکا ہوں۔ میری عمر دو سو سال سے بھی زیادہ ہے۔ ایک شام جب میں نے منکا اگلا تو مجھے احساس ہوا کہ میری عمر اس دنیا کے لحاظ سے کتنی ہے۔ جب تک یہ منکا میرے سینے میں ہے میں جوان رہوں گا اور جب مجھے موت کی خواہش ہو گی تو اسے نکال کر پھینک دوں گا اور بڑھاپے کی موت مر جاؤں گا ---اس لیے میری بچی' میں تمہارے دادا کے دادا کی عمر سے بھی بڑا ہوں' میں تمہیں بیٹی کی طرح پیار کر سکتا ہوں' اپنی ظاہری حالت سے فائدہ اٹھا کر تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتا۔"

کمرے میں ایک زہریلا سناٹا چھایا ہوا تھا جس میں ان کے سانسوں کی مدھم مدھم آوازیں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

☆

کس کا بھوت؟

اس کی ساری بات کا کوئی گواہ نہ تھا۔ تب کسی نے اس سے پوچھا۔ کیا تم بھوت ہو جو وہاں موجود نہ ہو کر بھی تم سب کچھ جانتے ہو؟ اس کے جواب میں ایک عجیب بات ہوئی۔

پیرس سے آیا ہوا ایک دبلا پتلا وکیل محفل پر چھایا ہوا تھا۔ اس کی باتوں میں بلا کی روانی اور لہجے میں زبردست اعتماد تھا۔ میں نے ایک دو بار اس باتونی وکیل کی اجارہ داری ختم کرنے کی کوشش کی لیکن میں نہ صرف ناکام رہا بلکہ اس ظالم نے طنز کے تیروں کا رخ میری جانب پھیر کر مجھے خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

میں چھٹی کا ایک قیمتی دن گزارنے کے لیے وڈ لینڈ کے ہوٹل میں چلا آیا تھا لیکن اس صورت حال نے میری طبیعت سخت مکدر کر دی تھی۔

اچانک دو اجنبی بلند آواز میں باتیں کرتے ہوئے اس طرح ہوٹل میں داخل ہوئے کہ ہر شخص کی توجہ ان کی جانب مبذول ہو گئی۔ وہ دونوں اگرچہ صورت شکل سے معمولی آدمی معلوم ہوتے تھے لیکن چونکہ وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کوئی بھی ان سے واقف نہ تھا اس لیے گفتگو کا سلسلہ ایک دم رک گیا۔ دونوں اجنبی کاؤنٹر پر پہنچے اور ایک ایک کافی کا آرڈر دیا۔

pdfstuff.blogspot.com

انہوں نے خاموشی سے کافی پی اور اس دوران میں باقی لوگ بھی خاموش رہے۔ کافی پینے کے بعد وہ ذرا آرام سے بیٹھے اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"وہ صرف وقت کا ضیاع تھا اور کچھ بھی نہیں۔"

"ہاں یقیناً"۔" دوسرے نے جواب دیا۔

اب پہلے شخص نے ہم سب کو مخاطب کر کے کہا۔

"حضرات' ہم دونوں گریٹ ہل کی چوٹی تک چڑھ کر واپس آئے ہیں لیکن اس پوری مہم میں کوئی بھی خاص بات پیش نہیں آئی۔ ہم نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔"

یہ ہمارے لیے کوئی نئی بات تھی کہ کوئی کوہ پیما کسی پہاڑ پر چڑھائی کو وقت کا ضیاع قرار دے لہٰذا ہم میں سے کوئی بھی شخص اس شخص کی بات سے متاثر نہیں ہوا۔ مجھے ڈر تھا کہ اب پھر وہی وکیل بولے گا اور دوسرے بولنے والوں کے حقوق غصب کر لے گا لیکن اس سے پہلے دوسرے اجنبی نے بولنا شروع کر دیا۔

"ہمارا وقت سراسر ضائع ہوا۔ کئی گھنٹے کی کمرتوڑ چڑھائی کے بعد سوائے تھکن اور پیاس کے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔"

"آپ کو معلوم ہی نہیں وقت کا ضیاع کسے کہتے ہیں۔" ہر شخص کی نگاہیں اس آواز کے تعاقب میں اٹھیں۔ حیرت ہے کہ میں نے پہلے بھی اس شخص کو وہاں نہیں دیکھا تھا۔ ایک چھوٹے سے قد کا آدمی کاؤنٹر کے آخری سرے پر بیٹھا کہہ رہا تھا۔

"میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وقت کا ضیاع کیا ہوتا ہے۔ یہ سن کر آپ محسوس کریں گے کہ آپ کی مہم کا ایک ایک قدم ایک کارآمد اور خوشگوار تجربہ تھا۔"

اب تو ہر شخص اس کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس پستہ قد آدمی نے بھی

ی انتظار کے بغیر قصہ سنانا شروع کر دیا۔

یہ کئی سال پہلے کی بات ہے اور یہ واقعہ اسی علاقہ میں رونما ہوا تھا۔ لیس کا سراغرساں ایک مفرور قاتل کا پیچھا کر رہا تھا۔ مجرم کا کھوج لگاتے لگاتے عین اس کے سر پر پہنچ گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے گرفتار کرتا' مجرم غچہ ے کر آبادیوں سے نکل کر پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ سراغرساں بھی اپنی ن کا پکا تھا۔ رات کا وقت تھا' آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا۔ سراغرساں مجرم کا ا کر رہا تھا۔ ایک مقام پر اسے دور چاندنی میں مجرم کا سایہ حرکت کرتا دکھائی ۔ سراغرساں آگے نکل جانے کی نیت سے آسان راستہ چھوڑ کر پہاڑ کی ناک ڈھلان پر ہاتھ پیر کے بل چڑھنے لگا۔ مجرم کے قریب پہنچ کر اس نے اکہ وہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے اس کے حوالے کر دے۔ مجرم اس کی از سن کر پہاڑ پر اور اوپر چڑھ گیا اور سراغرساں نے جونہی اسے پکڑنے کے اپنا اگلا قدم آگے بڑھایا اس کا پاؤں پھسل گیا۔ وہ تیزی سے نیچے لڑھکنے لگا۔ لمحے بعد وہ چٹان کی ایک کگر پر پڑا تھا۔ گرنے کی وجہ سے اس کے پاؤں کا ٹخنہ ٹوٹ گیا تھا۔ کگر سے نیچے سینکڑوں فٹ گہری کھائی تھی اور اوپر دیوار کی د سیدھی چٹان کھڑی تھی۔ سراغ رساں نے دل ہی دل میں اپنی جلدبازی بے احتیاطی پر افسوس کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جانے اب کوئی کس وقت اس مدد کو وہاں پہنچے اور اسے اس مصیبت سے نجات دلائے۔ اتنے میں اسے اوپر مجرم کی آواز سنائی دی' وہ سراغرساں سے کہہ رہا تھا۔

"تم یہاں انتظار کرو' میں تمہیں بچانے کے لیے رسی لینے جا رہا ہوں۔"

سراغرساں پہلے تو خاموش رہا پھر اس نے مجرم سے کہا۔

"کیا تم آرنلڈ ہو؟"

"ہاں وہی ہوں۔"

"تم روتھ روک کے قاتل ہو اور تمہیں گرفتار کرنے کے لیے میرے پاس

Pdfstuff.blogspot.com

وارنٹ ہے۔"

"اب تم اس وارنٹ کا کیا کرو گے؟"

سراغرساں نے جواب دیا۔ "تم اس وقت زیرِ حراست ہو۔"

یہ جواب سن کر آرنلڈ ہنسا اور سراغرساں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا۔

"مجھے تو ایسا کچھ محسوس نہیں ہوتا۔"

سراغ رساں اصول کا بہت پکا آدمی تھا۔ چنانچہ اس نے آرنلڈ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو بالکل قدرتی بات ہے کہ میں اس مصیبت سے نکلنا چاہتا ہوں۔ مجھے بھی اپنی جان سب کی طرح پیاری ہے لیکن اس سے پہلے کہ تم میری جان بچاؤ میں یہ نہ بتا دوں کہ یہاں سے نکلتے ہی میں تمہیں گرفتار کر لوں گا۔"

"اچھا اچھا' اب زیادہ باتیں مت کرو۔" آرنلڈ نے بات ختم کر کے وہاں سے چلتے ہوئے کہا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ قتل کی ایک معمولی سی واردات سے قطع نظر آرنلڈ بھی اخلاقی طور پر کافی بلند آدمی تھا۔

اس کو رخصت ہوئے جب کئی گھنٹے گزر گئے تو سراغرساں نے سوچا کہ وہ اب کبھی واپس نہ آئے گا۔ آدھی رات کے بعد بارش شروع ہو گئی۔ رات ختم ہو گئی دن نکل آیا لیکن بارش تھی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ سراغ رساں اپنے ٹوٹے ہوئے ٹخنے کے درد اور سردی کی وجہ سے ادھ موا ہو گیا تھا اور ٹرنر کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ آخر کار شام ڈھلے اسے اوپر سے آرنلڈ کی آواز سنائی دی۔

"کیا تم ابھی زندہ ہو؟ اگر مر چکے ہو تو میں اپنا وقت ضائع نہیں کروں گا۔"

سراغ رساں نے اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت صرف کر کے جواب دیا۔

"ہاں میں زندہ ہوں۔"

"دیکھو میں اس وقت بالکل آزاد ہوں اور جہاں چاہوں جا سکتا ہوں اور ان حالات میں تم خود سمجھ سکتے ہو ---" آرنلڈ نے اپنی بات مکمل نہیں کی اور وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا اسے سراغ رساں بخوبی سمجھتا تھا لیکن اس لمحے آرنلڈ کی بات کا جواب دینے کی بجائے وہ سوچ رہا تھا کہ ایک تنہا آدمی رسی کی مدد کے باوجود اسے کس طرح موت کے منہ سے نکال سکتا ہے۔

"تمہیں تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔" یہ کہہ کر آرنلڈ نے آہستہ آہستہ اس گھر کی جانب اترنا شروع کیا جہاں سراغرساں اٹکا ہوا تھا۔ پستہ قد آدمی نے کچھ توقف کے بعد دونوں اجنبیوں کو مخاطب کر کے پھر کہنا شروع کیا۔

"میں آپ جیسے ماہر اور تجربہ کار کوہ پیماؤں کے سامنے وہ مشکلات تو بیان نہیں کروں گا جو ان دونوں کو اس خطرناک موقع پر پیش آئیں تاہم آپ ان حالات میں ہوتے تو آپ کے لیے بھی یہ ایک کڑی آزمائش ہوتی۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی کوہ پیمائی کا ماہر نہیں تھا لیکن اس کے باوجود آرنلڈ کسی نہ کسی طرح سراغ رساں کے قریب پہنچ گیا۔ گھر کے قریب پہنچ کر اس نے رسی کا ایک سرا سراغ رساں کی جانب بڑھا دیا تاکہ وہ اسے اپنی کمر میں باندھ لے۔"

آپ لوگ مشکل سے ہی اس مہم کے خطرات کا تصور کر سکتے ہیں۔ سراغرساں کے پاؤں کا ایک ٹخنہ ٹوٹا ہوا تھا۔ چوبیس گھنٹہ سے وہ بھوکا پیاسا اس گھر پر پڑا ہوا تھا اور دوسری طرف آرنلڈ تھا بالکل تنہا اور ناتجربہ کار۔ بہرکیف ان دونوں نے کوشش کی اور انتہائی جانفشانی اور ہمت اور قوت سے کام لے کر وہ دونوں اوپر کی چٹان کی ہموار سطح تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی یہ محنت آپ حضرات کی اس کوہ پیمائی سے یقیناً" بہت مختلف تھی جس کے بعد آپ نے وقت کے ضیاع کی شکایت کی۔ بہرکیف وہ دونوں اوپر پہنچ کر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ دونوں تھکن سے چور ہانپ رہے تھے۔ سراغ رساں کی حالت بہت زیادہ خراب تھی لیکن وہ ایک فرض شناس سراغ رساں تھا۔ اس

Pdfstuff.blogspot.com

نے اپنے جسم کی بچی کھچی قوتوں کو مجتمع کر کے زمین پر قدم جمائے اور آرنلڈ سے مخاطب ہوا۔

"میں تمہارا شکرگزار ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ ---"

سراغ رساں نے بات پوری کیے بغیر آرنلڈ کے جبڑے کا نشانہ لے کر پوری قوت سے گھونسہ مارا۔ اسے یقین تھا کہ اگر آرنلڈ پر اس وقت قابو نہ پایا گیا تو وہ پھر نکل بھاگے گا لیکن آرنلڈ نے ایک طرف جھک کر سراغ رساں کے وار کو خالی جانے دیا۔ سراغ رساں بہت تھکا ہوا تھا۔ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا اور اپنے ہی گھونسے کے زور میں آگے کو گرا اور چٹان سے نیچے لڑھک گیا۔ دوسرا سرا رسی کا آرنلڈ نے اپنی کمر سے باندھ رکھا تھا اس لیے آرنلڈ بھی اس کے ساتھ ہی لڑھک گیا' دونوں سینکڑوں فٹ نیچے کھائی میں اوپر تلے جا گرے اور گرتے ہی ختم ہو گئے۔ یہ واقعہ ان بدقسمتوں کے ساتھ ان ہی پہاڑوں میں پیش آیا جہاں سے واپسی کے بعد آپ دونوں کوہ پیما حضرات وقت کے ضیاع کی شکایت کرتے ہیں۔

پستہ قد آدمی خاموش ہو گیا۔ ہر شخص اس داستان سے متاثر اپنی جگہ مبہوت بیٹھا تھا۔ کسی جانب سے کوئی بھی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ وہی دبلا پتلا وکیل اپنی جگہ کھڑا ہوا اور اس پستہ قد شخص سے مخاطب ہوا۔

"بہت دلچسپ واقعہ ہے۔"

سب لوگ پھر اس وکیل کی طرف متوجہ ہو گئے اور وکیل قصہ سنانے والے سے کہہ رہا تھا۔

"کیا ہم لوگ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ آپ نے یہ قصہ ایک سچے واقعے کے طور پر بیان کیا ہے؟"

"جی ہاں' یہ بالکل سچا واقعہ ہے۔"

یہ جواب سن کر وکیل کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی اور اس

تی حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔

"حضرات' میرا خیال ہے کہ میں اب یہ بات ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ شخص سب لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔"

یہ کہہ کر وکیل صاحب نے ایک لمبا سانس لیا' قدم بڑھا کر ہم سب کے ن آ کھڑا ہوا اور پستہ قد داستان گو سے اس نے پوچھا۔

"آپ نے اس کہانی میں کسی تیسرے آدمی کا ذکر نہیں کیا۔ تو یہ سمجھنا ہے کہ اس حادثے کے وقت وہاں کوئی چشم دید گواہ موجود نہ تھا؟"

"جی ہاں' وہاں اور کوئی موجود نہ تھا۔"

"کیا وہ دونوں آدمی اسی وقت ہلاک ہو گئے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی شخص نے انہیں گرتے اور مرتے ہوئے نہیں اور وہ خود بھی یہ داستان سنانے کے لیے زندہ نہیں رہے پھر آپ کو اس کا علم کیونکر ہو گیا جسے اتنی تفصیل سے آپ نے بیان کیا ہے' البتہ اس میں یہ بات ممکن ہو سکتی ہے کہ آپ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ہوں تو قصہ درست ہو سکتا ہے۔"

"جی ہاں --- آپ درست کہتے ہیں۔"

اس پستہ قد آدمی نے نہایت متانت سے جواب دیا اور پھر وہ اچانک وہاں ب ہو گیا اور --- اس کے ساتھ ہی وکیل صاحب کی زبان بھی۔

☆

PdfStuff.blogspot.com

تیسرا شکار

وہ سمجھتا رہا کہ وہ اس کی تقلید کرتی ہے مگر ایک دن اس پر
انکشاف ہوا کہ وہ خود اس کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ ایک روح
کے اشاروں پر

ایک روز میں اکرم سے ملنے اس کے کمرے میں پہنچا تو اس نے بتایا کہ ا
کو یہاں کے رہنے والوں سے پتہ چلا ہے کہ یہ کمرہ بھوتوں کا مسکن ہے۔ یہا
بھوتوں کے ہاتھوں دو آدمیوں کا قتل بھی ہو چکا ہے اور روایت بھی عام ہے ک
اس کمرہ میں جب بھی کسی شخص نے قیام کیا وہ اپنی جان گنوا کر ہی اس کمرہ سے
نکلا ہے۔ اس کے علاوہ مس رچل نے کمرہ پر بھوتوں کے قبضہ کا ذکر کرتے ہو
کہا کہ وہ آدمی کو اٹھا کر گلی کی سمت والی کھڑکی سے باہر پھینک دیتے ہیں۔ تیسر
منزل سے سنگلاخ سڑک پر گرتے ہی آدمی کا سرپاش پاش ہو جاتا ہے اور وہ م
سے ایک لفظ کہے بغیر عالم بالا کو سدھار جاتا ہے

اکرم کو لکشمی بلڈنگ میں منتقل ہوئے چوتھا روز تھا اور ان چار ایام م
میرے بہت سے جاننے والوں نے مجھے یہی مشورہ دیا تھا کہ میں اس کو مجبو
کروں کہ وہ یہ کمرہ چھوڑ دے۔ چوتھی رات میری اور اکرم کی طویل بحث کے
باوجود اکرم یہ کمرہ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ میرے زور دینے پر اس نے وعدہ ک

ہ اپنی جان کی حفاظت کے لیے ساری احتیاطی تدابیر اختیار کرے گا اور گلی کی
کھلنے والی کھڑکی میں لوہے کی سلاخیں بھی لگوا لے گا تاکہ بھوت اسے
وں کی طرح اٹھا کر باہر نہ پھینک سکیں۔ اکرم نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ مجھے
نہ سارے واقعات کی تفصیل بتایا کرے گا۔

مقامی پولیس سٹیشن کے انچارج نے بھی اکرم کو یہ کمرہ چھوڑنے کے لیے
یکن وہ نہ مانا اور مجبوراً" پولیس انسپکٹر کو اکرم کی حفاظت کے خیال سے ایک
ں کانسٹیبل کو بلڈنگ پر تعینات کرنا پڑا۔ مجھے بتایا گیا کہ دونوں سابقہ قتل
کو تقریباً" چار بجے دن ہوئے تھے۔ اس لیے ایک اتوار میں نے اکرم کو
کیا کہ وہ آج کا دن اس کمرہ میں نہ گزارے لیکن اکرم نے میری بات نہ

اس دن میں رات کو گھر لوٹنے سے قبل اکرم کے کمرہ پر گیا تو وہ وہاں
نہ تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چونکہ یہ بتایا گیا تھا کہ دونوں قتل اتوار کو
تھے اس لیے اس کا خیال تھا کہ شاید آج اس پر بھی قاتلانہ حملہ ہو
۔ یہی وجہ تھی کہ آج سارا دن اکرم بے قرار رہا۔ وہ سخت مضطرب تھا۔
دن کسی نامعلوم خوف سے اس کا دل بیٹھا بیٹھا سا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ
کوئی انہونی بات ہونے والی ہے لیکن سارا دن گزرنے پر بھی کوئی واقعہ
پذیر نہیں ہوا۔ اکرم نے مجھے مزید بتایا کہ اسے چونکہ علم تھا کہ قتل کی
اتیں اتوار کو چار بجے دن ہوئی تھیں اس لیے وہ دو بجے دن کے بعد کسی
بے چینی محسوس کرنے لگا تھا۔ یہ بے چینی کس بات کی تھی وہ اس سلسلہ میں
بتانے سے قاصر رہا تھا۔ صرف اسی قدر بتا سکا کہ دو بجے دن کے بعد جوں
وقت گزر رہا تھا اس کے دل میں گلی سمت والی کھڑکی پر جانے کی زبردست
سر اٹھا رہی تھی لیکن وہ اس تحریک کو دبانے میں کامیاب رہا اور کھڑکی پر
گیا۔ اکرم نے یہ بھی بتایا کہ آج دو اور چار بجے کے درمیان انسپکٹر پولیس

pdfstuff.blogspot.com

کی ہدایت کے مطابق پولیس کانسٹیبل نے بلامبالغہ بیس بار اس کی خیریت دریا
کی تھی۔

اکرم کو اس مبینہ آسیب زدہ کمرہ میں دوسرا ہفتہ شروع ہو گیا تھا اور ا
دوران کوئی ناخوشگوار حادثہ پیش نہیں آیا۔ اس لیے اب میرا اور اکرم کا
ہے کہ اس مکان میں رہنا کوئی خطرناک بات نہیں ہے جس سے خوفزدہ ہو
مکان چھوڑ دیا جائے۔ اس کمرہ میں گزشتہ دنوں جو دو قتل ہوئے تھے' ہم دو
اس کو اتفاقی حادثہ کہتے ہیں۔ ہمارے رائے میں مقتولین اتفاقاً" کھڑکی سے نیچ
گئے تھے' انہیں کسی نے قتل نہیں کیا۔

ایک دن اکرم نے مجھ سے کہا کہ اسے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی ہے۔
لڑکی گلی میں اکرم کے مکان کے بالمقابل واقع ایک مکان میں رہتی ہے اور
مکان کی کھڑکی اکرم کی کھڑکی کے سامنے ہے۔ وہ گھنٹوں کھڑکی میں بیٹھی رہتی
اور اکرم میاں بھی گھنٹوں ہی اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے ہیں۔ گو لڑکی
مکان میں مزید دو کھڑکیاں بھی ہیں لیکن وہ صرف اسی کھڑکی کے قریب بیٹھتی
جو اکرم کی کھڑکی کے عین بالمقابل واقع ہے۔ وہ سارا دن اونی موزے' سو
وغیرہ بنتی رہتی ہے اور پتہ نہیں وہ یہ چیزیں کس کے لیے تیار کرتی ہے۔ وہ
تنہا رہتی ہے اور اس کے ہمراہ آج تک کوئی دوسرا انسان نہیں دیکھا گیا۔
جب سورج غروب ہو رہا ہو تو وہ کھڑکی کے قریب سے اٹھ کر اندر چلی
ہے۔ شاید اس وت اس کے والد یا دوسرے سرپرستوں کے اپنے اپنے دفتر
گھر آنے کا وقت ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس نے کبھی بھی اپنے کمرے میں
جلانے کی تکلیف گوارہ نہیں کی۔ اکرم نے اپنی محبوبہ کے بارے میں یہ
انکشاف کیا کہ اس کا چہرہ سنگ مرمر کی طرح سفید اور اداس ہے۔ اس کی
آنکھیں بھی عجیب پرسکون سی ہیں۔ وہ کھڑکی کے قریب بیٹھ کر اکرم کو نہ
والی غیر متحرک نگاہوں سے دیکھتی ہے تو اکرم کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ

ر اس شمع پر نثار ہو جائے تو وہ اس کی خوش قسمتی ہو گی۔ اکرم نے یہ بھی بتایا
۔ ان کے تعلقات روز بروز گہرے ہوتے جا رہے ہیں اور وہ جب تک ایک
سرے کو دیکھ نہ لیں انہیں چین نہیں آتا۔ وہ جب بھی اسے دیکھتا ہے وہ
لرا دیتی ہے اور جواب میں اکرم کو بھی مسکرانا پڑتا ہے۔

ایک اور اتوار کا ذکر ہے میں اکرم کے کمرہ پر گیا تو اس کی حرکات و سکنات
ے پتہ چلتا تھا کہ وہ میری موجودگی کو ناپسند کر رہا ہے لیکن میں جان بوجھ کر اکرم
ے قریب رہا تاکہ خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آئے تو میں اس کی مدد کر سکوں۔
ر بجے کے بعد اکرم کی طبیعت سکون پذیر ہوئی تو وہ اپنے رویے پر شرمسار بھی
ر آتا تھا۔

ایک روز اکرم نے جب مجھے بتایا کہ اس نے اشاروں ہی اشاروں میں
بنہ سے اس کا نام پوچھا تھا لیکن حسینہ نے نہیں بتایا۔ اکرم اس بات پر حیران
ں تھا کہ حسینہ سارا دن تو اس سے آنکھیں لڑانے میں مصروف رہتی ہے لیکن
م ہوتے ہی یوں روپوش ہو جاتی ہے جیسے کسی اور دنیا کی مخلوق ہو۔ ایک روز
ں نے اکرم سے کہا کہ میں اس لڑکی کے گھر جا کر اس کے بزرگوں سے شادی
ے بارے میں بات چیت کرنا چاہتا ہوں تاکہ اکرم کی اس حسینہ سے شادی کرا
ں لیکن اکرم نے مجھے سختی سے منع کر دیا۔ اس کی رائے میں شادی محبت کی
ل ہے اور وہ شادی کر کے اپنی محبت کو قتل نہیں کرنا چاہتا۔ اکرم کی زبانی مزید
لوم ہوا کہ وہ دن بھر اسے سلام کرتا رہتا ہے اور وہ جواب میں اپنا سر جھکاتی
تی ہے۔ وہ جب بھی کھڑکی کے شیشوں میں سے جھانک کر اسے دیکھتا ہے وہ
ں کی نقل کرتی ہے۔ وہ منہ میں گنگنائے اور اس کے ہونٹ ہلیں تو اس کی
بہ بھی گنگنانے لگتی ہے۔ اس شغل میں اکرم کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ آفتاب
ب طلوع ہو کر غروب بھی ہو گیا۔ اکرم اس پر متعجب ہے کہ وہ اس کی حرکات
سکنات کی نقل پوری فنکارانہ چابکدستی سے کرتی ہے۔ کسی بھی موقع پر معمولی

pdfstuff.blogspot.com

ی غلطی بھی نہیں کرتی۔ اکرم کا خیال ہے کہ اس کے خیالات حسینہ میں منتقل ہو جاتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حسینہ کے خیالات اس میں منتقل ہو جاتے ہوں کیونکہ وہ عورت ہے اور عورت مرد پر فتح پانے کی قدرت رکھتی ہے۔ بہرحال کچھ بھی اکرم کو یہ اعتراف ہے کہ اس عورت نے اس کے دل ودماغ پر قابو پا رکھا ہے۔ پھر ایک اتوار میں دن بھر اکرم کے کمرہ میں موجود رہا۔ گو گذشتہ اتوار کی طرح آج بھی دو تا چار بجے دن اکرم نے میری موجودگی کا برا منایا لیکن میں اس کی طنز بھری گفتگو کو نظرانداز کر کے سارا دن اکرم کے پاس ہی بیٹھا رہا۔ چار بجے کے بعد اکرم نے اپنے سلوک پر شرمندگی محسوس کی اور مجھ سے معافی مانگی۔ اکرم میرا بچپن کا دوست ہے اور دوست ہی غلطیاں بھی کرتے ہیں۔ میں نے اکرم کو معاف کر دیا۔ کیونکہ اس کا یہ کہنا تھا کہ وہ اس وقت کسی نامعلوم قوت کے زیراثر تھا۔ اس لیے دو تا چار بجے تک خواہ مخواہ طنز کرتا رہا ہے۔

ایک دن اکرم نے مجھے بتایا کہ اپنی محبوبہ کی خاطر وہ قتل کر سکتا ہے اور خود بھی قتل ہو سکتا ہے۔ جب تک وہ اسے دیکھ نہ لے اسے چین نہیں آتا۔ جب وہ سامنے ہو تو اس کے بے قرار دل کو سکون آ جاتا ہے۔ میں اس کی یہ گفتگو سن کر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ آخر اکرم کے اس عشق کا انجام کیا ہو گا۔ اس نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ اسے منزل مقصود پر پہنچائے گا بھی یا نہیں؟ میں گہرے غوروفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ اکرم محض میری وجہ سے یہاں پہنچ کر اپنی زندگی خراب کر رہا ہے۔ اب وہ اپنی کھڑکی والی محبوبہ کے سوا کسی سے بات کرنا تو الگ رہا کسی کی صورت تک دیکھنے کا روادار نہیں۔ اس میں عظیم انقلاب آ گیا ہے۔ اب وہ سارا دن کھڑکی کے قریب بیٹھ کر اس لڑکی سے اشاروں ہی اشاروں میں باتیں کرتا رہتا ہے۔ شام کے بعد تنہائی میں وہ خود سے یوں باتیں کرتا ہے کہ کوئی دیکھے اور سنے تو اسے پاگل سمجھنے لگے۔ اب اس کی صحت تیزی سے گر رہی تھی۔ اگر اس کی یہی حالت رہی تو وہ جلد ہی مر

گا۔ کیوں نہ میں اس کے والد کو سارے حالات سے آگاہ کر دوں۔ یہ سوچ ں نے اکرم کے والد کو ایک خط میں سارے حالات سے آگاہ کر دیا۔ مجھے تھی کہ وہ جلد ہی شہر پہنچ کر اکرم کو واپس لے جائیں گے۔ گو اس طرح میں عزیز ترین دوست سے جدا ہو جاؤں گا لیکن میرے لیے یہی خوشی کیا کم ہو ۔ میرے دوست کی زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے گی اور وہ لاہور میں رہ کر زندگی سنوارنے کے لیے جدوجہد کر سکے گا۔

ان دنوں میں جب بھی اکرم کے کمرے میں جاتا وہ میرے ساتھ سردمہری پیش آتا۔ اسے میری آمد ناگوار گزرتی لیکن میں مجبوراً جاتا رہا۔ پھر ایک اکرم کو لاہور سے اس کے والد کا خط موصول ہوا جس میں انہوں نے ے منع کرنے کے باوجود یہ لکھا کہ وہ میرے ارسال کردہ خط سے اکرم کی ن عشق سے واقف ہو گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ ان کا خط ملتے ہی لاہور لیے روانہ ہو جائے۔ اکرم نے اپنے والد کا خط میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لو میرے عزیز ترین دوست اپنی کارگزاری دیکھ لو۔"

میں نے خط پڑھا تو اس میں اکرم کو برابھلا کہنے کے بعد یہ بھی درج تھا کہ اسے کلکتہ میں کاروبار کے لیے رقم نہیں دی جائے گی۔ اکرم فوراً لاہور جائے کیونکہ گھر والے اس کا وہاں میں مزید قیام پسند نہیں کرتے۔ میں نے ھ کر اکرم کو واپس لوٹا دیا تو وہ مجھ پر بری طرح برس پڑا اور بولا۔

"جناب میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے اپنی موجودگی سے مجھے دشمنوں ضرورت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ یہ خوب دوستی ہے کہ آپ میرا مستقبل ب بنانے پر تلے بیٹھے ہیں۔ آپ نے میرے والد کو خط لکھ کر مجھے منہ نے کے قابل نہیں چھوڑا۔ اب آئندہ مہربانی فرما کر میرے کمرے میں آنے تکلیف گوارا نہ کریں۔"

PakistaniPoint.com

مجھے اکرم کی باتیں سن کر ازحد افسوس ہوا اور میں نے اپنی صفائی میں
کہنے کے لیے زبان کھولنا ہی چاہی تھی کہ اکرم نے میری بات سننے سے انکار
دیا۔ اس صورت حال سے مجھے بھی غصہ آگیا اور میں مزید کچھ کہے بغیر اٹھ
چلا آیا۔ میں نے تو سچے دل سے کوشش کی تھی کہ اس کی زندگی برباد ہونے
بچ جائے لیکن یہ تو معاملہ بالکل الٹ ہو گیا تھا۔ اب آئندہ جو بھی نتائج بر
ہوں میں اس سے بری الذمہ قرار پاؤں گا۔

آٹھویں دن چار بجے سہ پہر لکشمی پولیس اسٹیشن سے مجھے اطلاع ملی کہ
دوست اکرم مرچکا ہے۔ میں بھاگم بھاگ پہنچا اور یہ دیکھ کر بے ہوش ہو گیا
اکرم گلی والی کھڑکی کے عین نیچے اسی جگہ خاک و خون میں لت پت پڑا تھا جہا
اس سے قبل دو آدمی موت کے گھاٹ اترے تھے۔ اکرم سر کے بل گرا تھا ا
لیے اس کا سرپاش پاش ہو گیا تھا۔ دس بارہ منٹ کے بعد ایک ڈاکٹر کی کوشش
سے مجھے ہوش آیا تو انچارج پولیس انسپکٹر اکرم کی ڈائری کے مطالعہ میں مصرو
تھا۔ اکرم کی یہ ڈائری اور دوسرے کاغذات تحقیقات کے دوران پولیس
تحویل میں رہے۔ تحقیقات مکمل ہونے کے بعد ایک عرصہ بعد عدالت کی منظور
سے یہ ڈائری مجھے مل گئی اور دوسرے کاغذات بھی جن میں اکرم کی ہاتھ
نائی ہوئی اپنی محبوبہ کی تصویر بھی شامل تھی۔ میں اکرم کی ڈائری کی روشنی م
پنے مرحوم دوست کی داستان حیات بیان کرتا ہوں۔ میں ڈائری کے اوراق
س منحوس تاریخ ہفتہ اکیس دسمبر سے نقل کرتا ہوں جس تاریخ سے اکرم
ھے اپنے کمرہ میں آنے سے روک دیا تھا۔ اکرم کی ڈائری کے اوراق یہ تھے۔

ہفتہ ۲۱ دسمبر

میں اپنی محبوبہ کی دید کے دوران کسی کی بھی مداخلت برداشت نہیں کر
لتا۔ میرے عزیز ترین دوست نے میرے والد کو میرے بارے میں جو خط لکھ
ا۔ اس کی وجہ سے میں اس سے ہر قسم کے تعلقات ختم کر لیے ہیں۔ اصل میں

مجھے یہ ناپسند ہے کہ کوئی بھی شخص خواہ میرا باپ یا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو'
ہماری نظارہ بازی کے دوران مداخلت کرے۔ اب میں اپنی محبوبہ کے سوا کسی
سے بھی بات کرنا پسند نہیں کرتا۔

اتوار ۲۲ دسمبر

آج اتوار ہے اور میں صبح سے اداس بیٹھا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ
آج ضرور کچھ نہ کچھ ہو گا کیونکہ دونوں آدمی اتوار کو ہی قتل ہوئے تھے۔ دو
بجے دن میرے عزیز ترین دوست کامران نے دروازے پر دستک دی۔ ایک بار
تو میرا جی چاہا کہ اسے اندر بلا کر معافی مانگ لوں لیکن دوسرے ہی لمحہ محض اپنی
محبوبہ کی خاطر اپنے دوست سے بداخلاقی برتنے پر مجبور ہو گیا اور میں نے اسے
اپنے کمرہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔

دو بجے دن کے بعد سے گلی والی کھڑکی میں جانے کی خواہش نے میرے دل
میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ میں کرسی پر بیٹھا محسوس کر رہا تھا کہ کوئی ان دیکھی قوت
مجھے کھڑکی کے قریب لے جانے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔ میں ابتدا میں تو
اپنی ساری قوت صرف کر کے کھڑکی کے قریب جانے سے باز رہا لیکن آخر کار
میرے قدم خودبخود کھڑکی کی طرف اٹھ گئے تھے۔ لیکن پھر یکایک مجھے ان دو
مقتولین کا خیال آگیا تھا جو ایک اتوار کو اسی کھڑکی سے نیچے کود گئے تھے اور مر
گئے تھے۔ اس خیال کے آتے ہی میرے قدم ادھر جانے سے رک گئے۔ میرے
دل میں کھڑکی کے قریب جانے کی خواہش تو بار بار جنم لے رہی تھی لیکن میں
کھڑکی سے نیچے کودنے کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا۔ آخر وہ لوگ جو اس کھڑکی
کے نیچے مردہ حالت میں پائے گئے اپنی خوشی سے کھڑکی سے کیوں کودے۔ میں
اسی قسم کے خیالات میں غرق تھا کہ یکایک پھر میرے دل میں کھڑکی پر جانے کی
زبردست تحریک پیدا ہوئی اور میں غیرشعوری طور پر کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔
میری محبوبہ میری منتظر تھی۔ میں نے اسے سلام کیا تو وہ بھی مجھے سلام کرنے

Pdfstuff.blogspot.com

لگی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی تو وہ بھی عین اسی لمحہ مسکرا دی۔ اسی دوران پولیس اسٹیشن کی طرف سے مامور کانسٹیبل نے میرے دروازہ پر دستک دی۔ مجھے مجبوراً" دراوازہ کھولنا پڑا۔ وہ میری خیریت دریافت کرنے آیا تھا۔ کانسٹیبل نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ کر کہا کہ میں کچھ گھبرایا ہوا سا کیوں لگ رہا ہوں۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں قریبی باغ میں چہل قدمی کر آؤں تاکہ میری طبیعت سنبھل جائے۔ مجھے مجبوراً" اس کے مشورہ پر عمل کرنا پڑا۔

سوموار ۲۳ دسمبر

میں کل رات واپس آکر سو گیا تھا۔ صبح بیدار ہو کر کھڑکی کے پاس گیا تو مجھے محسوس ہوا کہ میری محبوبہ کچھ ناراض ہے۔ پھر وہ جلد ہی مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اس دوران تھوڑی دیر کے لیے مس میری بھی میری خیریت دریافت کرنے آئی۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سب لوگ میرے عزیز دوست کامران کے کہنے پر میری خیریت دریافت کرنے آتے ہیں۔ وہ ہی انہیں بھیجتا رہتا ہے۔ آج میں مجدد آرٹسٹ کے کمرے میں بھی گیا اور اس سے چند قلم اور رنگ وغیرہ لایا ہوں۔ میں اپنی محبوبہ کی تصویر بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

منگل ۲۴ دسمبر

رات کو گھر پہنچا تو قمر کے بھیجے ہوئے ایک شخص نے میری خیریت کا حال پوچھا۔ میں نے کہلوا دیا کہ ٹھیک ٹھاک ہوں۔

بدھ ۲۵ دسمبر

آج بھی صبح بیدار ہوتے ہی سٹوڈیو چلا گیا۔ سٹوڈیو سے رات آٹھ بجے واپسی ہوئی۔

جمعرات ۲۶ دسمبر

آج سورج طلوع ہونے کے بعد کھڑکی پر آیا تو وہ میری منتظر تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ میں دو دن سے غیر حاضر تھا۔ اس لیے

وہ ناراض تھی اور اپنی ناراضی میں وہ حق بجانب تھی۔ میں نے اشاروں میں اس سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ اس نے فوراً" ہی مجھے معافی دے دی اور ہم اپنے روزمرہ کے پروگرام کو دہرانے لگے۔ میں نے قلم اٹھا کر اس کی تصویر بنانے کا ارادہ کیا تو اس نے منع کر دیا۔

جمعہ ۲۷ دسمبر

میں کھڑکی والی حسینہ کو اپنی زندگی سے بھی زیادہ چاہتا ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج کئی بار مجھے اپنی موت کے خیال نے پریشان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن میں نے ہر بار اسے جھٹک کر الگ پھینک دیا ہے اور ہر بار محبت کی دنیا میں کھو گیا ہوں۔ میں نے آج کئی بار کھڑکی کے ایک پٹ کو اپنی محبوبہ کا سراپا سمجھ کر بوسہ دیا ہے اور اس نے بھی فوراً" ہی میری تقلید کی ہے۔ آج شام کے بعد میں نے اپنی محبوبہ کی تصویر بنانا شروع کر دی ہے۔ ایک پنسل سکیچ بڑا شاندار بنا ہے۔ سو فیصد نہیں تو نوے فیصد خدوخال میری محبوبہ سے مشابہ ہیں۔

ہفتہ ۲۸ دسمبر

میرا یہ خیال کہ میں اس کے ساتھ کھیل رہا ہوں' آج غلط ثابت ہوا ہے۔ درست بات یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ کھیل رہی ہے۔ میں جو بات کرتا ہوں اس کی وہ ہو بہو نقل کر کے دکھا دیتی ہے۔

دو بجے کا عمل ہو گا جب مجھے اس تازہ صورت حال کا علم ہوا تھا اس کے بعد میں نے چاہا تھا کہ کھڑکی کی سلاخوں کا بوسہ لوں لیکن اس نے اسی لمحہ اپنے ہاتھ کو اٹھا کر چوما تھا۔ اس لیے میں کھڑکی کی سلاخوں کا بوسہ لینے کی بجائے اپنا ہاتھ بلند کر کے اسے چومنے لگا تھا۔ اسی طرح ایک اور موقع پر میری خواہش تھی کہ کھڑکی سے چند قدم پیچھے ہٹ جاؤں لیکن وہ عین اسی وقت اپنا دایاں پاؤں کھڑکی پر رکھ کر کھڑی ہو گئی اور مجھے بھی بے اختیار اپنا دایاں پاؤں کھڑکی پر رکھنا پڑا۔ آج کی اپنی اور اس کی ساری حرکات و سکنات کا جائزہ لینے کے بعد میں

Pdfstuff.blogspot.com

اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ ایک ایسی حسین و جمیل ساحرہ ہے جس نے مجھ پر جادو کر رکھا ہے۔ وہ عامل ہے اور میں معمول۔ وہ جو چاہتی ہے مجھے وہی کرنا پڑتا ہے۔ میں اس کے اشاروں پر ناچ رہا ہوں۔ وہ مسکراتی ہے تو مجھے بھی مسکرانا پڑتا ہے۔ وہ پاؤں آگے کرے تو میرا پاؤں بھی آگے ہو جاتا ہے۔ وہ پاؤں سمیٹ کر پیچھے ہٹ جائے تو میں بھی پیچھے ہٹ جاتا ہوں۔ مجھے خود پر قابو نہیں رہا۔ اس نے مجھ پر قابو پا لیا ہے۔ اب میری ذات میری نہیں رہی' اس کے قبضہ میں چلی گئی ہے۔ وہ میری حرکات و سکنات کی مالکہ ہے۔ میرے ذہن کو جس طرف موڑے وہ اسی طرف مڑ جاتا ہے

اتوار ۲۹ دسمبر

آج صبح بیدار ہونے کے بعد جو سب سے پہلا خیال میرے ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ آج کا دن مجھ پر بھاری ہے۔ شاید آج کا دن میری زندگی کا آخری دن ثابت ہو۔ مجھے چاہئے کہ میں آج کے دن کے سارے حالات ساتھ کے ساتھ اپنی ڈائری میں قلم بند کرتا جاؤں۔ اس خیال نے میرے ذہن پر بری طرح قابو لیا ہے۔ میں اپنی موت کے متعلق سوچ رہا ہوں اور مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میری کرسی جس پر میں بیٹھا ہوا ہوں' صبح کی سفیدی میں اتنی ٹھنڈک اور سخت محض اس لیے معلوم ہو رہی ہے کہ اس نے میری موت دیکھ لی ہے۔ میرے دماغ کی رگیں اپنی موت کے محور کے گرد رینگ رہی ہیں۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے اور طبیعت مضطرب ہے۔ لو وہ آگئی اور ہمارا کھیل شروع ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں اپنے لیے ایک اجنبی سا ہو گیا ہوں۔ میرے دل و دماغ پر میری محبوبہ کا قبضہ ہو گیا ہے اور میں اس کی مرضی کا غلام بن کر رہ گیا ہوں۔ وہ جو حرکات و سکنات کرتی ہے' میں اس کی نقل اتارتا ہوں۔ مجھے کسی نامعلوم طاقت نے اس کی مرضی کا تابع کر دیا ہے اور میں اس کے اشاروں کنایوں کی روشنی میں سب کام کرنے پر مجبور ہوں اور سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے

ی مرضی کے مطابق کام کر کے ایک عجیب قسم کی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

ہم دونوں روزمرہ کے معمول پر عمل پیرا تھے کہ یکایک وہ کھڑکی کے عقب اریکی میں گم ہو گئی۔ ابھی ابھی وہ میری نظروں کے سامنے تھی۔ پھر اچانک برق رفتاری سے غائب ہوئی کہ میری آنکھیں اسے غائب ہوتے ہوئے دیکھنے قاصر رہیں۔ اچانک وہ پھر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک اینٹ تھی جسے ہاتھ ر کے اس نے کچھ اشارے کیے اور اینٹ کو یوں ہلانے لگی جیسے کسی شے پر ہی ہو۔ میں سمجھ گیا کہ وہ چاہتی ہے کہ میں کسی چیز کو مار کر ان سلاخوں کو ر دوں جو میری کھڑکی میں نصب تھیں۔ میں نے کمرے میں ادھر ادھر نظر ی تو مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس سے میں ان سلاخوں کو ختم کرتا۔ وہ ی گئی۔ دوبارہ آئی تو اس کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ اس نے اشاروں سے بتایا ں چاقو کو کام میں لا کر سلاخوں کو الگ کر دوں۔ میں نے فوراً" تکیے کے سے چاقو اٹھا لیا۔ میں رات کو سوتے ہوئے اس بڑے چاقو کو احتیاطی تدبیر ور پر اپنے تکیہ کے نیچے رکھتا تھا۔ میں چاقو سے کھرچ کر سلاخوں کے ان ا کو جو چوبی چوکھٹ میں گھسے ہوئے تھے نکالنے لگا اور وہ مسکراتی ہوئی مجھے وکھٹ پر چاقو سے وار کرتی ہوئی دیکھتی رہی۔ میں نے جلد ہی چوکھٹ کو لہ سے کھرچ کر تین سلاخوں کو کمرے میں پھینک دیا۔ پھر کام سے فارغ ہو ں کی طرف دیکھا تو وہ بڑی مسرور نظر آئی جیسے یہ کام میں نے نہیں خود نے کیا ہو اور یہ سچ بھی تھا۔ میرا کوئی فعل اپنا نہ تھا' میں تو اس کی مرضی کا نا۔ اسی کے ایما پر سلاخوں کو کھڑکی سے الگ کیا تھا۔ پھر بھلا اسے خوشی نہ ہوتی۔

اب میں میز پر بیٹھا ہوا ڈائری لکھ رہا تھا۔ ابھی ابھی پولیس کانسٹیبل نے ے پر دستک دی تھی۔ میں نے کھڑکی سے ہٹ کر دروازہ کھولا تو اس نے یریت پوچھی اور لوٹ گیا۔ اس کی آمد سے مجھے سوچ و بچار کا وقت مل گیا

PdfStuff.blogspot.com

اور میں میز پر بیٹھا ہوا ڈائری لکھتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ اب کھڑکی پر نہ جاؤں
تو اچھا ہے۔ میرا دل گھبرا رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حسینہ کوئی ایسی حرکت
بیٹھے جو میرے لیے جان لیوا ثابت ہو۔ اگر اس نے کوئی ایسی حرکت کی تو
اس کی پیروی کرنی پڑے گی۔ اس لیے میں کھڑکی پر نہ جاؤں تو میرے لیے
مند ثابت ہو سکتا ہے۔

اچانک میری نظر کھڑکی کی طرف اٹھی تو وہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ میں
اختیار ہو کر میز سے اٹھا اور کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ اس نے اپنا دایاں پاؤں
کر کھڑکی کی چوکھٹ پر رکھا۔ جواباً" میں نے بھی وہی کیا۔ وہ نیچے جھک کر فرش
کو دیکھنے لگی۔ میں اس کی نقل کرنے پر مجبور تھا۔ میں جان بوجھ کر اپنی موت
دعوت دے رہا ہوں۔ میں زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑا ہوں۔ کہیں
آخری وقت تو نہیں آگیا۔ مجھے خود پر قابو نہیں رہا۔ میں اس ساحرہ کے بس
ہوں۔ وہ چاہے تو مجھے قتل کر دے اور چاہے تو زندگی بخش دے۔

چند منٹ کی کشمکش کے بعد میں اس فیصلہ پر پہنچا ہوں کہ مجھے اس خو
ساحرہ کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے کیونکہ وہ وقت قریب آ رہا ہے جب اسی وقت
اور اسی دن اس کھڑکی سے کود کر دو آدمی اپنی جان گنوا بیٹھے تھے اور آج میں
تیسرا آدمی ہوں جو اس خونی ساحرہ کی دعوت پر موت کا تر نوالہ بن رہا ہوں۔

جوں جوں وقت گزر رہا ہے۔ میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میری سار
قوتیں سلب ہوتی جا رہی ہیں۔ میرا اس خونی ساحرہ کی طرف نہ دیکھنے کا فیصلہ
منہ چڑا رہا ہے اور میں خود کو اس حسینہ کی مرضی پر چلنے کے لیے آمادہ پا
ہوں۔ میرے دل سے آواز آ رہی ہے کہ میں اپنے فیصلہ کی خلاف ورزی کرو
گا۔ میں اسے دیکھوں گا، ضرور دیکھوں گا۔ میں اپنے خیالات کو ذہن سے ہٹا
کے لیے کھڑکی سے ہٹ گیا ہوں اور ڈائری لکھتے ہوئے چاہتا ہوں کہ یہ وقت
طرح گزر جائے لیکن ہو یہ رہا ہے کہ میرے دل و دماغ پر میرا اختیار ختم ہوتا

رہا ہے۔

میں یہ سوچ کر غمگین ہو جاتا ہوں کہ اگر اس نے مجھے بھی کھڑکی سے چھلانگ لگانے کا حکم دے دیا تو کیا ہو گا۔ میں بلا توقف کھڑکی سے چھلانگ لگا دوں گا لیکن اس سے مجھے کس قدر اذیت برداشت کرنی پڑے گی۔ خواہ وہ چند منٹ کی ہو گی۔ تیسری منزل سے چھلانگ لگا کر میں زمین پر گروں گا تو یقیناً" میرا سر پاش پاش ہو جائے گا۔ میرا سرخ لہو زمین کو لالہ زار بنا دے گا۔ آہ مجھے کس قدر تکلیف برداشت کرنی پڑے گی۔

کیا یہ مناسب نہیں کہ میں اس قسم کے خیالات کو دماغ سے نکال کر پھینک دوں اور اپنی توجہ دوسری طرف مبذول رکھنے کے لیے اپنی ڈائری کے اوراق سیاہ کرتا جاؤں۔ ہاں، یہی ٹھیک ہے لیکن اب میں ڈائری میں مزید کیا لکھوں، کچھ لکھنے کو تو باقی بچا ہی نہیں کیوں نہ اب میں ڈائری کے اوراق پر اپنا ہی نام لکھ لکھ کر وقت گزاروں۔ اکرم، میاں محمد اکرم --- چودھری محمد اکرم --- اکرم صاحب --- اکرم جی --- اکرم مرحوم --- اف یہ میں نے کیا لکھ دیا۔ کیا میں مرحوم ہو چکا ہوں۔ نہیں میں زندہ ہوں۔ میں زندہ رہنے کی کوشش کروں گا۔

اندھیرا گلی کی کھڑکی سے بھاگ کر دیوار پر جمع ہو رہا ہے اور یہی وقت ہے جب میرے دونوں پیشروؤں نے کھڑکی سے چھلانگ لگائی تھی۔ میں اب دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کھڑکی میں جھانکنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ میں یہ آخری سطر قلمبند کر کے کھڑکی میں کھڑی اپنی محبوبہ کی نظروں میں نظریں گاڑ دوں گا، خواہ کچھ بھی ہو۔

اس کے بعد ڈائری میں کچھ نہیں لکھا تھا کیونکہ اس کے بعد اکرم نے خودکشی کر لی تھی۔ پولیس کانسٹیبل کے بیان کے مطابق پورے چار بجے اس نے اکرم کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے دوبارہ دروازے پر دستک

pdfstuff.blogspot.com

دی مگر پھر بھی کوئی جواب نہ ملا اس کے فوراً" بعد گلی سے شور اٹھا کہ ایک نوجوان کی نیچے لاش پڑی ہے۔ کانسٹیبل فوراً" نیچے پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ لاش اکرم کی تھی۔

مجھے ہوش آیا تو انسپکٹر ڈائری کا مطالعہ کر چکا تھا۔ ہم سامنے گلی میں واقع مکان کی طرف چلے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مکان کا دروازہ مقفل ہے۔ انسپکٹر نے فوراً" یہ رائے قائم کی کہ قاتل یا قاتلوں نے اپنی نوجوان لڑکی اور اکرم کو ایک دوسرے کو اشارے کرتے دیکھ لیا ہے اور اکرم کو قتل کرنے کے بعد اپنا مکان مقفل کرنے کے بعد راہ فرار اختیار کر چکے ہیں۔ مگر بعد میں پڑوسیوں نے ہمیں بتایا کہ یہ مکان تو دو برس سے بند پڑا ہے۔ اس کے مکین دو برس قبل یہاں سے کسی دوسرے شہر میں چلے گئے تھے۔

اگلے روز کلکتہ کے ایک اخبار میں اس خودکشی کے بارے میں رپورٹر نے یہ خبر شائع کی۔

"گزشتہ روز کلکتہ میں لکشمی مینشن میں رہائش پذیر لاہور کے ایک نوجوان اکرم نامی نے ایک مردہ لڑکی کی روح کے عشق میں خودکشی کر لی۔ اکرم کی ڈائری کے مطابق اسے ایک لڑکی سے عشق تھا اور وہ دونوں ایک ماہ سے اشاروں کنایوں میں ایک دوسرے سے اظہار محبت کیا کرتے تھے۔ اتوار کو چار بجے دن اس لڑکی کے ایما پر اکرم نے تیسری منزل سے کود کر خودکشی کر لی۔ اس پراسرا واقعہ کو بعض لوگ اس لیے ناممکن قرار دینے پر بضد ہیں کہ پولیس کی رپورٹ کے مطابق گردھاری مینشن کے مالک لال جی حسین بھائی کی بیٹی آسیہ کو انتقال کیے ہوئے دو برس بیت چکے ہیں۔ وہ بری صحبت میں پڑ گئی تھی۔ ایک روز باپ کی ڈانٹ ڈپٹ سے دلبرداشتہ ہو کر اس نے مکان کی تیسری منزل سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ تب سے آسیہ کی روح نے گردھاری مینشن میں بسیرا کر رکھا ہے حالانکہ اس کے والدین دو برس سے یہ

ان چھوڑ کر کسی دوسرے شہر جا چکے ہیں۔ زبیدہ کے کمرے کے عین سامنے ہی بلڈنگ کا وہ کمرہ ہے جہاں سے اکرم نے کود کر خودکشی کی ہے۔ اس سے لے بھی دو آدمی اسی طرح خودکشی کر چکے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کی روح نے ان سے بھی عشق کا کھیل کھیلا تھا اور انہیں بھی اکرم کی طرح دکشی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پورے کلکتہ میں اس واقعے نے سنسنی پھیلا دی ہے۔"

☆

PdfStuff.blogspot.com

زندہ آنکھیں --- مردہ آنکھیں

وہ میری بیوی تھی۔ اس کے پہلے دو شوہروں کا انتقال ہو چکا تھا --- ایک شام مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ اس نے اپنے پہلے دونوں شوہروں کی ایک نشانی سنبھال رکھی ہے اور اسی چیز کی وہ مجھ سے متقاضی ہے۔ تو کیا اب میرے مرنے کی باری تھی؟

ابھی چند دنوں قبل تک مجھے قطعی نہیں معلوم تھا کہ جوزفین نے اسے مار ڈالا ہے مگر اس کا اعتراف قتل ان دوسری چیزوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ یہ بہت معمولی بات تھی جو مجھے اس کے شب خوابی کے کمرے کی خفیہ الماری سے دوسرے دن ملی تھیں۔

مجھے تو اس کی الماری کو دیکھنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ بات بہت خطرناک ہے۔ پھر جونہی میں نے وہ دونوں بوتلیں اور تصاویر دیکھی تھیں تو مجھے فوراً" ہی کمرے سے نکل جانا چاہئے تھا بلکہ گھر ہی سے بھاگ جانا چاہئے تھا۔ جو باتیں ان چیزوں سے مجھے معلوم ہو گئی تھیں اس کے بعد سے مجھے تو اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹکنا چاہئے تھا۔ ایسا کرنا خودکشی کے مترادف تھا۔ دراصل یہ بھی اس کا ایک منصوبہ تھا کہ میں اس کے راز سے ازخود آگاہ ہو جاؤں۔ مجھے تو سوچنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ میرے پاس بس اتنا ہی وقت تھا کہ میں کوئی اقدام کر

سکوں اور یہ قدم اٹھانے پر بھی خود اس نے مجھے مجبور کیا تھا۔

مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ مجھے تو اس کا احساس اب ہوا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر اپنے کمرے کے دروازے کو مقفل نہیں کیا تھا۔ تجسس کے تحت میں اس میں داخل ہو گیا تھا۔ کتنا ہی اچھا ہوتا کہ میں باہر ہی رہتا۔ اگر آپ کا یہ خون پینے کا عادی ہو تو یہی اچھا ہوتا ہے کہ آپ یہ بات نہ جانیں۔ اگر آپ کی بیوی کسی عفریت کو جنم دے تو کیا یہ اچھی بات نہیں کہ اس کی خبر آپ کو نہ ہو؟

اس کی شراب نوشی کا بھی مجھے علم نہ تھا۔ اسی نشے میں اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے راڈرک کو مار ڈالا تھا۔ یہ اس کا دوسرا شوہر تھا۔ بتاتے وقت اس کے لہجے میں فخر بھی تھا اور غصہ بھی اور اس میں قوت کا احساس بھی تھا۔ بعد میں مجھے ایک اور بات سمجھ میں آ گئی تھی حقیقتاً" وہ قتل کا یہ کارنامہ سنا کر میرے اندر اپنی دہشت بٹھانا چاہتی تھی اور وہ اس میں کامیاب بھی رہی تھی۔

یہ اس کی آنکھیں تھیں۔ اس نے مجھے بتایا تھا۔ مسکراتے ہوئے سرمستی کے عالم میں، ستم ظریفانہ کہ یہ راڈرک کی آنکھیں ہیں۔ مجھے بہرحال اس کا علم تھا۔ جس رات اس نے وکٹر کو ہلاک کیا تھا میں وہاں تھا۔ ویسے اس وقت دوسرے تمام افراد کی طرح خود میں نے بھی اس واقعے کو ایک حادثہ ہی سمجھا تھا۔ میں نے راڈرک کی آنکھوں کی یہ کہانی اس کی موت کے بعد مہینوں تک سنی تھی۔ وہ آنکھیں، ہاں میں انہیں اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں۔

میں ایتھنز سے ایک کشتی میں چلا تھا۔ اسی میں میری ملاقات راڈرک اور ریٹا سے ہوئی۔ اتفاق سے ہم دونوں ساتھ ساتھ ریلنگ کے پاس کھڑے تھے۔ کشتی پہلے اسٹاپ پر کھڑی تھی اور ساحل پر دودھ اتارا جا رہا تھا۔ موسم گرما کے سورج میں سپید مکانات کی قطاریں دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ بڑا عمدہ منظر تھا۔ پھر میں راڈرک کی سمت مڑا۔ کچھ تبصرہ کرنے کے لیے میں نے سرسری طور پر

Pdfstuff.blogspot.com

اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا تھا۔ اور پہلی دفعہ یہ مجھے نظر آئی تھیں۔ پھر یہ منظر کو بھول بیٹھا تھا۔

ان آنکھوں نے مجھے جیسے مار گرایا تھا۔ یہ کرب خیز تھیں۔ خوف انگیز تھیں۔ کھوئی ہوئی تھیں۔ ماندہ تھیں۔ یہ کسی بھوکے بچے جیسی تھیں۔ لگتا تھا جیسے انہیں پسینہ آ رہا ہو۔ بھیگی بھیگی سی تھیں مگر ان میں خوف تیر رہا تھا۔ خوف ان میں چمک رہا تھا۔

جوزفین' جو اس وقت اس کی بیوی تھی' اس کے پاس ہی کھڑی تھی۔ ہوا سے اس کا ملبوس اڑ رہا تھا۔ اس کے بال رقص کر رہے تھے۔ اس وقت مجھے اس کی قوت کا احساس ہوا تھا۔ یہ قوت تیز' گھس جانے والی اور سخت تھی۔ کسی چاقو جیسی' جوزفین مختصر سی قامت کی عورت تھی جب کہ راڈرک خاصا مضبوط اور بھاری آدمی تھا مگر ابتدا ہی سے نہ جانے کیوں میری چھٹی حس نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ شخص اس عورت کے ہاتھوں میں کسی کٹھ پتلی کی طرح ہے۔ اس کی ڈوریاں عورت کے ہاتھ میں ہیں مگر اب عورت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ نچاتے نچاتے یہ انگلیاں جیسے بور سی ہو رہی تھیں۔

دوپہر تک ہم جزیرے پر پہنچے۔ اس عرصے میں ان سے میرا تعلق اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ ہم نے ایک ساتھ ڈنر کھایا تھا۔ باتوں سے پتا چلا کہ وہ بھی اس جزیرے پر چند روز گزارنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس کی آبادی تین ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ ان میں سے زیادہ تر ماہی گیر تھے۔ بقیہ سیاح تھے یا آرٹسٹ تھے۔ راڈرک خود گریس میں پیدا ہوا تھا مگر بچپن ہی میں امریکہ چلا گیا تھا۔ اب وہ اپنے والدین سے ملنے ایتھنز آیا تھا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ ہم تینوں ہی لاس اینجلز ہی کے رہنے والے ہیں۔ راڈرک وہاں فروٹ کے ہول سیل بزنس میں تھا جب کہ میں سکول ٹیچر تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ جوزفین سے اس کی شادی ہوئے ابھی ایک سال ہی ہوا ہے۔ یہ اس کی دوسری شادی تھی اور ریٹا کی بھی

یہ دوسری شادی تھی۔ اس کا پہلا شوہر ڈوب کر مر گیا تھا۔ وہ راڈرک کے مقابلے میں کافی کم عمر تھا۔

ابتدا میں کسی کو ذرا بھی شبہ نہ تھا کہ وہ ایک قاتلہ ہے اور مجھے تو بالکل اندازہ نہ تھا۔ اس نے یہ قتل ہیڈرا نامی جزیرے پر کیا تھا جب کہ ساری بستی رات کو خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔ بڑے سکون سے' آرام سے اس نے یہ قتل کیا تھا۔ اسے اس پر کس قدرے فخر تھا۔ اس کا علم تو مجھے اس روز ہوا تھا جب نشے میں یہ بات نکلی تھی۔ یعنی ابھی صرف چند روز پہلے۔ اس نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا کہ یہ کام کس طرح ہوا تھا۔ راڈرک کس قدر چوزہ ثابت ہوا تھا۔

اس نے راڈرک کو کس طرح تیار کر لیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔ وہ آدھی رات کو تیراکی کرنا چاہتی تھی۔ راڈرک کو تیرنا نہیں آتا تھا اور میرا خیال ہے اسی لیے جوزفین نے اس کے ساتھ شادی کی تھی بلکہ سب سے اہم یہی سبب تھا۔ کیا راڈرک نے کبھی اس پر شبہ کیا تھا؟ یہ سوال میرے ذہن میں ابھر رہا تھا لیکن جب میں خود اپنی ازدواجی زندگی پر غور کرتا ہوں تو مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ کہ اسے کچھ نہ کچھ شک تو ضرور ہوا ہو گا۔ خود مجھے ہوا تھا مگر اس کے ساتھ کوئی سال بھر تک رہنے کے بعد وہ شاید مر ہی جانا چاہتا تھا۔ بہرحال وہ مر گیا تھا۔ پھر انہوں نے ہوٹل چھوڑ دیا تھا۔ میں بھی اسی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گاؤں کے باہر پہاڑی کی طرف رواں تھے۔ کئی سال پہلے وہ ہیڈرا آئی تھی۔ اپنے والدین کے ساتھ اور اسے معلوم تھا کہ یہاں سطح سمندر سے کوئی بیس فٹ بلندی پر ایک چٹان ہے۔ اس جگہ اتنا سمندری پانی ایک بڑے سوراخ میں ضرور رہتا تھا جس میں نہایا جا سکتا تھا۔ یعنی وہ قدرتی سوئمنگ پول تھا۔ جوزفین کو اس کا علم تھا۔ اسے کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ ادھر چاندنی میں موت بڑی آسانی سے آ سکتی تھی۔ کسی پتھر پر گر جانے سے

بھی اور ڈوب جانے سے بھی۔اس نے ایک اور چالاکی بھی کی تھی۔ اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ ادھر آنے کے لیے اس نے ایک ایسی رات منتخب کی تھی جس میں چاند نہیں تھا۔ یہی نہیں وہ اس روز سہ پہر کو اس مقام پر اکیلی ٹہلنے گئی تھی۔ اس نے سوراخ تک اپنے قدموں سے اس کی لمبائی گنی تھی۔ فاصلہ ناپا تھا۔ اس طرح اسے معلوم ہو گیا تھا کہ کتنا چلنے کے بعد اسے کس جگہ رک جانا ہو گا۔ اس کے بعد وہ راڈرک کو ایک دھکے سے اس پول نما سوراخ میں گرا سکتی تھی۔ پھر یہی ہوا تھا۔ راڈرک کے منہ سے بس ایک ہلکی سی چیخ نکلی تھی اور وہ سوراخ میں گر گیا تھا۔ اس نے اس کے جھپاکے سنے تھے' نہایت خوش کن آوازیں تھیں۔

اس نے انتظار کیا تھا راڈرک سطح پر نہیں ابھر سکا تھا۔ اس کے بعد وہ اس کے پیچھے سوراخ میں کود گئی تھی۔ وہ ایک بہترین تیراک تھی۔ بظاہر شوہر کی مدد کے لیے' بہ باطن یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ مرا ہے یا نہیں۔ یہ باتیں اسی نے کہی تھیں مجھ سے۔ وہ چٹان پر پڑا ہوا تھا۔ پانی میں وہ بے حس و حرکت تھا۔ اس نے راڈرک کے جسم کو گہرے پانیوں میں دھکیل دیا تھا پھر وہ ہوٹل کی طرف گئی تھی۔ ایک بہت غم زدہ بیوہ کی طرح چیختی چلاتی ہوئی۔

یہ باتیں مجھے معلوم تھیں۔ میں ہوٹل میں ہونے والے شوروغل سے جاگ گیا تھا پھر دوسرے سیاحوں اور ماہی گیروں کے ساتھ بمعہ پولیس کے اس سمندری سوراخ تک گیا تھا' وہاں راڈرک کی لاش کی تلاش میں۔ سمندر اسے بہا کر دور لے گیا تھا۔ کئی روز تک وہ نہیں مل سکی تھی۔ میں جوزفین کے ساتھ وہاں رک گیا۔ اسے تسلیاں دیتا رہا۔ کتنا احمق تھا میں۔ اس کی باتیں سنتا رہا جو وہ راڈرک کو یاد کر کے مجھے سناتی رہی تھی کہ وہ کتنا اچھا' کتنی محبت کرتا تھا اس سے۔ پھر بتایا مگر پھر اس کی محبت اس کی آنکھوں کی وجہ سے خوف کا شکار ہو گئی تھی۔ اس نے کہا کہ ایسا ہی خوف اسے اس کے پہلے والے شوہر کی آنکھوں سے

س ہوتا تھا' وہی جو راڈرک کی طرح ڈوب مرا تھا۔ اس کے دونوں ہی شوہر ا نہیں جانتے تھے۔ اس کا احساس تو مجھے ابھی صرف چند روز پہلے ہوا تھا کہ بان بوجھ کر ایسے شوہر چنتی تھی جو تیراکی نہ جانتے ہوں۔ خود مجھے بھی تیرنا ں آتا تھا۔ اور اسی لیے میں اس کا تیسرا شوہر تھا۔ دراصل وہ اپنی برتری کے م میں رہتی تھی۔ اسے بڑا اطمینان تھا کہ قانون کے ہاتھ اس تک نہیں پہنچ ۔

میں اور ریٹا --- راڈرک کی لاش کی تلاش میں روزانہ ساحل کی طرف تے تھے ساتھ ساتھ۔ چوتھے روز اس کی لاش ملی۔ اس کی حالت اس قدر بری ں کہ دیکھ کرتے آتی تھی۔ جس وقت میری آنکھیں لاش سے ٹکرائی تھیں میں یک چکا تھا' خود جوزفین کی آنکھوں کو اس وقت دیکھ کر مجھے ایک سرد لہر اپنے ر ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ پھر ریٹا سے لاش شناخت کرنے کے لیے کہا یا۔ میں نے اس لمحے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے' میرے خدا مجھے لرزہ ا آتا ہے یاد کر کے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ جب اس نے دیکھا تھا کہ لاش کی نوں آنکھیں غائب ہیں' نوچ لی گئی تھیں تو اس کا چہرہ جیسے خوشی سے روشن ہو لیا تھا۔ میں اپنی اس موجودہ حالت میں بھی اس کے اس چہرے کو دیکھ سکتا دل۔

ماہی گیروں اور پولیس والوں کا خیال تھا کہ کسی مچھلی یا کسی سمندری جانور نے انہیں نوچا ہو گا۔ ویسے اس کے سارے بدن پر بہت سے زخم تھے اور اس کے کپڑے بھی جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ اس المیے نے پورے گاؤں میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ پھر راڈرک کو شہر لے جا کر دفن کر دیا گیا۔ اسی لمحے سے میرے ذہن میں وہ مسکراہٹ کہیں گھس کر بیٹھ گئی تھی جو میں نے جوزفین کے لبوں پر دیکھی تھی۔ مجھے اس وقت تو اس کا پتہ ہی نہیں چلا تھا اور میں نے اسے نظرانداز کر کے گویا بھلا دیا تھا۔

Pdfstuff.blogspot.com

وہ خوف تو بعد میں پلٹا تھا جو کسی چاقو جیسا کاٹ دار تھا جب میری اور
کی شادی ہو گئی تھی۔ راڈرک کی تدفین کے بعد وہ کیلی فورنیا واپس ہو گئی تھی
میں اس کے کچھ دنوں بعد واپس ہوا تھا ایک اور راستے سے۔ میں یورپ ہو
ہوا گیا تھا اور جب میں وطن واپس پہنچا تھا تو درمیان میں کچھ عرصہ گزر چکا
اور وہ راڈرک کی موت کے صدمے کو فراموش کر چکی تھی۔ اس نے وہ گھر
ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا تھا اور اس سے نجات حاصل کر لی تھی جس میں وہ رہتے
تھے۔ تاکہ اس کی یادیں اسے پریشان نہ کر سکیں۔ جوزفین نے راڈرک کو اپنے
ذہن سے بالکل کھرچ ڈالا تھا۔ اور صرف ہفتے کے اندر اندر ہماری محبت ایک
پودے سے بڑھ کر پورا درخت بن گئی تھی اور مہینے بعد ہم نے شادی کر لی
تھی۔

اب میں جب کہ یہ سوچ رہا ہوں کہ آخر اس نے مجھ سے شادی کیوں کی
تھی تو مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مجھے پانی سے
محبت تھی۔ میں اس کی مرکری میں سیلنگ کرنے کو بہت پسند کرتا تھا۔ جو اس کے
پول کے پاس ہی بیچ پر کھڑی رہا کرتی تھی۔ لطف کی بات یہ تھی کہ میں کشتی رانی
کو تو پسند کرتا تھا مگر مجھے تیراکی نہیں آتی تھی۔ میرے پاس بہت کم رقم تھی مگر یہ
کوئی مسئلہ نہ تھا کیونکہ جوزفین کے پاس بہت دولت تھی۔ اس کے تمام بڑوں
نے مثلاً" ماں باپ نے' اس کے پہلے شوہر نے اور دوسرے شوہر نے اس کے
لیے کافی رقم ترکے میں چھوڑی تھی۔ میری تنخواہ خاصی کم تھی اس کی کوئی
ضرورت نہ تھی۔ ابتدا میں بے شک مجھے گمان ہوا کہ وہ مجھے چاہتی ہے پھر یہ
بات تو سمجھنے میں زیادہ دن نہیں لگے تھے کہ میں بھی کتنا خوش گمان تھا اور کتنا
غلط اندازہ لگایا تھا میں نے۔ رہا یہ سوال کہ میں نے اس سے شادی کیوں کی
تھی؟ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو مجھے خود حیرت ہوتی ہے۔ شاید جب میں نے اسے
جزیرہ پر دیکھا تھا وہ مجھ پر چھا گئی تھی۔ اس کے اندر ایک چندھیا دینے والی

فت تھی۔ کسی ایسی طاقتور دیوی جیسی جس نے کہا ہو اگر میں تم پر مہربان ہو
اؤں تو تم اسے اپنی خوش قسمتی سمجھو۔ اس نے مجھ پر نظر کرم ڈالی تھی میں
پھل گیا تھا۔ اس کا جسم سنہرا تھا' خوب صورت تھا' اس کے پیچ و خم طرحدار
تھے' وہ بڑی جوشیلی عورت تھی۔ بے حد گرم' مگر اب جب کہ میں مڑ کر دیکھتا
ہوں تو یہ سب خیال خواب لگتا ہے۔ اس کے پاس کوئی محبت نہ تھی' صرف
بھوک تھی' وہ کچھ وصول کرتی تھی' بخشتی نہیں تھی۔ جب اس کی پیاس مٹ
جاتی تھی وہ مجھے پرے دھکیل دیتی تھی۔ مہینے بھر کے اندر ہی وہ مجھ سے اکتا گئی
اور پھر جلد ہی خوف پلٹ آیا تھا۔

یہ خوف کسی خلش کی طرح روح میں چھپا ہوا تھا۔ جوزفین کے گھورنے کا
انداز بڑا عجیب تھا۔ خوفزدہ کرنے والا قوت والا' یہ میرے اندر ابھر کر جیسے مجھے
کھنگالتا تھا۔ یہ ایک ہتھیار جیسی شے تھا اور مجھے اسی وجہ سے یہ سمجھنے میں مدد ملی
تھی کہ میں نے یہ شادی کیوں کی تھی۔ یہ یہی قوت تھی اسی قوت نے مجھے کھینچا
تھا اور قوت کھینچتی بھی ہے اور تباہ بھی کرتی ہے۔

پول کے پاس ایک روز اس نے مجھے گھورنا شروع کر دیا۔ مجھے محسوس ہوا
کہ میں اپنے خوف کا کود ہی مرکز نگاہ ہوں۔ مجھے یاد ہے اس وقت دھوپ اس
کے بدن پر کس طرح گر رہی تھی۔ اس نے ہاتھ میں ایک قلم تراش چاقو دبا رکھا
تھا جس سے وہ ایک سیب کاٹ رہی تھی۔ وہ اس وقت لباس سے عاری تھی۔
ہمارا یہ پول ہر طرف سے گھرا ہوا تھا۔ اس کا سر میری طرف تھا۔ وہ لیٹی ہوئی
تھی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جو اس کے پاس ہی پڑی تھی۔ اسی وقت
سورج کی کوئی کرن چاقو سے منعکس ہو کر میری آنکھوں سے ٹکرائی۔ میں نے
گھبرا کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس نے چاقو کو نیچے جھکا لیا۔ دراصل اس نے
یہ حرکت جان بوجھ کر کی تھی۔ یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی۔ مجھے اس کی
نظروں نے پوری طرح گرفت میں لے لیا تھا۔ پھر مجھے اس کی مسکراہٹ بھی نظر

pdfstuff.blogspot.com

آئی' یہ اس قدر تیزی سے ابھر کہ غائب ہوئی کہ میں پوری طرح سمجھ بھی نہیں پایا تھا۔ مسکراہٹ کچھ اسی قسم کی تھی جو میں نے اس کے ہونٹوں پر اس روز دیکھی تھی جب اس نے راڈرک کی بغیر آنکھوں والی لاش دیکھی تھی۔

اس رات میں سو نہیں سکا تھا۔ جوزفین کے پاس لیٹے ہوئے مجھے یوں لگا تھا کہ وہ میرے چہرے کو دیکھ رہی ہے مگر کمرے میں اندھیرا تھا۔ میں نے یہ احساس ذہن سے جھٹک دیا اور سو گیا تھا۔ بعد میں میری نیند ٹوٹ گئی تھی اور میں نے دیکھا تھا کہ جوزفین بڑے پیار سے اپنی انگلیاں میری آنکھوں پر پھیر رہی تھی۔ انہیں چھو رہی ہے۔ یہ کیا ہے؟ میں نے چونک کر پوچھا تو اس نے خاموشی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا بس اس کی سانسیں ہی سنائی دی تھیں۔ یہ تیز تھیں۔

اس روز کے بعد وہ اپنا چاقو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنے لگی تھی۔ پول پر وہ ان سے پھل کاٹتی تھی۔ باورچی خانے میں اس سے سبزی کاٹتی تھی۔ رات میں بھی اسے وہ اپنے پاس ہی رکھتی تھی۔ وہ اسے سر کے پاس میز پر رکھا کرتی تھی۔ اس کا پھل ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ یہ خاصا چھوٹا سا چاقو تھا اور بہت مہنگا تھا۔ اس کا دستہ ہاتھی دانت کا تھا۔ اس میں صرف ایک پھل تھا۔ وہ یہ چاقو مجھے چھونے بھی نہیں دیتی تھی۔ صرف ایک بار میں نے اسے ہاتھ میں لیا تھا۔ وہ اسے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر بھول گئی تھی۔ تب میں نے اسے اٹھا لیا تھا۔ اس کے پھل کے دونوں طرف بہت باریک باریک نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور یہ نقش کسی طاقتور آنکھوں کے تھے۔

"اتنے اچھے چاقو سے تم ترکاریاں کیوں کاٹتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"چاقو کو ہر حال میں استعمال کرتے رہنا چاہئے۔" اس نے جواباً کہا اور مجھے اس کے لبوں پر کسی خفیہ کسی تیز سی مسکراہٹ کی جھلک دکھائی دی تھی۔ "یہ جملہ میرے سب سے پہلے شوہر نے اس وقت کہا تھا جب اس نے یہ چاقو مجھے دیا تھا۔"

ایک روز ہم دونوں اس کی کشتی میں سمندر کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ اس روز بہت گرمی تھی۔ ہوا بند تھی۔ مجھے تیرنا نہیں آتا تھا مگر میں نے خود کو ایک طرف اس طرح جھکا رکھا تھا کہ ٹھنڈا پانی مجھے چھو رہا تھا۔ گن ویل کو مضبوطی سے تھام کر میں نے اپنے سر کو پانی سے بھگویا اور پھر میں نے جونہی خود کو سیدھا کیا میں نے دیکھا کہ جوزفین مجھے گھور رہی تھی۔ اس کے لبوں پر اس وقت اس کی خفیہ مسکراہٹ تھی۔ مجھے دیکھنے میں دیر ہو گئی تھی۔ اس کا کھلا ہوا چاقو میری انگلیوں کے نزدیک تھا جنہوں نے گن ویل کو تھام رکھا تھا۔ اس نے میرے مڑتے ہی چاقو نیچے گرا لیا تھا۔

اس نے کثرت سے شراب نوشی شروع کر دی تھی۔ ہر روز وہ مجھ سے دور ہو رہی تھی اور شراب نوشی اور خاموشی میں گم ہو رہی تھی۔ میں جب بھی کام سے واپس آتا اسے اپنے شب خوابی کے کمرے میں پاتا۔ وہ میرے لیے کھانا بھی نہیں بناتی تھی۔ پوری پوری رات وہ اپنے کمرے کو مقفل کر کے اندر پڑی رہتی۔ جب ہم ساتھ ہوتے تو وہ مجھ سے گریزاں رہتی تھی۔ میری نیند جب بھی ٹوٹتی میں اس کی انگلیوں کو اپنی آنکھوں سے مس ہوتا پاتا تھا۔ میرے استفسار پر اس نے اپنے اس رویے کی تشریح کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیتی تھی۔

"آخر معاملہ کیا ہے' کیا کیا ہے میں نے' یہ تم نے کیسی روش اختیار کر لی ہے؟" جواب میں وہ صرف مسکرا دیتی تھی۔ میرے اصرار پر وہ کمرے سے باہر چلی جاتی تھی۔ ایک روز جب شام کو میں گھر آیا تو وہ مجھے نہیں ملی۔ میں نے اسے تلاش کیا۔ وہ غائب تھی۔ اس کی کار گیراج میں کھڑی تھی۔ میں نے سوچا وہ بیچ پر ہو گی جہاں ہم اکثر ٹہلا کرتے تھے۔ وہ وہاں بھی نہیں ملی۔ میں پلٹا تو میں نے اسے باورچی خانے میں پایا۔ وہ ڈنر بنا رہی تھی۔ وہ سبزی کاٹنے میں وہی چاقو استعمال کر رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس نے پی رکھی ہے۔

Pdfstuff.blogspot.com

"تم کہاں گئی تھیں۔"

وہ صرف مسکرا دی۔ اب اس کا غائب ہونا معمول بن چکا تھا۔ لیکن ایک رات' چند روز قبل کی بات ہے۔ وہ اوپر سے اپنی خفیہ کمین گاہ سے اس وقت تک نیچے نہ آئی جب تک میں نے اپنا کھانا خود تیار نہ کر لیا۔ میں اس وقت ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ میری پیٹھ دروازے کی طرف تھی' معاً" مجھے اس کے ہاتھ کا لمس اپنی گردن پر محسوس ہوا۔ میں گھوما تو وہ مجھے بے لباس نظر آئی۔ پھر وہ گھوم کر میرے سامنے آ گئی۔ ٹی وی چھپ گیا۔ وہ پی رہی تھی اور جھوم رہی تھی۔ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ چسپاں تھی۔ وہ میری طرف بڑھی۔ اس نے بازو پھیلائے اور اس کے جسم نے مجھے مس کیا۔

"کیا بات ہے؟"

"آؤ ذرا پول تک چلتے ہیں۔"

"نہیں۔"

"اپنے کپڑے اتارو ہم ساتھ چلیں گے۔"

"میں سونے جا رہا ہوں۔" میں اٹھ گیا۔ اس نے اپنے بازو میرے گرد حمائل کر دیے۔

"چلو' پول پر چلتے ہیں۔"

میں نے اسے پرے ہٹا دیا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اب یہ ذرا منجمد ہو گئی تھی۔ پھر وہ مڑی اور چل دی۔ باہر نکل کر وہ پول کی طرف گئی۔ میں نے کھڑکی سے دیکھا اس نے جھک کر پانی کے کنارے سے کوئی چیز اٹھائی۔ پھر وہ پلٹی اور کمرے میں چلی گئی۔ وہ میرے پاس سے گزری تھی مگر وہ شے میں نہ دیکھ سکا۔ وہ شاید بہت چھوٹی سی تھی۔ ابھی چند گھنٹے پہلے میرے ذہن میں آیا ہے کہ وہ شے یقیناً" اس کا وہی چاقو رہا ہو گا۔

اس وقت بہرحال تجسس کے تحت کہ اس نے کیا چیز اٹھائی ہے میں بعد میں

ں کے کمرے میں گیا۔ وہ کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں شراب کا گلاس دبا ہوا تھا۔ اس کی نظریں اندھیرے میں کچھ گھور رہی ہیں۔ میں اس کے چہرے کے اس تاثر کو اس وقت بھی دیکھ سکتا ہوں یہ شاید ں کبھی بھلا نہیں سکوں گا۔ اس کے لبوں کی مسکراہٹ اس وقت سفاکی کی حدود ں تھی۔

پہلی بار اس کی مسکراہٹ اور اس کی نظریں مجھے ثانوی لگی تھیں۔ ایک نقش کپڑا کمرے کی ایک دیوار پر لٹکا ہوا تھا۔ میں اسے متعدد بار دیکھ چکا تھا مگر س رات جب میں کمرے میں آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کا ایک کنارا کوئی آدھے حصے کے قریب سوراخ زدہ ہے۔ دندانے دار۔ یہ ٹکڑا ایک کنجی میں پھنسا ہوا تھا جو ایک قفل میں پھنسی ہوئی تھی۔ پھر مجھے کسی دروازے کی ایک لائن سی بھی نظر آئی جو بادی النظر میں نہیں دیکھی جا سکتی تھی۔ نشے کی کیفیت مین وہ غالباً" قفل سے کنجی کو نکالنا بھول گئی تھی۔ یا پھر اس نے جان بوجھ کر اسے وہیں رہنے دیا ہو گا تاکہ میں دیکھ سکوں۔ اس دیوار کے عقب میں ایک خفیہ کمرہ موجود تھا' لگا تو یہی تھا کہ اس نے یہ بات نوٹ نہیں کی ہے کہ میں نے مخفی دروازے کو دیکھ لیا ہے۔ اس نے مجھے گھورا اور مسکرائی۔ اس کا غصہ یا تو نہیں رہا تھا یا اس نے اسے دبا لیا تھا۔ بہت احتیاط' بہت سکون اور بہت خاموشی سے اس کے الفاظ ابھرے اور کمرے میں موجود سمندری موجوں کے اس ہلکے شور پر تیرے جو کمرے میں گونج رہا تھا۔ اس نے خاصے فخریہ لہجے میں بتانا شروع کیا۔

"میں نے راڈرک کو ہلاک کیا تھا۔"

پھر اس نے ٹھہر کر مجھے گھورا اور اس نے پہلی بار وہ تمام کہانی مجھے سنائی جو وکٹر کے قتل کے متعلق تھی کہ وہ اسے کس طرح سمندری چٹان کے پول نما سوراخ تک لے گئی تھی پھر اسی میں اس نے راڈرک کی آنکھوں کا تذکرہ کیا تھا

pdfstuff.blogspot.com

اور کہا کہ یہ آنکھیں اس کے پہلے شوہر سے بہت مشابہ تھیں۔

"اسے ان آنکھوں سے بہت خوف آتا تھا۔"

"میں نے اسے بھی ہلاک کیا تھا۔" اس نے اپنے سب سے پہلے شوہر کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں قوت بھری ہوئی تھی۔ "وہ بھی ڈوب کر مرا تھا۔" جوزفین نے گویا چٹخارا بھرا۔ "میرے سارے شوہر ڈوب کر مرے تھے، کم کو بھی تیرنا نہیں آتا تھا۔" اس نے گلاس سے گھونٹ لیا۔ "جاؤ جا کر ذرا آئینہ دیکھو۔" اس نے کہا۔ "اپنی آنکھوں کو دیکھو۔ تم کچھ سمجھ لو گے کہ میرا مطلب کیا ہے۔ تمہاری آنکھیں بھی راڈرک اور اس سے پہلے والے میرے شوہر کی آنکھوں ہی جیسی ہیں تم بھی میرے پیچھے لگے ہوئے ہو۔ مجھے مار ڈالنا چاہتے ہو۔ میں یہ چیز تمہاری آنکھوں میں صاف دیکھ رہی ہوں۔" اس کی آواز اس طرح ابھری جیسے وہ چیخنے جا رہی ہو۔ "یہ تمہاری آنکھوں سے عیاں ہے۔"

میں بھاری قدموں کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں نے دروازہ مقفل کر لیا۔ میں نے سونے کی کوشش کی۔ مجھے جوزفین کی نگاہیں یاد آ گئیں۔ اس کی مسکراہٹ دکھائی دی۔ مجھے اپنے ذہن میں اس کے پاگل الفاظ گونجتے محسوس ہوئے۔ بار بار مجھے اپنی آنکھوں پر اس کی انگلیاں سرکتی محسوس ہوئیں۔ اٹھ کر میں نے لائٹ جلا دی۔ میں نے بڑھ کر آئینہ دیکھا۔ میں نے اپنی آنکھوں کو دیکھا اور مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ مگر پھر جوں جوں میں انہیں دیکھتا گیا میں پرسکون ہوتا گیا۔ میرے ذہن میں تفہیم کے در کھل رہے تھے۔ میں سمجھنے لگا تھا کہ یہ جوزفین تھی جس نے راڈرک کی آنکھوں میں خوف کو اگایا تھا۔ اسی نے اپنے پہلے شوہر کی آنکھوں میں بھی اگنے کے لیے خوف کا بیج بویا تھا۔ جیسے جیسے ان مردوں نے اس عورت کو دیکھنا اور سمجھنا شروع کیا تھا ان کے اندر خوف بڑھتا چلا گیا تھا۔ جوزفین ان کے خوف کو دیکھ رہی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ یہ لوگ اسے جان گئے ہیں کہ وہ کیا ہے۔ اس علم کو جوزفین نے اپنے لیے ایک

خطرہ تصور کیا تھا۔ اس کو سمجھ جانے والے اس کے لیے کسی خطرے جیسے تھے۔ بس اسی بنا پر اس نے اپنے پہلے شوہر اور پھر راڈرک دونوں کی جانیں لے لی تھیں۔

یہ بات میں بھی سمجھ گیا تھا۔ اسی سبب سے آئینے نے مجھے بتایا تھا کہ خود میری آنکھوں میں بھی اب خوف ہر وقت تیرتا رہتا ہے' ایک زندہ خوف۔

○

دوسری صبح میں ایک وکیل سے ملا اور میں نے اپنی بیوی سے طلاق لینے کی بات کی۔ میں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ کوئی دوسری جگہ ملتے ہی مجھے اپنا وہ گھر چھوڑ دینا چاہئے۔ مگر --- اس میں میں نے خاصی دیر لگا دی تھی۔

اسی رات جونہی میں گھر داخل ہوا۔ جوزفین اوپری منزل سے نیچے آ گئی۔ وہ بڑی خاموشی سے اتری تھی۔ وہی عجیب سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر موجود تھی۔ اس نے میری آنکھوں میں گھورا اور پھر دروازے سے باہر نکل گئی۔ اس کے ہاتھ میں چاقو دبا ہوا تھا۔ میں نے اسے لان سے گزر کر بیچ کی جانب جاتے ہوئے دیکھا۔ فوراً" ہی میں اس کے شب خوابی کے کمرے میں جا گھسا جو اوپری منزل پر تھا۔

مجھے سوچنا چاہئے تھا کہ وہ فوراً" ہی پلٹ سکتی ہے۔ مجھے سوچنا چاہئے تھا --- سوچتا تو جان بھی لیتا کہ دراصل اس نے مجھے موقع دیا تھا کہ میں اس کے کمرے میں گھسوں۔ اس کمرے میں جو اس کا خفیہ کمرہ تھا۔ مجھے سوچنا چاہئے تھا۔ اندر کی الماری میں مجھے بوتلیں صاف نظر آ گئیں۔ ان میں دو بوتلیں ایسی تھیں جو کہ صاف کر کے سربمہر کی گئی تھیں۔ یہ شیلف میں عمدگی سے قطار میں رکھی گئی تھیں۔ ان کے سامنے ایک سٹول رکھا ہوا تھا۔ جوزفین یقیناً" اس پر

Pdfstuff.blogspot.com

بیٹھ کر انہیں گھنٹوں دیکھا کرتی ہو گی۔ اس کے عقب میں تصاویر موجود تھیں۔ یہ تین عدد تھیں۔ دیوار کے ساتھ انہیں لٹکا کر اس طرح رکھا گیا تھا کہ دیکھی جا سکیں۔ ایک تصویر اس کے سب سے پہلے شوہر کی تھی۔ دوسری راڈرک کی تھی اور تیسری میری تھی۔ ہر تصویر کی آنکھوں میں کسی نوک دار چیز، کسی چاقو سے نشان ڈالے گئے تھے۔ ان سب کی آنکھوں میں کسی نوکدار چیز کو گھسایا گیا تھا۔ پہلی بار جب میں نے بوتلوں میں موجود اشیا کو دیکھا تو میرے ذہن نے ماننے سے انکار کر دیا کہ ان کے اندر کیا ہے حالانکہ میرے لیے جوزفین اب معما نہیں رہی تھی۔ میں اس منظر کو کبھی ذہن سے نہیں نکال سکتا چاہے جتنی کوشش کروں۔ یہ منظر کسی آسیب کی طرح میرے تصور پر چسپاں ہو چکا ہے۔ میرے پاس صرف ایک ہی تسلی بخش سوچ رہی ہے کہ میں اب اس دہشت ناک خواب کو دوبارہ کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔ اب ایسا ممکن نہیں رہا ہے۔ میں نفسیاتی طور پر اس دہشت کو قبول کرنے کی کوشش کر رہا تھا جسے میں نے بوتلوں میں دیکھا تھا کہ جوزفین دبے قدموں وہاں آ گئی۔ میرے عقب میں پہنچ گئی۔ میں نے ذرا بھی نہیں سنا تھا، مجھے اس کی موجودگی کا احساس تو اس وقت ہوا جب وہ بالکل میرے سر پر پہنچ چکی تھی۔ بروقت میں مڑ گیا تھا کیونکہ اسی لمحے اس نے چاقو سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ پھر ہمارے درمیان جدوجہد ہونے لگی۔ وہ بے خبری میں مجھ پر حملہ آور ہوئی تھی۔ یہ بات اس کے حق میں تھی۔ میں زخمی ہو گیا تھا۔ وہ بار بار مجھ پر چاقو سے حملہ کر رہی تھی اور میں اسے چھیننے کے لیے کوشاں تھا۔ آخر کار میں نے چاقو چھین ہی لیا اور کسی وحشی، اندھے آدمی کی مانند پھر میں نے اسی سے اس پر وار کرنے شروع کر دیے تھے۔ بھل بھل نکلتا ہوا خون میرے چہرے پر پھیل رہا تھا۔

جب وہ لوگوں کو ملی تو وہ مر چکی تھی۔ وہ مجھے ہسپتال لے گئے تھے۔ کل جوزفین کو دفن کر دیا گیا تھا۔ میں جنازے میں موجود نہیں تھا۔ میں ہسپتال میں

تھا۔ ابھی بھی وہیں ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ مر گئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے اسے جہنم واصل کیا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اسے تو بہت پہلے ہی مار دیا جانا چاہئے تھا۔ اس سے قبل کہ وہ دوسروں کی جان لیتی۔ میرے پاس بس ایک تسلی بخش سوچ ہے جس کا ذکر میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ جوزفین کے چاقو کے حملوں نے مجھے اندھا کر دیا ہے۔ (اس نے سارے حملے میری آنکھوں پر ہی کیے تھے۔) اب میں اندھا ہو گیا ہوں۔ ان بوتلوں کو نہیں دیکھ سکوں گا جن میں اس نے راڈرک اور اپنے پہلے شوہر کی آنکھیں نکال کر ڈال رکھی تھیں۔

☆

PdfStuff.blogspot.com

منحوس کھوپڑی

مس لنڈا کی استخوانی کھوپڑی الماری میں بند تھی پھر بھی اس سے عجیب و غریب آوازیں نکل رہی تھیں۔ خوف اور دہشت کے مارے میں سن ہو کر رہ گیا جبکہ ڈاکٹر کے رویے سے لگتا تھا وہ کوئی خاص ڈر محسوس نہیں کر رہا --- کیوں؟ اس کا جواب سامنے آیا تو میں چیخ اٹھا۔

رابرٹ نے کپڑے میں لپٹی ہوئی کھوپڑی کو باہر نکالا اور اسے اپنے دوست کی میز پر رکھ دیا۔ آرون نے اس پر ایک نظر ڈالی اور کھوپڑی کی ڈھلوانی پیشانی اور ٹوٹے ہوئے دانت کے سیاہ خلا کو دیکھتے ہوئے اسے کراہت کی ایک جھرجھری سی بدن میں محسوس ہوئی۔

"کس قدر ہیبت ناک ہے۔" آرون بڑبڑایا۔

"ہاں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "اور یہ ایک خوفناک عورت کی کھوپڑی ہے۔ تمہارا تاثر غلط نہیں۔ بوڑھی لنڈا کا کردار کچھ ایسا ہی گھناؤنا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک قتل بھی کیا تھا۔"

ڈاکٹر نے کھوپڑی کا چہرہ گھما کر دیوار کی طرف کر دیا۔ پھر دونوں آدمی اپنی اپنی آرام دہ کرسیوں میں اطمینان سے بیٹھ گئے۔

"تمہیں معلوم ہے کہ جب تک کاٹ پیٹ کے لیے میٹریل موجود نہ ہو علم الابدان پر لیکچر دینا کتنا مشکل ہوتا ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ اسی مجبوری کی بنا پر طب کے کتنے عمدہ کالج' اپنے طلباء کو پڑھانے کے لیے لاشیں چھیننے والوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں مگر اس طرف قبرستان پر زبردست پہرہ رہنے لگا ہے جس کی وجہ سے وہاں سے کوئی لاش کھود لینا آسان نہیں رہا ہے۔ اس لیے اسٹاف کے چند جیالے مخبروں نے اس کام کا بیڑا خود اٹھا لیا ہے۔ چند روز پہلے کی بات ہے کہ ہم لوگ ایک گاؤں گئے تھے' وہ یہاں سے کوئی آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ جنگلی سا علاقہ تھا۔ ہمیں وہاں چوراہے پر ایک بوڑھی عورت لٹکتی ہوئی ملی تھی۔ اس کو قتل کے جرم میں ایک درخت سے لٹکا کر پھانسی دے دی گئی تھی۔ یقیناً" جس کو بھی اس عورت نے مارا تھا' اس کے لیے عورت کے دل میں شدید نفرت رہی ہو گی مگر قتل بہرحال قتل ہی ہوتا ہے۔ ہم چار افراد تھے۔ میں ان کا لیڈر تھا۔ گرینجر بھی ہمارے ساتھ تھا جو دیو جیسا آدمی ہے۔ اس کے علاوہ جون اور ہیری بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ہم گھوڑا گاڑی پر نکلے تھے۔ یہ ہلکی پھلکی ویگن تھی۔ ہم نے اسے ایک مقامی آدمی سے کرائے پر لے لیا تھا۔ اپنے کام کے لیے ہم نے ایک ایسی رات کا انتخاب کیا تھا جس میں چاند بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ یہ گویا ایک مثالی رات تھی۔ ہیری گاڑی چلانے کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے تھا۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ بہت اچھا گھوڑ سوار ہے۔ ہمیں خوف تھا کہ اگر گاؤں والوں نے ہمیں پکڑ لیا تو وہ ہمارا خانہ خراب کر دیں گے۔ ہم بہت آہستہ روی سے گئے تھے کیوں کہ ہم گھوڑوں کو تھکانا نہیں چاہتے تھے۔ واپسی پر ہمیں انہیں دوڑانا تھا۔ ویگن کے گھوڑے جاندار قسم کے تھے۔ آخرکار ہم اس چوراہے پر پہنچ گئے۔ اندھیرے میں درخت سے لٹکتی ہوئی لاش کو ٹھیک سے دیکھ نہیں پا رہے تھے۔ بہرحال یہاں پہنچ کر ایک بڑا مسئلہ سامنے آگیا۔ یہ مسئلہ لاش کو اتارنے کا تھا کیونکہ یہ ایک بلند شاخ سے لٹکائی گئی تھی اور زنجیر کے ذریعے

Pdfstuff.blogspot.com

ہم اپنے ساتھ زنجیر کاٹنے کا کوئی سامان نہیں لے گئے تھے۔ اب ہم چاروں اندھیرے میں کھڑے سوچ رہے تھے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ لاش درخت میں لٹکی ہوئی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے پیچھے جھول رہی تھی اور زنجیر کے کڑوں سے آہستہ آہستہ کڑکڑاہٹیں اٹھ رہی تھیں۔ ابھی ہم سر جوڑے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے غوروخوض کر ہی رہے تھے کہ ایک اور پیچیدگی سامنے آ گئی۔ ہمارے کانوں نے سنا۔ کوئی آ رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا' ہمارے لیے خطرہ بن سکتا تھا اور ضرورت تھی کہ اس کا منہ بند کر دیا جائے۔ قدموں کی چاپیں مسلسل واضح ہوتی جا رہی تھیں۔ ہم چاروں اپنی گاڑی کے پاس ساکت کھڑے تھے۔ جب آنے والا نزدیک ہو گیا تو ہم نے ایک بڑبڑاہٹ سنی۔ رات اچھی خاصی تاریک تھی۔ کچھ بھی اچھی طرح نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہوا بھی تیز ہو گئی تھی۔ اس جگہ ہمارا رکنا خاصا مشکوک سا دکھائی دے رہا تھا۔ ہم تناؤ کا شکار ہو گئے تھے حتیٰ کہ گھوڑی نے بھی کان کھڑے کر رکھے تھے۔ قطعی غیر متوقع طور پر قدموں کی چاپیں ٹھیک اسی جگہ رک گئی' جہاں لاش لٹک رہی تھی۔ پھر اندھیرے میں ایک ہیولا سا واضح ہوا۔ اسی کے ساتھ فضا میں ایک ہذیانی سا قہقہہ گونجا اور کچھ بے معنی سے الفاظ کہتے گئے۔ میں ادھر کی دیہی بستیوں سے خاصی آگاہی رکھتا تھا لہٰذا اس کا اثر میرے اوپر ہوا کہ میں نے اطمینان کی ایک لمبی سانس لی۔

"اوہ یہ پاگل آرتھر ہے۔" میں نے اپنے ساتھیوں سے آہستہ سے کہا۔

میری سرگوشی بہت مدھم تھی مگر اسے شاید پاگل آرتھر نے سن لیا تھا۔ اس کے منہ سے ایک پر خوف قہقہہ پھر بلند ہوا۔ پھر وہ چیخا۔

"ہاں میں پاگل آرتھر ہوں مگر میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کس چکر میں ہو اور لنڈا سے تم کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

گرینجر نے عجلت سے چھلانگ بھری مگر وہ پاگل اس سے زیادہ تیز تھا۔ گرینجر

کے اچھلنے سے پہلے وہ کسی زخمی جانور کی طرح بدکا اور روڈ کے ساتھ گلی میں غائب ہو گیا۔ میں اندازے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ گاؤں کی طرف ہی بھاگا تھا۔ میری سمجھ میں آ گیا تھا کہ اب صرف دس پندرہ منٹ کا وقت رہ گیا ہے ہمارے پاس کیونکہ اسی کے اندر گاؤں کے جھونپڑیوں کے دروازے کھلنے والے تھے اور پھر ان کا جم غفیر ہمارے پیچھے لپکنے والا تھا۔ تبھی ایک دم سے اس مسئلہ کا ایک حل میری سمجھ میں آ گیا۔ میں نے جون سے کہا۔

"تم کافی لمبے ہو۔ ویگن کی چھت پر چڑھ جاؤ اور چاقو سے لاش کی گردن ان سے جدا کر دو۔ بس اسی صورت سے ہم اسے حاصل کر سکتے ہیں۔"

ہم نے ویگن کو ٹھیک لاش تلے لا کھڑا کیا اور گرینجر اس کے اوپر چڑھ گیا۔ بے شک طریقہ انتہائی قبیح قسم کا تھا مگر ہمارے پاس کوئی اور چارہ نہ تھا لیکن ابھی ہمارے سامنے ایک مسئلہ اور بھی تھا۔ اس کام میں دس بارہ منٹ لگ چکے تھے اور بستی کے درمیان سے گزر کر ہمیں واپسی کے لیے روڈ پر آنا تھا۔ ہمیں معلوم تھا کہ پاگل آرتھر نے جاتے ہی شور مچا دیا ہو گا اور یہ بات درست بھی تھی۔ بستی کے درمیان سے گزرنا اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ مگر ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہ تھا۔ ہم نے بستی میں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سن لی تھیں جس سے ظاہر ہو گیا تھا کہ آرتھر وہاں پہنچ چکا ہے۔ وقت بہت کم تھا۔ میں نے عجلت سے اپنی ترکیب ساتھیوں کو بتائی۔ یہ عمدہ ترکیب تھی۔ چونکہ میں ادھر کی بستیوں سے واقف تھا اور ان کی نفسیات جانتا تھا اسی لیے یہ ترکیب آزمانے کے لیے ٹھانی تھی۔ مجھے علم تھا کہ یہ کسان لوگ انتہائی دقیانوسی اور بے حد اوہام پرست تھے۔ میرے پاس فاسفورس کا ایک ڈبا تھا اور یہ میں احتیاطاً ساتھ لایا تھا۔ میں نے عجلت کے ساتھ گھوڑوں کے آس پاس لگام وغیرہ پر فاسفورس لگایا پھر اس کی کچھ مقدار گھوڑوں کی آنکھوں کے گرد اور منہ پر بھی لگا دی۔ فاسفورس کی بقیہ مقدار میں نے بوڑھی لنڈا کی کھوپڑی پر لگا دی۔

Pakistanipoint.com

"اچھا ہیری سنو۔ تم ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں بیٹھو گے بلکہ نیچے بیٹھ کر گھوڑے بھگاؤ گے تاکہ گاؤں والے تمہیں نہ دیکھ سکیں۔ میں ویگن کی چھت پر لیٹ جاؤں گا اور اپنے ہاتھ میں لنڈا کی کھوپڑی ڈرائیور کی سیٹ کے اوپر پھیلا دوں گا۔"

میرے بقیہ ساتھیوں نے لاش کو ویگن کے اندر ڈالا اور اس کے ساتھ ہی گاڑی بھگا دی۔ ہیری نے ویگن دوڑانے سے قبل کہا۔

"گاؤں والے زندگی بھر اس گاڑی کو بھول نہیں سکیں گے۔ اچھی ترکیب ہے تمہاری۔"

ہمیں بالکل علم نہ تھا کہ گاؤں کی پوزیشن کیا ہے۔ کتنے لوگ جاگ چکے ہیں اور وہاں کیا ہو رہا ہے۔ ہمیں بہرحال ان کے درمیان میں سے گزرنا تھا۔ ہماری گاڑی طوفانی رفتار سے اندھیرے میں اپنا سفر کر رہی تھی۔ اردگرد کا علم ہیری کو تو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ تو گھوڑوں کے پیچھے چھپا ہوا گاڑی دوڑا رہا تھا جب کہ میں چھت کے اوپر تھا اور اوندھا لیٹا ہوا تھا۔ میرا ایک ہاتھ پھیلا ہوا تھا اور ٹھیک ڈرائیونگ سیٹ کے اوپر اور اس میں لنڈا کی کھوپڑی دبی ہوئی تھی جو فاسفورس کی وجہ سے اندھیرے میں خوفناک انداز سے چمک رہی تھی۔ منظر یہ تھا جیسے کوئی چمکتا ہوا مردہ سر بغیر دھڑ کے سیٹ پر بیٹھا ہو اور گاڑی کو دوڑا رہا ہو۔ پھر گھوڑوں کے منہ بھی اندھیرے میں اسی طرح چمک رہے تھے گویا یہ گھوڑے نہ ہوں کوئی آتشی مخلوق ہو۔ یہ ایک جنونی قسم کی سواری تھی جو اس روز ہم نے کی تھی۔ ہوا میرے چاروں طرف طوفانی انداز سے چل رہی تھی اور میرا بدن بری طرح ہل رہا تھا۔ میں نے اپنا ایک ہاتھ سامنے پھیلا رکھا تھا اور کھوپڑی اس میں دمک رہی تھی۔ پھر ہمارے گھوڑے گاؤں کے اندر سے گزرنے سے کافی لوگ لوگ بیدار ہو چکے تھے اور کتے شور مچا رہے تھے۔ مجمع کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو اور یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ گاڑی طوفانی رفتار سے بھاگتی ہوئی بخیر و

دبی اس ہجوم سے سڑک پر آ گئی۔

آج کل اس گاؤں میں جو کہانی پھیلی ہوئی ہے وہ کچھ یوں ہے کہ شیطان خود بہ نفس نفیس اس بوڑھی عورت کی لاش کو حاصل کرنے کے لیے آتشی گاڑی پر وارد ہوا تھا۔ اندھیرے میں وہ کسی بات کا درست اندازہ نہیں لگا سکے تھے اور اپنے توہماتی ذہن کے مطابق انہوں نے ایک ہولناک داستان گھڑ لی تھی۔

خطرے سے نکلنے کے بعد سرویگن میں چلا گیا اور دوسرے روز ہم نے اپنی کامیابی کا جشن منایا تھا۔ تمام اسٹاف جمع ہوا اور مشروبات پر ہم نے یہ تقریب شروع کی۔ کم ازکم اب ہمارے پاس تازہ لیکچر کے لیے وافر میٹریل آ گیا تھا اور لنڈا کی لاش سے ہمارے مسائل حل ہونے والے تھے۔

"تو میرے دوست اس طرح تم کو بطور قرض یہ کھوپڑی مل رہی ہے۔" اپنی بات ختم کر کے نوجوان ڈاکٹر نے آرون کی طرف دیکھا۔

"تم نے کھوپڑی طلب کی تھی وہ میں تمہاری فرمائش پر لے آیا ہوں اب لنڈا کی لاش کا صرف یہی حصہ بچا ہے کیونکہ اس معاملے کو اب پندرہ دن سے زائد ہو چکے ہیں۔"

آرون نے کھوپڑی کی سمت قدرے دل چسپی سے دیکھا جس کی پیشانی چمک رہی تھی۔ ڈاکٹر نے بھی آرون کی نگاہوں کا تعاقب کیا اور حیرت سے بولا۔

"ارے یہ تو بڑی حیرت کی بات ہے۔"

"کیا؟" آرون نے پوچھا۔

ڈاکٹر اپنی جگہ سے اٹھا اور کھوپڑی کے پاس گیا۔ "تم اس کا رخ دیکھ رہے ہو؟" اس نے کہا۔

"ہاں۔" کہتے ہوئے آرون بھی اٹھ گیا۔

"میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ بیٹھنے سے قبل میں نے اس کا رخ دیوار کی طرف کر دیا تھا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

PdfStuff.blogspot.com

آرون بھی لمحہ بھر کے لیے حیرت زدہ ہوا پھر ہنس کر بولا۔ "تمہارا مطلب ہے کھوپڑی نے اپنا رخ خود سے ہی ہماری طرف کر لیا ہے۔"

ڈاکٹر کچھ دیر تک بالکل چپ رہا اور پھر خودکلامی کے انداز میں بولا۔ "یہ بات نہیں مگر میری یادداشت بہت اچھی ہے۔"

آرون نے مسکرا کر اسے دیکھا مگر کچھ بولا نہیں۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "خیر، میرا خیال ہے کہ اس کھوپڑی کے ساتھ تمہاری ایک دو راتیں اس گھر میں خاصی دل چسپ ہو سکتی ہیں۔"

"دیکھیں گے۔" مسکراتے ہوئے آرون نے کہا۔ اس کے بعد اس نے مشروب کا ایک گلاس بنایا اور اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بوڑھی لنڈا کے نام۔" اس نے گلاس میز پر زور سے رکھ دیا۔

"یار اس کھوپڑی میں کوئی چیز کھٹک رہی ہے۔" وہ ایک دم سے مڑا۔ "یہ بتاؤ تمہارے پاس جب تک یہ کاسہ سر رہا ہے کوئی حیرت ناک بات تو نہیں ہوئی؟"

"یہ بتانا مشکل ہے تاہم میں تمہیں ایک اشارہ دے رہا ہوں اس کھوپڑی کو کسی الماری یا بکس وغیرہ میں مت رکھنا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

آرون نے پھر اصرار کیا۔ "اگر میں نے بند کر کے رکھ دیا تو کیا ہو گا؟"

"ہو سکتا ہے کہ تم ایک مادیت پرست ہو اور میرے اوپر ہنسو کہ میں ایک وہمی شخص ہوں۔" ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میں یہی کہوں گا کہ تم اگر آج رات اسے کسی جگہ مقفل کر کے رکھنا چاہتے ہو تو پھر میں تمہارے ساتھ نہیں رکوں گا۔"

"کمال ہے تم بہت سنجیدہ نظر آ رہے ہو۔" آرون نے کہا۔ "ٹھیک ہے اب میں اسے ضرور آزماؤں گا اور اسے سامنے والی الماری میں رکھوں گا۔"

اٹھ کر اس نے کھوپڑی کو بغور دیکھا بظاہر اس میں کوئی خاص بات نہ تھی

اس کا ایک دانت غائب تھا اور بس۔ یہ اچھی حالت میں تھی۔ نچلا جبڑا باریک تاروں سے بندھا ہوا تھا اس طرح کہ حرکت پہ نچلا جبڑا کبھی کھل جاتا تھا اور کبھی بند ہو جاتا تھا۔ کھوپڑی کہ یہ حرکت اچھی خاصی ڈراؤنی لگتی تھی۔

"لعنت ہو۔ اسے تو بند کر کے رکھنا ہو گا۔" آرون نے کہا اور پھر اس نے عجلت سے اسے کاغذ میں لپیٹا اور اسے اٹھا کر الماری میں رکھ دیا۔ وہاں مصوری کا دوسرا سامان رکھا ہوا تھا کیونکہ آرون ایک مصور تھا اس نے الماری مقفل کر دی پھر مطمئن ہو کر وہ مسکرا دیا۔

"اب ہم دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔" اس نے سوچا آج آخر اس کا ڈاکٹر دوست اس معاملے میں اتنا سنجیدہ کیوں ہے۔ تھوڑی دیر بعد دونوں آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ آرون جلد ہی سو گیا اور خواب دیکھنے لگا۔ خواب میں ہزاروں کھوپڑیاں اس کے تعاقب میں تھیں۔ ایک بہت لمبی سڑک پر وہ بھاگ رہا تھا اور اندھیرے میں چمکتی ہوئی لاتعداد کھوپڑیاں فضا میں معلق اس کے پیچھے لپک رہی تھیں۔ ان سب سے آگے ایک کھوپڑی تھی اور وہ کھوپڑی لنڈا کی تھی جس کا منہ بار بار کھل رہا تھا اور بند ہو رہا تھا۔ تعاقب جاری تھا اور وہ بھاگ رہا تھا۔ اس کے پیچھے فضا میں معلق ایک ٹوٹے دانت والی کھوپڑی لپک رہی تھی اور بار بار دانت کٹکٹا رہی تھی۔ اس کی خالی خلادار آنکھیں جیسے اسے گھور رہی تھیں اور پھر اسے احساس ہوا کہ وہ بری طرح تھک چکا ہے۔ اب بھاگنا اس کے بس میں نہیں۔ حالانکہ اس کے سامنے صاف سڑک پھیلی ہوئی تھی مگر اسے اپنے اندر اتنا دم محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ بھاگ سکتا۔ پھر سب سے آگے والی کھوپڑی نے ایک زوردار چھلانگ لگائی اور ایسی ہی حرکت اس کے پیچھے آنے والی کھوپڑیوں نے بھی کی۔ لگ رہا تھا جیسے سب کے سب فتح مندی سے خوش ہو رہی ہوں۔ پھر وہ بار بار ٹکرانے لگی۔ ایک مخصوص وقفے کے ساتھ۔ آرون نے کوشش کی کہ وہ اس ٹکراؤ سے خود کو بچائے مگر فضول۔ اس نے گھبراہٹ

PdfStuff.blogspot.com

کے ساتھ اپنی آنکھیں بند کر لیں تاکہ کھوپڑی کی خلادار آنکھیں نظر نہ آ سکیں۔

"ٹک --- ٹک --- ٹک۔"

پھر ایک تیز ڈرا دینے والی چیخ اس کے منہ سے برآمد ہوئی اور اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ جاگ چکا ہے مگر --- یہ کیا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے خواب کا کوئی حصہ حقیقت میں بھی در آیا ہے کیونکہ ٹک ٹک ٹک کی آوازیں بدستور اس کے کان سن رہے تھے۔ یہ کیا عجیب سی بات تھی۔ شاید وہ پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا مگر وہ پوری طرح بیدار تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی اس کی سوجھ بوجھ رخصت ہو چکی ہے۔

ٹک' ٹک' ٹک کی آوازیں اسی کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ یہ کبھی اوپر سے اور کبھی نیچے سے آنے لگتی تھیں۔ اس نے چیک کرنے کے لیے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کر لیے مگر یہ ابھی تک مسلسل آہستہ آہستہ اسے سنائی دے رہی تھیں۔

اب اسے اندازہ ہوا کہ یہ آوازیں کدھر سے آ رہی ہیں۔ اس الماری سے آ رہی تھیں جس میں اس نے لنڈا کی کھوپڑی بند کی تھی۔ یہ الماری نچلی منزل میں تھی اور اسے یہ بھی احساس ہوا کہ وہ اگر اکیلا ہوتا تو بھی اس الماری کو کھولنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اچھی بات تھی کہ ڈاکٹر اس کے ساتھ ہی ٹھہر گیا تھا۔ اپنی توانائی بڑھاتا ہوا وہ اٹھا۔ اس نے عجلت سے سلیپر پہنے اور چلا۔ اسی وقت اس کے کمرے پر کوئی دستک ہوئی۔

"آرون' تم ٹھیک تو ہو۔" آرون نے دروازہ کھول دیا۔ یہ ڈاکٹر کی آواز تھی۔

"تم۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ "تم کو نچلی منزل پر ہونے والی ٹک ٹک سنائی دے رہی ہے؟"

ڈاکٹر نے سنا تو اسے بھی یہ آواز سنائی دی۔ تاہم وہ تو آرون کی چیخ کی

آواز سن کر جاگا تھا۔ "ہاں۔" اس نے کہا۔

"یہ اسی منحوس بوڑھی کی حرکت ہے۔" آرون نے کہا۔ پھر اس نے ڈاکٹر کو بھی اپنا خواب کہہ سنایا۔

ڈاکٹر نے اسے تسلی دی اور کہا۔ "خیر' دیکھ لیں گے کہ یہ کیسی آواز ہے۔ فی الحال تم کسی مشروب سے اعصابی سکون حاصل کرو۔"

"میں کہتا ہوں یہ آواز اسی کی ہے اور میں وہاں اکیلے نہیں جا سکتا۔" آرون نے کہا

آرون کی آواز میں کچھ ایسا خوف بھرا ہوا تھا کہ ڈاکٹر نے اسے حیرت سے دیکھا۔ اسے اس سے اس قسم کے خوف کی توقع نہ تھی۔ "اگر تم نہیں جاتے نہ جاؤ' میں جاتا ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا اور پھر وہ کسی تذبذب کے بغیر پلٹا اور چل دیا۔

نیچے اسٹڈی میں پہنچ کر اس نے دروازہ کھولا اور پھر قریبی میز کی دراز سے ایک موم بتی نکال کر جلائی۔ ٹک ٹک کی آوازیں ایک دم سے بند ہو گئیں اور اب جو خاموشی تھی وہ کم ہیجان خیز نہ تھی۔ آرون کے منہ سے ایک مبہم سی آواز برآمد ہوئی۔ "خدا کا شکر ہے یہ ٹک ٹک تو بند ہوئی۔"

ڈاکٹر نے اس کے لیے ایک جام بنایا اور آرون کو پلایا۔ مشروب کے اثر سے اس کے بکھرتے ہوئے اعصاب کو سکون ملا اور اس نے الماری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ منحوس شے اس کے اندر موجود ہے' تم اسے کھولو' میں تو اسے ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔"

"مگر یہ تو مقفل ہے۔"

"ہاں' یہ لو کنجی۔" آرون نے ڈاکٹر کو کنجی دیتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر کنجی لے کر متوازن قدموں کے ساتھ الماری کی طرف گیا۔ اس نے

PdfStuff.blogspot.com

اطمینان کے ساتھ کنجی گھمائی اور الماری کے دروازے کھول دیے۔ سامنے کے شیلف میں تمام چیزیں اپنی جگہ موجود تھیں۔ آرون کو اپنی بزدلی پر کھسیاہٹ سی آ رہی تھی مگر اس نے شیلف پر نظر ڈالی۔

لنڈا کی کھوپڑی اسی جگہ رکھی ہوئی تھی جہاں اسے رکھا گیا تھا تاہم اس کا وہ کاغذ جس میں اسے لپٹا دیا گیا تھا۔ بری طرح پرزے پرزے ہو رہا تھا۔ خود ڈاکٹر نے اسے حیرت سے دیکھا اور کہا۔ "آرون یہ کیا چکر ہو سکتا ہے؟"

ذرا سے توقف سے اس نے دوبارہ کہا۔ "بوڑھی لنڈا کی روح ضرور آئی ہو گی۔ یہ میرا اندازہ تھا' اسی لیے میں نے تمہیں تنبیہہ کی تھی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو مگر میں نے بھی تجسس کے تحت اسے بند کیا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ہوتا کیا ہے۔" آرون نے کہا۔

"دیکھ لیا تم نے۔" ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں' اور میرے خدا۔" وہ کراہا اور پھر غصے میں آتے ہوئے غرایا۔ "ایسی منحوس کھوپڑی کو میں بھلا کس طرح اپنے ماڈل کے طور پر استعمال کر سکتا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ اور میں ہی نہیں اسے کوئی بھی استعمال نہیں کرے گا۔"

غصیلی آنکھوں کے ساتھ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس عجیب و غریب کھوپڑی کو اٹھایا اور پھر پوری طاقت سے اسے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

ڈاکٹر کو اچانک شدید غصہ محسوس ہوا۔ اس کی آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں۔ وہ چیخا۔

"لعنت ہو تم پر۔ یہ تم نے کیا کیا۔ یہ کھوپڑی کالج کی ملکیت تھی۔ تمہیں اسے ضائع کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔"

آرون ابھی تک جذباتی انداز میں بے قابو ہو رہا تھا۔ اسے اپنے دوست کے غصے کا احساس نہ ہو سکا۔

"کیا مطلب؟" اس نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

ڈاکٹر نے درشت آواز میں کہا۔ "اب تمہاری شامت آئے گی اور کیا مطلب؟" اس نے تیکھی زبان میں کہا۔

"کالج تم سے ایک کاغذ لکھوائے گا --- یہ تمہاری طرف سے وعدہ ہو گا کہ تمہاری موت کے بعد تمہاری لاش کالج کی ملکیت ہو گی۔ تم کالج کے مقروض ہو چکے ہو اور ایک کھوپڑی کے مقروض --- تمہاری کھوپڑی اور تمہارا جسم اب طبی تعلیم کے کام میں لایا جائے گا' سمجھے۔"

نوجوان آرٹسٹ کا منہ فق ہو گیا۔

"کیا --- کیا؟" وہ ہکلایا۔ "وہ میرا جسم لے لیں گے' چیر پھاڑ کے لیے --- شیشوں میں رکھنے کے لیے --- میرے اعضا کی نمائش کے لیے --- نہیں --- یہ ایک چال ہے --- تم نے مجھے پھانسنے کے لیے یہ ترکیب کی تھی۔"

باہر باغیچے میں چلنے والی ہوا کا ایک آوارہ جھونکا ٹوٹی ہوئی کھڑکی سے اندر آ گیا۔ اس میں پھولوں کی خوشبو نہیں بلکہ ایسی بو بسی ہوئی تھی جو عموماً قبرستانوں میں ملتی ہے۔ شاید یہ بو اس کھوپڑی کی تھی جو باہر فرش پر گرنے کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔

☆

PdfStuff.blogspot.com

پیار کا بندھن

شکیلہ بی کے پلو میں کیا تھا جسے وہ کسی پر ظاہر کرنے سے خوفزدہ تھیں۔ یہ گتھی جب کھلی تو بیگم اختر کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گیا۔ انہوں نے شکیلہ بی کا دوپٹہ گول مول کر کے کھڑکی کے راستے اندر پھینکا اور اپنے کمرے میں آ گئیں۔

شکیلہ بی کی چیخیں آسمان کو چھو رہی تھیں۔

تیس برس کی ملازمت کے بعد ریٹائرڈ ہونے پر کرنل جمشید نے ناردرن ایریا میں پہاڑی کے دامن میں ایک خوبصورت سی کوٹھی تعمیر کروائی تھی جہاں وہ بچوں کے ملک سے باہر جانے کے بعد بیگم جمشید کے ساتھ پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ تیس برس کی ملازمت میں انہوں نے خوش حال مستقبل کے لیے بہت کچھ کما لیا تھا۔ ویسے بھی وہ فیض آباد کے متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور بچپن سے مالی آسودگی انہیں میسر تھی۔ جس دن کوٹھی کی تعمیر مکمل ہوئی تھی اور وہ یہاں منتقل ہوئے تھے انہوں نے قریب کے تمام ہمسائیوں سے ملاقات کے لیے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا اور اس کے بعد تمام لوگوں سے ان کے تعلقات بہت خوشگوار ہو گئے تھے۔ وہ فطرتاً" نیک انسان تھے اور ہر کسی کے دکھ درد میں شریک رہتے تھے۔ بیگم جمشید بھی ایسی ہی طبیعت کی خاتون

تھیں۔ وہ اڑتالیس سال کی ایک باوقار چھریرے بدن کی خاتون تھیں اور ہر ایک کے کام آنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں نے اس عرصے میں پورے محلے میں باعزت مقام پیدا کر لیا تھا۔

دونوں میاں بیوی مثالی زن و شوہر تھے۔ دونوں میں بے انتہا محبت تھی۔ ہر جگہ دونوں ساتھ ساتھ نظر آتے تھے۔ بچوں کے جانے کے بعد وہ شام کو عموماً" ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے نارتھ ناظم آباد کی سڑکوں پر ٹہلتے ہوئے نظر آتے تھے یا پھر لوگوں کو شام کے وقت اپنے ہاں مدعو کرتے اور دیر تک ان کی خوشنما کوٹھی میں ان کے قہقہے گونجتے رہتے تھے۔ بیگم جمشید کو اپنے شوہر سے کچھ زیادہ ہی تعلق تھا اور ان کا بیشتر وقت صرف اپنے شوہر کی تعریف و توصیف میں ہی گزرتا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ میں کرنل جمشید سے ایک لمحے کی جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ خاندانی تربیت کے باعث اس فارغ البالی کے باوجود دونوں میاں بیوی بہت سادہ زندگی گزارتے تھے۔

گزشتہ سال بچوں کے ملک سے باہر جانے کے سلسلے میں انہوں نے ایک بہت بڑی پارٹی دی تھی۔ اس پارٹی میں کرنل جمشید نے بیگم جمشید کو ایک خوبصورت اور بیش قیمت ہیرے کی انگوٹھی دی تھی جس پر چمکتے ہوئے ہیرے کی کرنیں لوگوں کی نگاہیں خیرہ کر گئی تھیں۔ اس کے بعد وہ انگوٹھی بیگم جمشید کی بائیں ہاتھ کی انگلی سے کبھی جدا نہ ہوئی۔ اکثر کرنل جمشید کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ انگوٹھی کو چوم لیتی تھیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کرنل جمشید کا زیادہ تر وقت مطالعہ میں صرف ہوتا اور اس دوران بیگم جمشید سامنے والے صوفے پر بیٹھی ہوئی محبت سے ان کے چہرے کو تکا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی کرنل جمشید کتاب سے کوئی حصہ پڑھ کر انہیں سنا دیتے جسے سن کر ان کی آنکھوں میں محبت کی چمک اور زیادہ ہو جاتی تھی۔

بیگم جمشید کے کہنے کے مطابق ان کے بیشتر عزیز و اقارب بھارت ہی میں

Pdfstuff.blogspot.com

قیام پذیر تھے البتہ ان کے کچھ دور کے عزیز پاکستان کے مختلف علاقوں میں آباد تھے۔ان کی اولاد میں صرف دو لڑکے تھے۔ اور دونوں نہایت سعادت مند تھے۔ ماں باپ کی باہم محبت کے زیراثر پروان چڑھنے سے وہ نہایت لائق اور فرمانبردار تھے۔بچوں کی الوداعی پارٹی کو چار ماہ ہو چکے تھے۔ ایک شام بیگم جمشید کے ملازم نے اختر صاحب کے گھر جا کر اطلاع دی کہ کرنل صاحب پر اچانک دل کا دورہ پڑا ہے اور بیگم جمشید ان کی حالت کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئی ہیں۔ اختر صاحب نے جلدی جلدی تمام افراد کو یہ اطلاع دی اور کرنل جمشید کے گھر پہنچے۔ سب گھروں کی خواتین بھی ان کے پیچھے کرنل جمشید کی کوٹھی پر جمع ہو گئی تھیں۔ فوراً" ڈاکٹر کو بلایا گیا اور بیگم جمشید کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے گئے اور وہ بمشکل ہوش میں آئیں۔ کرنل جمشید پر شدید حملہ ہوا تھا لیکن ڈاکٹر نے جلد ہی سنبھال لیا۔ رات کے گیارہ بجے جب کرنل جمشید ہوش میں آ گئے تو بیگم جمشید نے اس وقت پر لوگوں کی ہمدردی کا شکریہ ادا کر کے سب کو گھر جانے کی اجازت دے دی۔ چند خواتین اور اختر صاحب نے یہ پیش کش کر دی کہ جمشید صاحب کی وجہ سے ہم لوگ رات یہیں گزارنے پر تیار ہیں لیکن بیگم جمشید نے کہا کہ وہ اس وقت اپنے اور اپنے شوہر کے درمیان کسی تیسرے فرد کی موجودگی کو پسند نہیں کرتیں۔

اگلے دن شام کو کرنل جمشید پر دوسرا دورہ پڑا اور پھر بیگم جمشید کی شدید محبت بھی کرنل جمشید کو موت کے بے رحم اور کھردرے ہاتھ سے نہ بچا سکی۔ انہوں نے اپنا منہ نوچ لیا۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور ان کی آہ وبکا نے تمام لوگوں کے دل دہلا دیے۔ وہ گھڑی گھڑی اپنے ہاتھ کی انگلی کو چومتیں اور زاروقطار رونے لگتیں۔

پھر بیگم جمشید مٹی کا بت بن گئیں۔ انہوں نے سب سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ شوہر کی رفاقت میں گزارا ہوا طویل عرصہ ان کی زندگی کا سہارا بن گیا۔ چہرے پر

بڑھاپے کے وہ نشانات جنہیں شوہر سے شدید عشق نے ڈھانپ رکھا تھا' ایک دم نمودار ہو گئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنی عمر سے کئی سال زیادہ کی نظر آنے لگیں۔ سر کے سفید تاروں کی چمک میں اضافہ ہو تا گیا۔

اس سانحے کے بعد عدت کے دوران تک لوگ ان سے ملنے ان کے گھر جاتے رہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اس میں کمی آ گئی۔ عدت گزارنے کے بعد بیگم جمشید کا معمول ہو گیا تھا کہ وہ صبح دس بجے گھر سے نکلتیں اور راستے میں پھول خریدتی ہوئی سیدھی قبرستان جاتیں اور تین چار گھنٹے اپنے محبوب شوہر کی قبر کے پاس بیٹھی تلاوت کرتی رہتیں۔ اب وہ اس کوٹھی میں اکیلی رہتی تھیں۔ تمام نوکر انہوں نے الگ کر دیے تھے۔ تین چار بجے کے قریب وہ بہت معمولی سا کھانا کھاتیں اور یہی غذا ان کو اگلے دن تک توانائی پہنچاتی۔ آہستہ آہستہ اس شدید صدمے سے ان کی صحت پر اثر پڑنے لگا۔ تنہائی اور بیماری سے گھبرا کر انہوں نے محلے کی ایک ضعیف عورت شکیلہ بی کو اپنے پاس رکھ لیا۔ شکیلہ بی اپنی نوجوان لڑکی کے ساتھ قریب ہی اپنے ایک بھانجے کے ساتھ رہتی تھیں اور گھروں میں کام کاج کر کے اپنا اور اپنی بیٹی کا پیٹ پال رہی تھیں۔ جب بیگم جمشید کی بیماری طول پکڑنے لگی تو اختر صاحب کی بیگم کے کہنے پر انہوں نے شکیلہ بی کو اپنے ساتھ رکھنے پر رضامندی ظاہر کر دی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ شکیلہ بی کی بیٹی ساتھ نہیں رہے گی کیونکہ انہوں نے کرنل جمشید کے بعد تمام کمرے مقفل کر دیے تھے اور اپنے لیے صرف ایک کمرہ مخصوص کر لیا تھا۔ جس کے آگے صحن کا برآمدہ اور دوسری ضروریات کی چیزیں تھیں۔ اس کمرے میں ان کی مسہری کے علاوہ دوسرے کونے میں شکیلہ بی کی چارپائی بچھی ہوئی تھی اور اب اس کمرے میں مزید گنجائش نہیں تھی۔ اس صورت میں شکیلہ بی نے بھی کبھی اپنی بیٹی کو ساتھ رکھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ وہ اس بات پر ہی خوش تھی کہ اب دو تین گھروں کا کام کرنے کی بجائے صرف ایک ہی گھر سے ماں بیٹی کا گزارا

Pdfsuffiblogspot.com

ہو رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی بیگم جمشید کی اجازت سے اپنی بیٹی سے مل آتی تھیں۔ بیگم جمشید نے اپنے بیٹوں کو بھی اپنی بیماری کی اطلاع نہ دی اور یہی کہتی رہتیں کہ میں بہت بدقسمت عورت ہوں۔ جب میں اپنے جمشید کی جدائی کا صدمہ برداشت کر سکتی ہوں تو پھر یہ بیماری مجھے نہیں پچھاڑ سکتی۔

ایک دوپہر شکیلہ بی نے بیگم اختر کو یہ اطلاع دی کہ بیگم صاحبہ آپ کو یاد کر رہی ہیں۔ بیگم اختر فوراً ہی آ پہنچیں تو بیگم جمشید نے بہت ہی افسردہ لہجے میں ان سے کہا۔

"بیٹی، مجھے اب ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں موت کے سامنے بے بس ہوتی جا رہی ہوں۔ میں نے اپنی تمام جائداد اور اثاثے کے کاغذات جمشید صاحب کے انتقال کے بعد اپنے بچوں کے نام کر دیے تھے۔ میں یہ تمہارے حوالے کرتی ہوں۔ آنکھ بند ہونے کا وقت نجانے کب آ جائے۔ لہٰذا اب تم ہی میری امین ہو۔ مجھے تم پر اور تمہارے شوہر پر اعتماد ہے کہ کوئی میرے بچوں کے حق پر ڈاکہ نہیں ڈال سکے گا۔ اس کے علاوہ یہ رقم بھی میں تمہاری امانت میں دیتی ہوں تاکہ میری آخری رسوم میرے شہر کی پونجی سے ادا کی جائیں۔ بیٹی اس تکلیف دہی کے لیے میں تم سے شرمندہ ہوں۔"

بیگم اختر کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ بیگم جمشید سے لپٹ گئیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے چند ماہ پہلے کی بیگم جمشید کا چہرہ گھوم گیا۔ کرنل جمشید کے انتقال نے ان کو کس حد تک توڑ پھوڑ دیا تھا۔ اس احساس کے تحت وہ بہت تک ان سے لپٹی روتی رہیں اور ان کی صحت کے بارے انہیں تسلیاں دیتی رہیں۔

پھر آہستہ آہستہ بیگم جمشید کی صحت کسی قدر بہتر ہونے لگی اور ایک دن انتہائی نحیف و کمزور ہونے کے باوجود وہ قبرستان گئیں۔ واپسی میں وہ بیگم اختر سے بھی ملنے آئیں۔ اور انہوں نے بتایا کہ اب میں اس قابل ہو گئی ہوں کہ

اپنے شوہر کی قبر پر جا سکوں۔ بیگم اختر نے ان کی صحت یابی پر خوشی کا اظہار کیا اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ ابھی چلنے پھرنے میں احتیاط کریں کیونکہ وہ بہت کمزور ہیں۔ وہ بہت دیر تک بیگم اختر کے پاس رہیں اور اپنی بیماری کے دوران شکیلہ بی کی دیکھ بھال کی تعریف کرتی رہیں۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ پچھلے دو ہفتے سے شکیلہ بی اپنی بیٹی کے پاس بھی نہیں جا سکی تھیں۔ کیونکہ اس دوران انہیں خود شکیلہ بی کی اشد ضرورت تھی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اب ان کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر ہے لہٰذا وہ آج ہی شکیلہ بی کو دو دن کی رخصت دے دیں گی۔ پھر گھر پہنچ کر بیگم جمشید نے شکیلہ بی سے کہا کہ اب میں ٹھیک ہوں۔ تم اپنی بیٹی کے پاس چلی جاؤ اور دو دن ٹھہر کر واپس آ جانا۔

اگلے دن صبح بیگم جمشید پھر قبرستان گئیں اور جلد ہی واپس آ گئیں۔ ان کے چہرے پر تھکن اور کمزوری کے اثرات نظر آتے تھے۔ وہ کسی سے ملے بغیر ہی سیدھی اپنے گھر میں داخل ہو گئیں۔

تیسرے دن علی الصبح شکیلہ بی نے اختر صاحب کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ بیگم اختر نے اتنے سویرے آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ میں ایک گھنٹے سے بیگم جمشید کو اٹھا رہی ہوں لیکن نہ معلوم کیا بات ہے --- وہ تو بہت پہلے سے اٹھنے کی عادی ہیں اور اس وقت تو ان کو بیدار ہو جانا چاہیے۔ شکیلہ بی یہ کہتے ہوئے کانپ رہی تھیں۔ اس پر اختر صاحب شکیلہ بی کے ساتھ بیگم جمشید کے بنگلے پر پہنچے اور انہوں نے بہت دیر تک آوازیں دیں لیکن وہاں تو بالکل سناٹا تھا۔ پھر انہوں نے دوسرے افراد کو اس کی اطلاع دی اور جب لوگوں کے مشورے پر دروازہ توڑا گیا تو کمرے میں سخت تعفن تھا۔ بیگم جمشید مسہری پر چادر اوڑھے نہ جانے کب آخری سفر پر روانہ ہو چکی تھیں۔ یہ بدبو ان کی لاش سے اٹھ رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کی موت کو کافی وقت گزر چکا ہے کیونکہ ہفتے کی صبح کے بعد جب وہ قبرستان سے واپس آ گئی تھیں پھر انہیں کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ شدید

Pdfstuff.blogspot.com

تعفن کی وجہ سے لوگوں کا وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا تھا۔ کچھ دیر لوگ برداشت کرتے رہے پھر آہستہ آہستہ کمرہ خالی ہو گیا اور صرف اختر صاحب اور شکیلہ بی کمرے میں رہ گئے۔ اس موقع پر شکیلہ بی نے غسل دینے کی ذمہ داری اپنے سر لی کیونکہ اس وقت ان کے علاوہ کوئی بھی اس متعفن جگہ ٹھہرنے کے لیے تیار نہ تھا۔

اختر صاحب نے سوچا کہ اس موقع پر تدفین فی الفور ہونی چاہیے۔ بدبو نے سارے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ انہوں نے جلد ہی شکیلہ بی کے ساتھ مل کر لاش کو غسل خانے کے برابر برآمدے میں ایک تختے پر لٹایا اور ان کو کچھ ہدایات دے کر تدفین کے انتظامات کرنے چلے گئے۔ اب پورے گھر میں صرف شکیلہ بی تھیں اور بیگم جمشید کی متعفن لاش۔ شکیلہ بی بڑے مضبوط دل کی مالک تھیں انہوں نے بے پرواہ ہو کر لاش کو غسل دینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آخرکار انہوں نے غسل دینے کے لیے لاش کے کپڑے کاٹنے شروع کر دیے۔ اور پھر ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بیگم جمشید کے بائیں ہاتھ میں ہیرے کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ انہوں نے بہت آہستگی سے انگوٹھی کو انگلی میں گھمایا اور اسے اتارنے کی کوشش کی لیکن انگوٹھی دوسرے پور پر آ کر پھنس گئی۔

"ٹپ --- ٹپ --- ٹپ"

شکیلہ بی چونکیں۔ غسل خانے کا نل ٹپک رہا تھا اور بالٹی میں پانی کے قطرے گرنے کی آواز ان کے دماغ پر ضربیں لگانے لگی۔ فوراً اٹھ کر انہوں نے غسل خانے کا نل کس دیا اور واپس آ کر پھر غسل دینے لگیں۔ اس مرتبہ پھر ان کی نظر انگلی پر پڑی اور ایک خیال ان کے دماغ میں کوند گیا۔ یہ انگوٹھی ان کے تمام مصائب کا خاتمہ کر دے گی اور جوان بیٹی آنکھوں کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ پھر انہوں نے زور لگا کر انگوٹھی اتارنے کی کوشش کی تو انگوٹھی اترنے کے ساتھ کھال بھی کھنچ آئی۔ انہوں نے جلدی سے اسے دوپٹے کے پلو میں

باندھ لیا۔ اتنے میں اختر صاحب کفن کا سامان لے کر آ گئے۔ انہوں نے دروازے پر ہی شکیلہ بی کو آواز دے کر یہ چیزیں پکڑا دیں۔ اس وقت تک وہ گھر میں اکیلی تھی۔ انہیں بو کا احساس تک نہ رہا۔ حالانکہ بدبو میں ابھی تک کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔

"ٹپ' ٹپ' ٹپ۔"

نل پھر ٹپکنے لگا۔ اس دفعہ آواز کچھ زیادہ ہی تیز تھی۔ وہ بڑھ کر غسل خانے میں پہنچیں اور پوری قوت سے نل کس دیا۔

بیگم جمشید کی لاش کو کفناتے وقت انہوں نے دیکھ لیا کہ انگلی پر کافی بڑا زخم تھا۔ سینے پر ہاتھ باندھتے وقت انہوں نے بائیں ہاتھ کو نیچے کر کے دائیں ہاتھ کو اوپر کر دیا۔

"ٹپ' ٹپ' ٹپ۔"

اس مرتبہ نل ٹپکنے کی آواز نے ان کے دل میں خوف کی ایک ہلکی سی لہر دوڑا دی لیکن وہ اسے ایک وہم سمجھ کر غسل خانے کی طرف دوڑیں۔ انہوں نے سوچا کہ آج اس نل کو ہو کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ ایک مرتبہ پھر نل انہوں نے پوری قوت سے کس دیا۔ لیکن جیسے ہی وہ غسل خانے سے باہر آئیں تو خوف سے ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ زخمی ہاتھ اوپر تھا اور انگلی کا زخم واضح نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے دل مضبوط کر کے لاحول پڑھی اور سوچا کہ شاید میں نل کی وجہ سے ہاتھ صحیح طور پر باندھ نہ سکی تھی۔ زخمی ہاتھ کو پھر نیچے کیا لیکن اس مرتبہ انہیں احساس ہوا کہ ہاتھ جیسے زندہ ہوں۔ خوف سے ان کا رنگ زرد پڑ گیا۔ لاش مکمل طور پر کفنانے کے بعد وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکیں کہ لوگوں کو اطلاع دیں کہ میت کو اٹھا لیا جائے لیکن جیسے ہی وہ کمرے سے ہوتی ہوئی گیٹ کی جانب بڑھیں کہ نل ٹپکنے کی آواز پھر گونج اٹھی۔ ٹپ' ٹپ' ٹپ ---

pdfstuff.blogspot.com

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے نل پوری طاقت سے کھول دیا گیا ہے۔ وہ فوراً" پلٹ کر پھر غسل خانے میں داخل ہوئیں لیکن نل تو بند تھا اور ٹپکنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ غسل خانے سے نکل کر وہ ایک مرتبہ پھر لاش کی طرف آئیں لیکن اس دفعہ ان کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ زخمی ہاتھ پھر اوپر تھا اور بند آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں جن کی پتلیاں پھیل چکی تھیں۔ وہ دیوانہ وار دوڑتی ہوئی گیٹ کی جانب آئیں اور پوری شدت سے اختر صاحب کو پکارا۔ ساتھ ہی وہ بے ہوش ہو کر گر گئیں۔ اختر صاحب بھاگے ہوئے آئے لیکن دروازے پر شکیلہ بی کو بے ہوش دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ انہیں خیال یہ ہوا کہ شاید شدید بو نے ان کے دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ فوراً" ہی انہوں نے دوسرے افراد کی مدد سے انہیں اٹھایا اور اپنے گھر لے جا کر کمرے میں لٹا دیا اور ایک بزرگ خاتون کو ان کے پاس چھوڑ دیا۔ اختر صاحب اور دوسرے اہل محلہ نے اپنی ناکوں پر رومال رکھ کر میت کو اٹھایا۔ اس وقت بدبو نے اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ ناک بند ہونے کے باوجود لوگوں کو ابکائیاں آنے لگیں۔ آخرکار میت کو گھر سے باہر لا کر رکھ دیا گیا اور اختر صاحب نے سب افراد کی موجودگی میں گھر کو مقفل کیا اور چابی ایک بزرگ کے حوالے کر دی۔

قبرستان سے واپسی کے بعد اختر صاحب نے کرنل جمشید کے بچوں کو اس سانحے کی اطلاع دی اور انہیں لکھا کہ وہ جلد سے جلد اپنے وطن واپس آ کر اپنی امانتیں وصول کر لیں۔

ہوش میں آنے کے بعد شکیلہ بی چیخ رہی تھیں۔ "ارے یہ نل تو بند کر یہ ٹپ ٹپ کی آواز تو میرے کانوں کے پردے پھاڑ دے گی۔ ارے یہ ہاتھ باندھ دو' یہ کفن سے باہر نکل رہے ہیں۔"

شکیلہ بی کی اس حالت کو دیکھ اختر صاحب نے انہیں اپنے گھر میں ہی ٹھہرا لیا۔ پھر ان کی بیٹی کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر خان بھی جو دماغی امراض کے ماہر تھے' شکیلہ

کے مرض کو نہ سمجھ سکے۔ ان کی حالت روز بروز بگڑتی چلی گئی۔ وہ بار بار چیخ اور اس وقت وہ دوپٹے کا پلو دونوں ہاتھوں کی مٹھی میں جکڑ لیتیں اور ان حلق سے انتہائی بھیانک آوازیں نکلتیں۔

"خدا کے واسطے یہ نل بند کر دو --- ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔" اور ہتے ہوئے وہ اپنی بیٹی کو سینے سے لگا لیتیں اور کہتیں۔

"اب میں تیرا بیاہ کروں گی۔ اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے --- اب میں دل کھول کر جہیز دوں گی --- لیکن --- ارے اس لاش کو تو ہٹاؤ --- کے ہاتھ باندھ دو --- یہ میری باتوں پر ہنس رہی ہے --- ہی ہی ہی۔"

اور پھر شکیلہ بی اسی طرح قہقہے لگاتی اور ہذیان بکتے بکتے سچ مچ پاگل ہو ں۔ وہ سڑکوں پر نکل جاتیں اور اس دوران بھی وہ دوپٹے کا پلو اپنے دونوں وں میں دبائے رکھتیں۔ ناردرن ایریا کا یہ علاقہ ان کے خوفناک قہقہوں سے نجتا رہتا۔ اس پاگل پن کے باوجود اگر کبھی ان کی نظر بیگم جمشید کے بنگلے کی ف اٹھ جاتی تو وہ خوف سے پیلی ہو جاتیں اور ان کے خوفناک قہقہے رک تے۔ وہ سہمی سہمی نظروں سے بنگلے کی طرف دیکھتیں اور چیخ پڑتیں۔

"ارے ظالمو' یہ ہاتھ تو باندھ دو' کفن سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔"

اختر صاحب نے شکیلہ بی کے بھانجے اور دوسرے افراد کے مشورے سے میں پاگل خانے بھیجنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ اب ان کی حالت اتنی بگڑ چکی تھی کہ کسی کی جان لے ڈالتیں۔

اس روز شام سے شکیلہ بی اپنے کمرے میں بالکل خاموش تھیں۔ سب ل ان کی اس کیفیت پر حیران تھے۔ ان کی اس کیفیت کے پیش نظر بیگم اختر ان کے کمرے میں گئیں تو انہوں نے دیکھا کہ شکیلہ بی کے دوپٹے کا پلو اس وقت ان ں مٹھیوں سے آزاد تھا۔ انہوں نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر ان کا دوپٹہ کھینچ ا۔ شکیلہ بی غضب ناک شیرنی کی طرح ان کی طرف لپکیں۔ وہ خوف زدہ ہو کر

PdfStuff.blogspot.com

برابر کے کمرے میں آگئیں اور اندر سے چٹخنی چڑھا کر انہوں نے پلو میں پڑی گرہ کھول لی تو وہ ساکت رہ گئیں۔ پلو میں بیگم جمشید کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ باہر شکیلہ بی پہلے چیخ چیخ کر پھر روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"بیٹی یہ نہ کھولنا' یہ نہ کھولنا' تمہیں میرے سر کی قسم' اس میں میری بیٹی کا جہیز بندھا ہوا ہے۔"

بیگم اختر معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی تھیں۔ انہوں نے انگوٹھی پھر پلو میں باندھ دی اور دروازے سے نکل کر شکیلہ بی کے آگے دوپٹہ پھینک دیا۔ شکیلہ بی نے تیزی سے دوپٹہ اٹھا لیا اور پلو کو دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں دبا کر زاروقطار رونے لگیں۔

بیگم اختر نے دفتر سے واپسی پر اختر صاحب کو تمام واقعہ سنا دیا۔ اب وہ بھی شکیلہ بی کے پاگل پن کی وجہ کو سمجھ چکے تھے۔ انہوں نے طے کیا کہ وہ اب ڈاکٹر خان کو پوری صورت حال بتا کر ان کے علاج کی کوشش کریں گے۔

رات دو بجے کے قریب شکیلہ بی کے کمرے سے پھر وہی بھیانک قہقہے اور رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ پوری طاقت سے چیخ رہی تھیں۔

"ارے یہ نل تو بند کرو' اس کی ٹپ ٹپ میرے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی ہے --- خدا کے واسطے یہ نل بند کرو --- ارے ظالمو --- یہ ہاتھ تو باندھ دو' کفن سے باہر نکل رہے ہیں۔"

اس وقت ان کی اس کیفیت سے سب ہی خوفزدہ تھے۔ کسی کو ان کے کمرے میں جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کمرے میں کوئی طوفان آگیا ہو۔ معلوم ہوتا کہ دھینگا مشتی ہو رہی ہے۔ ساتھ ہی شکیلہ بی بری طرح خوفزدہ انداز میں چیخ رہی تھیں۔

"یہ لو --- یہ ہے تمہارے شوہر کی نشانی --- مجھے چھوڑ دو --- خدا کے لیے میری بیٹی کا بیاہ --- میری بیٹی کا جہیز --- خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو

--- نہیں نہیں --- نہیں --- نہیں۔" --- پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔

صبح جب اختر صاحب اور بیگم اختر شکیلہ بی کے کمرے میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ کمرے کے بیچوں بیچ مردہ حالت میں پڑی تھیں۔ ان کے گلے پر انگلیوں کے نشانات تھے اور پلو کی گرہ خالی تھی --- کسی فقیر کی جھولی کی طرح۔

☆

PdfStuff.blogspot.com

جب چادر ہٹی ---

سفید چادر میں کسی کا بدن لپٹا پڑا تھا۔ انہوں نے چادر ہٹائی اور خوف کے مارے ان کی چیخیں نکل گئیں۔ شلوار قمیض تو مستان کی تھی مگر اس میں لپٹا ہوا بدن.....

وہ ایک اندھیری رات تھی۔ دو بجنے والے تھے کہ چوکیدار شیر گل اور راول اپنی ڈیوٹی ختم کر کے آئے اور نادر اور مستان کو اٹھایا۔ دونوں چوکیدار اٹھے۔ منہ پر پانی کے دو چار چھپکے مارے اور اس کے بعد ڈنڈے اٹھائے اور ٹارچ ہاتھ میں لے کر گشت پر نکل پڑے۔

صنوبر چوکیدار گشت لگاتا ہوا جب دوسرے حصے میں پہنچا تو اسے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی جس کو سن کر وہ ٹھٹھکا اور ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے چاروں طرف دیکھنے لگا لیکن جب اسے کوئی دکھائی نہ دیا تو وہ ڈنڈے کو زمین پر ٹھک ٹھک کرتا ہوا آگے بڑھا کہ اتنے میں آواز دوبارہ سنائی دی۔ اب تو صنوبر کے کان کھڑے ہوئے اور ٹارچ کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ پائپوں کے اندر بھی جھانکنے لگا اور پھر اس نے دیکھا کہ ایک بڑے پائپ میں سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹا ہوا کوئی پڑا ہے۔ صنوبر نے ایک قدم آگے بڑھایا پھر کچھ سوچ کر رک گیا اور آواز دی۔

"کون ہے؟"

اس کے جواب میں کتے کی آواز سے مشابہ ایک تیز قسم کی غراہٹ سنائی دی۔ صنوبر نے گھوم کر دیکھا تو تھوڑے فاصلے پر ایک بہت بڑا کتا کھڑا غرا رہا تھا۔ اس نے ڈنڈے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ہش ہش کر کے اسے بھگانا چاہا کہ دوسری طرف سے اسے ویسی ہی غراہٹ سنائی دی۔ سر گھما کر دیکھا تو ادھر بھی ایک ویسا ہی لحیم شحیم کتا کھڑا اس کی طرف دیکھ کر غرا رہا تھا۔ صنوبر نے گھبرا کر دوسرے ساتھی مستان کو آواز دی لیکن اس کی آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔ پھر اس نے پائپ کے اندر دیکھا مگر اس میں اب کوئی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر وہ بھاگ کھڑا ہوا اور ساتھ ہی اس نے سنا کہ کوئی زور سے قہقہہ مار کر ہنسا ہو۔ صنوبر کو یہ ہنسی بھی بڑی بھیانک سی معلوم ہوئی اور اس کی ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ جیسے تیسے کر کے وہ روڈ تک پہنچا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

دوسرا چوکیدار گشت لگاتا ہوا جب اس طرف سے گزرنے لگا تو روڈ پر کسی کو پڑا ہوا دیکھ کر اس نے ٹارچ کی روشنی ڈالی اور ساتھ ہی تیز قدموں سے چلتا ہوا وہ اس جگہ پہنچا' دیکھا تو وہ صنوبر تھا جو بے ہوش پڑا تھا۔ مستان نے بمشکل اٹھا کر اسے کندھے پر ڈالا اور جھونپڑی کی طرف چل دیا۔

راول اور شیر گل دونوں ابھی تک جاگ رہے تھے۔ انہوں نے جیسے ہی مستان کو دیکھا کہ کسی کو اٹھا کر لایا ہے' جلدی سے آگے بڑھے اور پھر تینوں نے سہارا دے کر صنوبر کو چارپائی پر لٹا دیا اور اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد صنوبر نے آنکھیں کھولیں اور سہمی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

"ارے بچاؤ مجھے کتوں نے گھیر لیا ہے۔"

"ہم نے کتوں کو مار دیا ہے' اٹھو اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔" شیر گل اسے تسلی

Pdfstuff.blogspot.com

دیتے ہوئے بولا۔

صنوبر نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "مجھے اٹھا کر کون لایا؟"

"تم سڑک پر بے ہوش پڑے تھے' مستان اٹھا کر لایا ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ کتوں سے ڈر کے بے ہوش کیوں ہو گئے تھے۔" شیر گل بولا۔

"نہیں وہاں تو بات ہی کچھ اور تھی۔" یہ کہتے ہوئے صنوبر نے تمام واقعہ تفصیل سے سنا دیا۔

"یار' کہیں مذاق تو نہیں کر رہے۔" مستان بولا۔

"مذاق کیسا۔" صنوبر نے کہا۔ "شیر گل تو کہہ رہا تھا کہ اس نے کتوں کو مارا ہے۔"

"نہیں بھائی' ہم نے کتوں کو دیکھا تک نہیں' وہ تو تمہاری تسلی کے لیے کہہ دیا تھا۔" شیر گل نے کہا۔

لیکن جب صنوبر نے قسمیں کھا کھا کر انہیں یقین دلایا تو سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے پھر کس کی نیند اور کیسی نیند' باقی رات سب نے جاگ کر گزار دی۔

صبح سات بجے انچارج سٹور شاکر صاحب آئے تو انہیں رات کا واقعہ بتایا گیا جسے سن کر وہ تھوڑی دیر سوچتے رہے پھر بولے۔

"آج رات کو میں بھی تمہارے ساتھ رہ کر دیکھوں گا لیکن اس واقعے کا ذکر ابھی کسی سے نہ کرنا اور چلو وہ جگہ تو دکھاؤ جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔"

شاکر صاحب کے حکم پر صنوبر نے وہ پائپ جس کے اندر اس نے کسی کو دیکھا تھا اور جہاں کتے کھڑے تھے' دکھایا لیکن چڑیوں کے پنجوں کے سوا وہاں کسی قسم کا اور نشان نہ تھا۔

رات کو تقریباً" دس بجے شاکر صاحب اسٹور پر آ کر بیٹھ گئے اور چوکیداروں کو تاکید کر دی کہ جیسے ہی کوئی بات ہو وہ فوراً" ٹارچ کی روشنی اس

طرف ڈالیں۔ اس کے بعد چوکیدار باری باری ڈیوٹی بدلتے رہے لیکن کوئی بھی واقعہ پیش نہ آیا۔

دوسری رات بھی بغیر کسی واقعے کے گزر گئی۔

تیسری رات کو شاکر صاحب نہیں آئے۔ چوکیدار شیر گل اور غفور گشت لگا رہے تھے کہ گیارہ بجے کے قریب انہیں بڑی بدبو محسوس ہوئی جو تھوڑی دیر میں اتنی بڑھ گئی کہ دونوں نے اپنی ناک پر کپڑا رکھ لیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کتا مر گیا ہے۔" شیر گل بولا۔

"ہاں کچھ ایسی ہی بدبو ہے۔" غفور نے کہا۔

"ہوا بھی اسی کی طرف چل رہی ہے' چلو دوسری طرف چلتے ہیں۔"

لیکن جب وہ دوسری طرف پہنچے تو ادھر بھی ویسی ہی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔"

"یہ تو چاروں طرف ہے۔" غفور نے کہا۔

"دیکھیں تو سہی کہاں سے آ رہی ہے۔"

"رات کو ان ہزاروں پائپوں میں کیا دکھائی دے گا' صبح کو دیکھا جائے گا۔"

"پھر کیا کریں' بدبو کے مارے اب تو سانس بھی نہیں لی جا رہی۔"

"چلو ان دونوں کو بلاتے ہیں پھر ٹارچ کی روشنی میں دیکھیں گے۔" شیر گل بولا۔

اس کے بعد دونوں نے آ کر سوئے ہوئے چوکیداروں کو اٹھایا اور پھر جیسے ہی وہ اٹھے تو ان دونوں نے بھی جلدی سے اپنی ناک پر کپڑا رکھ لیا۔"یہ بدبو کہاں سے آ رہی ہے۔"

"اسی لیے تو تمہیں اٹھایا ہے۔" غفور نے کہا۔"اٹھو ٹارچ کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔"

"ٹھہرو۔" مستان کچھ سوچ کر بولا۔ "ہماری گلی میں ایک بوڑھی سی عورت رہتی تھی۔ ایک صبح کو جب ہم سو کر اٹھے تو بدبو کے مارے سانس نہیں لی جا

PdfStuff.blogspot.com

رہی تھی۔ میں گھر سے باہر آیا تو کچھ اور لوگ بھی گلی میں کھڑے بدبو کے بار۔
ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ کسی کی نظر اس بوڑھی عورت کے مکان
جا پڑی جس کے اوپر ہزاروں مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر فوراً" پولیس
اطلاع دی گئی۔ پھر پولیس کے آنے پر دروازہ توڑا گیا۔ اندر بڑھیا مری پڑی تھ
جس کی پھولی ہوئی لاش سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ مجھے یہ بدبو بالکل
ویسی ہی معلوم ہو رہی ہے۔"

مستان کی یہ بات سن کر سب بہت گھبرائے اور سوچنے لگے کہ اگر
خدانخواستہ پائپوں میں کسی انسان کی لاش ہوئی تو کیا ہو گا؟ غفور کا تو بدبو کے
مارے برا حال تھا۔ سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا تھا۔ یکایک اسے ابکائی آئی او
الٹی ہو گئی جس کے بعد غفور کی سانس کسی قدر درست ہو گئی۔ ادھر دوسروں
بھی کچھ عجیب سا حال تھا۔ اتنی دیر میں ناک پر کپڑا رکھنے کی وجہ سے ان کا د
گھٹنے لگا تھا۔ سب پائپوں پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور سانس لینے کے لیے ذرا سا کپڑ
ناک پر سے ہٹایا اور پھر یہ جان کر کہ اب بدبو نہیں رہی ان کے دم میں د
آیا۔ اتنے میں ہوا کا ایک تیز جھونکا عجیب سی خوشبو پھیلاتا ہوا گزر گیا۔ سب لمبے
لمبے سانس لینے لگے۔ خوشبو کچھ اتنی مسحور کن تھی کہ ان کی آنکھیں خودبخود
بند ہونے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سب کے سب دنیا و مافیہا سے بے خبر پائپوں
پر آڑے ترچھے پڑے تھے۔

صبح سات بجے جب پہلی شفٹ کے چوکیدار ڈیوٹی پر آئے تو رات والے
چاروں چوکیدار بے ترتیبی سے پڑے ہوئے سو رہے تھے۔ یہ بات انہیں کچھ
عجیب سی معلوم ہوئی۔ آخر صنوبر نے انہیں آگے بڑھ کر اٹھایا۔ سب ہڑبڑا کر
اٹھ بیٹھے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ پوری ملازمت میں ان کے لیے یہ
پہلا موقع تھا کہ جو ڈیوٹی سے غافل ہو کر اس طرح سوئے تھے۔ پھر انہیں یاد آیا
کہ اس عجیب سی خوشبو سے آنکھیں خودبخود ہی بند ہونے لگی تھیں۔ اتنے میں

شاکر صاحب بھی آ گئے۔ انہیں جب رات کا واقعہ بتایا گیا تو وہ بھی شش و پنج میں
پڑ گئے اور سوچنے لگے کہ آخر یہ سب کیا ہے۔ پھر کہنے لگے۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انشاءاللہ میں آج کل میں ہی کسی عامل
سے ملوں گا' خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ فی الحال کسی سے ذکر نہ
کرنا۔"

چوکیدار اس صورت حال سے پریشان ضرور تھے مگر ہراساں نہیں تھے۔
لہٰذا جب رات کو دو بجے مستان اور شیر گل کو اٹھایا گیا تو دونوں پوری طرح چاق
و چوبند تھے۔ اٹھنے کے بعد دونوں نے اپنے اپنے ڈنڈے سنبھالے اور ٹارچ لے
کر گشت پر نکل گئے۔

مستان گشت لگاتا ہوا جیسے ہی روڈ پر پہنچا' اس نے سنا کوئی آدمی اس کا نام
لے کر بلا رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ اتنی رات گئے کون ہو سکتا ہے۔ آواز بھی
ساتھیوں میں سے کسی کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اس نے ٹارچ کی روشنی ادھر
ادھر ڈالتے ہوئے دیکھا لیکن جب کوئی نہ دکھائی دیا تو وہ آگے کی طرف چل دیا۔
اتنے میں پھر کسی نے اس کا نام لے کر پکارا۔ آواز بالکل صاف اور واضح تھی۔

"کون ہے؟" مستان نے پوچھا۔

آواز کے جواب میں کوئی ہنسا۔ یہ ہنسی بہت پیاری تھی۔ مستان نے سوچا کہ
ایسی پیاری ہنسی کی آواز تو کسی لڑکی کی ہی ہو سکتی ہے۔ مگر اتنی رات گئے کسی
لڑکی کا تصور بھی ناممکن تھا۔ یکایک روشنی کا ایک تیز جھماکہ ہوا جس سے ایک
لمحے کے لیے مستان کی آنکھیں چندھیا گئیں اور دوسرے ہی لمحے نگاہ اٹھا کر دیکھا
تو سامنے ایک انتہائی حسین و جمیل لڑکی کھڑی مسکرا رہی تھی لیکن فوراً" ہی اس
کی نظریں جھک گئیں۔ لڑکی کے جسم سے پھوٹتی ہوئی روشنی بار بار اس کی
آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر رہی تھی۔ اتنے میں لڑکی بولی۔

"آؤ میرے ساتھ۔"

PakStuff.blogspot.com

اس آواز میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ مستان کے قدم خودبخود اٹھنے لگے۔ اس نے کن انکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھا جو پائپوں کی طرف جا رہی تھی۔ وہ بھی بے اختیار ہو کر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد مستان نے خود کو ایک بڑے ہال میں پایا۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو لڑکی غائب تھی۔ البتہ ایک طرف کچھ آدمی سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے۔ پورا ہال عجیب و غریب روشنیوں سے جھلملا رہا تھا۔ بیٹھے ہوئے چند آدمیوں نے اس کی طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ کہا۔ اتنے میں روشنی کا پہلے جیسا جھماکا ہوا اور وہی لڑکی روشنی سے نمودار ہوئی لیکن اس مرتبہ اس کے جسم سے روشنی نہیں پھوٹ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر بیٹھے ہوئے آدمی کھڑے ہو گئے۔ ان کے کھڑے ہونے کا انداز بڑا ہی مودبانہ تھا۔ مستان نے لڑکی کو کچھ کہتے ہوئے سنا جو وہ سمجھ نہ سکا لیکن وہ آدمی فوراً ہی خاموش ہو کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ مستان بار بار لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا مگر رعب حسن سے ہر بار اس کی نگاہیں جھک جاتیں۔ یکایک اس نے محسوس کیا کہ اس کی اس جسارت کو غصے کی نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ پھر اس نے دیکھا کہ بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک اٹھا اور اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اب جو مستان نے غور سے دیکھا تو مارے دہشت کے اس کا تمام جسم کانپنے لگا۔ وہ تو انسان سے مختلف کسی اور ہی دنیا کی مخلوق نظر آتا تھا۔ بڑے بڑے کان' آنکھیں لال سرخ جن سے شعلے سے نکلتے معلوم ہو رہے تھے اور اتنی بڑی کہ کان کے گوشوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ہاتھ اتنے لمبے تھے کہ انگلیاں زمین کو چھو رہی تھیں۔ اتنے میں وہ عجیب الخلقت مخلوق مستان کے قریب پہنچ چکی تھی۔ پھر جیسے ہی اس نے ہاتھ بڑھایا مستان کی چیخ نکل گئی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

صبح ابھی سورج نہیں نکلا تھا کہ دن کی ڈیوٹی والے چوکیدار آ گئے۔ ادھر دوسرے گیٹ سے شاکر صاحب بھی آتے ہوئے نظر آئے۔ قریب پہنچے تو سب نے سلام کیا۔ سلام کے جواب کے بعد وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ پھر ادھر ادھر دیکھتے

ہوئے انہوں نے پوچھا۔ "مستان کہاں ہے۔"

"شاید لیٹرین گیا ہے۔" شیر گل نے کہا۔

"شاید یا تم نے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔" شاکر صاحب نے پوچھا۔

"دیکھا تو نہیں صاحب۔" شیر گل نے کہا۔

"رات دو بجے کے بعد کس کی ڈیوٹی تھی۔"

"میری اور مستان کی۔"

"تم دونوں ساتھ رہے یا علیحدہ۔"

"مستان نے مجھے خود کہا تھا کہ تم اسی طرف رہو اور پھر وہ خود بڑے پائپوں کی طرف چلا گیا تھا۔" شیر گل نے بتایا۔

مستان کو کئی آوازیں دی گئیں لیکن جب کوئی جواب نہ ملا تو شاکر صاحب کچھ پریشان سے ہو کر اٹھ اور بولے۔ "میں آئندہ ایسی غلطی برداشت نہیں کروں گا۔ جاؤ سب ادھر ادھر جا کر اسے تلاش کرو اور صنوبر تم میرے ساتھ آؤ۔" اس کے بعد سب لوگ مستان کو تلاش کرنے میں لگ گئے۔

"ارے جلدی آؤ' ادھر آؤ۔" غفور ایک بڑے پائپ کے پاس پہنچ کر اس کے اندر دیکھ کر بولا۔

غفور کی آواز سن کر سب تیزی سے دوڑ کر اس طرف پہنچے پھر شیر گل اور صنوبر جلدی سے پائپ کے اندر گھسے اور سفید چادر میں لپٹا ہوا ایک جسم باہر نکال لائے۔ جونہی چادر کھولی گیا ان کی چیخیں نکل گئیں۔

شلوار قمیض تو مستان ہی کی تھی مگر اس میں لپٹا ہوا ایک گرانڈیل کتا تھا جس کے مردہ جسم سے اٹھتی ہوئی بدبو کے بھبکے تیز ہوتے جا رہے تھے۔

☆

Pdfstuff.blogspot.com

تصویروں کی لعنت

اس عمارت کی تصویر جس جس نے بنائی یا اپنے گھر میں رکھی
اسے کوئی نہ کوئی حادثہ لے ڈوبا۔ کاش، ہم اس گرجے کی
تصویریں نہ بناتے جس کی حفاظت پر نادیدہ روحیں مامور تھیں۔

مقررہ دن کو جب میں سویرے اپنے سونے کے کمرے سے باہر نکلی تو میرا نوکر جو نیم عرب تھا، میرے سازوسامان کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ آج آپ تصویر کشی کریں گی؟ جب میں نے اسے اپنا پروگرام بتایا تو وہ چونک کر پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا۔

"نہیں نہیں میم صاحب، ایسا نہ کیجئے۔"

میں نے اسے ایک طرف ہٹا دیا اور ہم چاروں موٹر پر طویل القامت ناریل کے درختوں اور مقامی باشندوں کے دیہات میں سے گزرتے ہوئے ولبر کے گرجے کو چل پڑے۔ ہم گیارہ بجے کے قریب وہاں پہنچ گئے تھے۔ موٹر ایک سایہ دار مقام پر کھڑی کی اور قدیم گرجے کی طرف بڑھے۔ معاً میں نے ایک پرغضب آواز سنی۔

"میم صاحب، آپ کیا کرنا چاہتی ہیں، آپ کدھر جا رہی ہیں؟"

میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک ٹھگنا سا نیم عریاں بوڑھا کھڑا تھا۔ اس کی چمکیلی آنکھوں سے خوف عیاں تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ ہم ولبر کے گرجے کی تصویریں بنانا چاہتے ہیں۔ اس نے ہمیں یہاں سے فوراً چلے جانے اور کبھی نہ

آنے کا مشورہ دیا۔ الفاظ اس کے منہ سے سیلاب کی طرح نکل رہے تھے۔

ہم حیران رہ گئے کہ ایک معمر مقامی آدمی بھی خوف سے تھرا رہا تھا۔ میں نے اپنی ٹوکری سے اسے کچھ مٹھائی نکال کر دی۔ اس نے لے لی لیکن وہ بدستور میری طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"شکریہ، لیکن میں تمہارے بزرگوں سے خوفزدہ نہیں ہوں کیونکہ ہمارے اپنے دیوتا ہماری حفاظت کرتے ہیں۔"

ہم گرجے کی طرف بڑھے اور پرانے درختوں کے سائے تلے بیٹھ کر خاموشی سے تصویر کشی میں مشغول ہو گئے۔ ایک مرتبہ مجھے یوں لگا کہ کوئی میرے کندھے کو بڑے آرام سے چھو رہا ہو۔ میں نے تیزی سے چاروں طرف دیکھا۔ مجھے یوں معلوم ہوا کہ میں ایک سیاہ فام باریش چہرہ دیکھ رہی ہوں۔ میں نے اسے محض واہمہ سمجھا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ اس شام پانچ بجے ہم اچانک تھک گئے اور واپسی کے لیے تیار ہو گئے۔ شام نے آنے میں بہت سرعت سے کام لیا تھا۔ اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا تھا کہ یہاں سے جلدی نکل جائیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ جونہی ہم بلندی کی سڑک پر آئے وہاں شام کا نام و نشان نہ تھا بلکہ ہر طرف تیز روشنی تھی۔

وہ بوڑھا مجھے پھر دکھائی دیا۔ جس نے ہمیں صبح منع کیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سڑک کے کنارے جا رہا تھا۔ جب میں نے اسے موٹر میں بیٹھنے کو کہا تو اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکالا اور خاموشی سے موٹر میں بیٹھ گیا۔ ہم نے اسے اس کے گاؤں اتار دیا اور اس واقعے کو بھول گئے۔

میرے دونوں شادی شدہ دوست اپنی تصویر سے بالکل مطمئن نہ تھے۔ میری بیٹی کی تصویر بہترین تھی لیکن مجھے اپنی تصویر بڑی پسند تھی۔ چار روز تک ہم ولبر کی تصاویر بنانے میں مشغول رہے۔ ہم نے اتنی اچھی تصاویر پہلے کبھی نہیں بنائی تھیں۔ ولبر سے رخصت ہوتے وقت ہماری منزلیں جدا جدا تھیں۔ کچھ عرصے تک تو مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ دوسروں پر بزرگوں کے احکام کی خلاف ورزی کی پاداش میں کیا افتاد پڑی۔ ہاں اتنا پتہ ہے کہ میرا ٹخنہ دو مرتبہ ٹوٹا۔ مجھے

Pakistanipoint.blogspot.com

اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی کیونکہ میرے ٹخنے اتنے مضبوط تھے کہ میں کوہ پیمائی کرتی رہی تھی اور برف پر پھسلا کرتی تھی۔ میرا ٹخنہ پلاسٹر میں جکڑا ہوا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اب یہ پہلے کی طرح مضبوط نہ ہو گا

میری بیٹی کو شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک دن اس نے یونہی رائفل کی نالی پر پاؤں رکھ دیا' گو اس بات کا کوئی خطرہ نہ تھا پھر بھی کسی نہ کسی طرح رائفل چلی اور اس کا پاؤں زخمی ہو گیا۔ اور وہ بھی میری طرح ہفتوں بستر پر دراز ہو گئی۔ آج تک وہ فیشن ایبل بوٹ نہیں پہن سکی کیونکہ اسے چلنے میں تکلیف ہوتی ہے۔

ایک دن مجھے اپنے دونوں شادی شدہ دوستوں کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس سے پتہ چلا کہ خاوند کا دایاں ہاتھ زخمی ہو گیا ہے۔ وہ اپنے باغ کی دیوار پر سے ایک معمولی بیل کاٹنے لگا تھا اور بیوی کی پشت کی طرف گر گئی تھی۔ پہلے تو وہ کئی ماہ تک بستر پر لیٹی رہی جب تندرست ہوئی تو ایک دن اسے نہانے کے کمرے میں ایک چھوٹی سی تصویر آویزاں کرتے وقت گر پڑی۔

میں نے محسوس کیا کہ ایک مختصر عرصے میں یہ عجیب و غریب حادثے کیوں رونما ہوئے ہیں۔ اسی رات میں نے انہیں خط لکھا کہ ہم کالے پتھر پر مشورہ کریں۔ جب ہم اکٹھے ہوئے تو پہلے کی طرح مسرور اور خوش نہ تھے۔

کالے پہلے کی طرح حسین تھا۔ ہم نے پھر شام کے وقت سمندر کے قرمزی حسن سے لطف اٹھایا لیکن ہمارے دل میں یہ خیال بھی جاگزیں ہوئی کہ ہم بزرگوں کے غضب کو کس طرح ٹھنڈا کریں۔

کالے میں رات کے وقت شدید گرمی ہوتی ہے اس لیے لوگ کمروں کے دروازے اور کھڑکیاں بند نہیں کرتے اور شام سے مسہریاں تان لیتے ہیں۔

تیسری رات تھی اور میں جاگ رہی تھی۔ چاندنی میں سمندر کا شور سن رہی تھی۔ میرے قریب میری بیٹی لیٹی ہوئی سو رہی تھی۔ معاً کسی نے سیاہ ہاتھ سے میری مسہری کو چھوا اور مقامی زبان میں کہا۔

"ڈریں مت' میں ہوں آپ کا دوست۔"